جملہ حقوق محفوظ ہیں

بار سوم : ستمبر ۱۹۶۰ء
پبلشرز : شیخ ریاض ہمایوں احمد
پرنٹر : نقوش پریس
قیمت : آٹھ روپے

اپنے محبوب، غمگسار اور چہیتے دوست

حکیم نصیر الدین ندوی

کے نام

بھلانے پہ بھی قصۂ ربط ماضی!
بھلایا نہ جائے گا تم سے نہ ہم سے

رئیس احمد جعفری
کراچی

تاریخ کی کہانی

ھندوستان! اتنا ہی پرانا ملک ہے جتنی یہ دُنیا!

عہدِ تاریخ سے ہزارہا برس پہلے یہ دیس موجود تھا۔ یہاں کے گھنے جنگل، یہاں کے لہلہاتے ہوئے کھیت، یہاں کے بل کھاتے اور شور کرتے ہوئے دریا، یہاں کے مہیب اور ناپیدا کنار سمندر، یہاں کے آسمان سے باتیں کرنے والے پہاڑ۔۔۔ ان سب چیزوں پر قدرت کی مُہر لگی ہے، یہ سب چیزیں اتنی ہی قدیم ہیں جتنی قدیم کوئی چیز اس دنیا میں ہو سکتی ہے۔ اس سرزمین پر مختلف راستوں سے نئی نئی قومیں آتی رہیں جس میں کس بل زیادہ ہوا اس نے دوسروں کو پیچھے دھکیل دیا، اور خود اس کی جگہ لے لی۔ یہ دیس اپنی جگہ پر ہمالیہ پہاڑ کی طرح قائم تھا، لیکن یہاں کی قومیں بدلتی رہتی تھیں۔ یہاں کے لوگوں میں ردّ و بدل ہوتا رہتا تھا، اور اس طرح یہاں کی تہذیب معاشرت، بولی، رسم و رواج اور دین و مذہب میں بھی تغیّر کا سلسلہ جاری تھا۔ یہاں کا مذہب تمدّن پر قائم تھا، اور تمدن کی بنیاد مختلف قوموں کے رہن سہن خیالات و عادات اور رکھ رکھاؤ پر۔

ہر قوم جس طرح اپنا ایک خاص مزاج رکھتی ہے اسی طرح وہ اپنی ایک خاص تاریخ بھی رکھتی ہے۔ جب تک تاریخ کا فن شروع نہیں ہوا تھا مختلف

چیزوں کو بلو کے تاریخ اس طرح نکالی جاتی تھی جیسے دودھ سے مکھن اور گھی۔ سفرنامے، سرکاری دستاویزیں، سکّے، مہریں، شاہی فرامین، ہتھیار، برتن، زیورات اور اسی طرح کی دوسری چیزوں سے تاریخ کی کڑیاں ملتی تھیں کبھی صحیح کبھی غلط!

لیکن دنیا کی قوموں میں جس قوم نے سب سے زیادہ اپنی تاریخ سے بے توجہی برتی اور تاریخ کو ایک کہانی اور داستان کا درجہ دے دیا، وہ ہندو قوم ہے۔ "تحقیق کی کمی کی وجہ سے ان ہزارہا جلدوں میں جو ہندوؤں نے اپنے تین ہزار سال کے تمدن کے سلسلہ میں تصنیف کیں، ایک واقعہ بھی تاریخی صحت کے ساتھ درج نہیں ہے۔ اس زمانہ کے کسی واقعہ کو متعین کرنے کے لئے ہمیں بیرونی چیزوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ ہندوؤں کی تاریخی کتابوں کی یہ عجیب خصوصیت اور خاصیت ہر چیز کو غلط اور غیر فطری صورت میں دیکھنے کی واضح طور پر پائی جاتی ہے اور انسان کو یہ سمجھنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ اس قوم کا دماغ ہی ٹیڑھا ہے۔"[1]

ہندوؤں کی اسی بے پروائی اور واقعات و حقائق سے رُوگردانی کے باعث کیفیت یہ ہے کہ ...... "قدیم ہند کی کوئی تاریخ بھی موجود نہیں ہے ان کی قدیم کتابوں میں قطعاً تاریخ بھی موجود نہیں ہے۔ ان کی قدیم کتابوں میں قطعاً تاریخی واقعات مندرج نہیں ہیں، نہ ان کی عمارتوں اور یادگاروں سے اس کمی کی تلافی ہوتی ہے۔ کیونکہ پُرانی سے پُرانی یادگار بہ مشکل تیسری صدی قبل از مسیح کی ہے علاوہ چند مذہبی کتابوں کے جن میں بعض تاریخی واقعات، کہانیوں اور حکایتوں کے

---

[1] تمدنِ ہند صفحہ ۱۴۲ موسیو لیبان

اندر دفن ہیں۔ قدیم ہند کے حالات معلوم کرنا اسی قدر مشکل ہے جیسا کہ اس خیالی جزیرہ اٹلانٹس کا جو بقول افلاطون انقلابِ ارضی کی وجہ سے تباہ ہو گیا۔"[1]

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی صحیح اور مستند اور معتبر تاریخ مسلمانوں کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔ وہی اس دیس کے پہلے اور مستند مؤرخ ہیں[2] ورنہ ہندوؤں کی تاریخ سے بے توجہی اور حکایت و افسانہ سے شغف و انہماک کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ دنیا کے ایک بہت بڑے مفکر اور مؤرخ کے بقول "رام اور سیتا وغیرہ خیالی ہیرو ہیں۔ اگرچہ رامائن کے احسن نظم و بیان نے انہیں واقعی اشخاص قرار دیا ہے۔ اور ہندوستان میں سب ہندو مرد و عورت انہیں سچ مچ کے تاریخی اشخاص سمجھنے لگے ہیں"[3]

اور یہ بات —— تاریخ سے بے توجہی اور بے پروائی —— صرف ہندوؤں ہی تک محدود نہیں، بھارت ہو یا یونان، یا دنیا کا کوئی اور عظیم و جلیل ملک سب کا یہی حال ہے۔ تاریخ کا تحفہ مسلمانوں نے صرف بھارت ہی کو نہیں، ساری دنیا کو عطا کیا ہے۔ ان سے پہلے تاریخ اور کہانی میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ان کے آنے کے بعد فضا بدلی، حالات بدلے، رُت بدل گئی۔ انہوں نے تاریخ کو تاریخ بنایا۔ اپنی تاریخ بھی لکھی اور دوسروں کی بھی اور دُنیا کو بتا دیا کہ بے لوث اور بے داغ اور یکسر غیر جانبدار تاریخ، جس کی بنیاد رائے اور جذبات پر نہیں صرف صحیح واقعات اور مستند حالات پر ہو، کیونکر لکھی جاتی ہے؟ دُنیا کو

---

[1] تمدنِ ہند : [2] تمدنِ ہند [3] تمدنِ ہند

مسلمانوں نے بہت سی نعمتیں دی ہیں۔ ان میں ایک بہت بڑی نعمت "تاریخ" بھی ہے۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے جن کے پاس صحیح اور مستند تاریخ کا ذخیرہ ہے وہ اپنی تاریخ بھول چکے ہیں، اور جن کے پاس تاریخ کے بجائے کہانیاں ہیں وہ ان کہانیوں کو تاریخ کا روپ دے رہے ہیں۔ ان پر فخر کر رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں مسلمان اپنی تاریخ کو یاد رکھیں اپنی تاریخ سے سبق لیں، اپنی تاریخ کو مشعل راہ بنائیں، اور اس طرح اپنی ملی زندگی کی تشکیل نو کا کارنامہ انجام دیں۔

"سومنات" اپنی جگہ پر مکمل تاریخ بھی ہے، اور ایک ناول بھی، اس میں تاریخ کے حقائق بھی ہیں اور ناول کی دلچسپیاں بھی، اس میں امنگ بھی ہے، ولولہ بھی، اور زندگی کی تڑپ بھی، اس کی تحریر میں مجھے اتنی ہی محنت کرنا پڑی ہے جتنی ایک تحقیقی کتاب میں کرنا پڑتی ہے۔ اب یہ مسودہ اپنے عزیز دوست اور بھائی ریاض ہمایوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، اور اقبال کے الفاظ میں کہتا ہوں ؎

مرے قافلہ میں لٹا دے اسے
لٹا دے، ٹھکانے لگا دے اسے

رئیس احمد جعفری
کراچی

(۱)

یہ کیا ماجرا ہو گیا

وہ ایک امیر گھر میں پیدا ہوئی!

وہ بڑی سندر تھی۔ ہرنی کی سی بڑی بڑی آنکھیں سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے لمبے لمبے بال، پتلی کمر، گورا رنگ، ہونٹ جیسے گلاب کی پتی، گال جیسے گلاب کا پھول! باتیں کرتی تو منہ سے موتی جھڑتے۔ کسی کو مسکرا کر دیکھ لیتی تو ایسا لگتا جیسے ساری دنیا مسکرا رہی ہے۔ گا رہی ہے، ناچ رہی ہے۔ اس کی آنکھوں میں بھی جادو تھا اور باتوں میں بھی، گلا کار بھی غضب کی تھی۔ جب وہ سکھیوں کے جھرمٹ میں بیٹھ کر گاتی، تو ایسا معلوم ہوتا جیسے آسمان کے تارے جھک جھک کر اس کا گانا سن رہے ہیں۔ جب وہ اپنی سکھیوں کے ساتھ جنگلوں میں تیر کمان لے کر شکار کے لئے نکلتی، تو ہرن اس تمنا میں اس کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ چلتے، کاش وہ انہیں شکار کرے۔ اسے دیکھتے ہی مور اپنی سدھ بدھ بھول جاتے اور خوشی سے بیتاب ہو کر ناچنے لگتے تھے، جیسے وہ اسی کے منتظر تھے کہ وہ آئے تو اپنا ناچ دکھا کر اس کا سواگت کریں۔ کسی درخت کے نیچے سے جب وہ نکل جاتی تو کوئل "کو کو" اور پپیہا "پی کہاں، پی کہاں" کا ترانہ بھول کر اسے حیرت اور حسرت سے دیکھنے لگتا۔ چاندنی رات میں جب وہ اپنے پائیں باغ کی گلگشت کے لئے نکلتی، تو اس کے چہچہے سنکر بلبل دم بخود ہو جاتی، اور اس کے حسن کی جوت دیکھ کر چاند بادل کی

اوٹ میں شرماکر چھپ جاتا ——— یہ تھی کامنی!

سارے شہر میں کامنی کے حسن کا چرچا تھا ——— اس کا باپ مہاراجہ جے پال کا منہ چڑھا مصاحب تھا۔ اس کا بھائی مہاراجہ کی فوج میں ایک اچھے اور بڑے عہدے پر ملازم تھا۔ اور اس کا منگیتر ——— شیام ——— جے پال کی راجدھانی لاہور سے بہت دور قنوج کے دربار میں ایک پوری پلٹن کا کمانڈر تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے۔ کامنی کی آنکھوں میں شیام کا جلوہ لبا رہتا۔ اور شیام اگرچہ کامنی سے بہت دور تھا۔ لیکن اس کا دل ہر وقت اسی سے باتیں کیا کرتا تھا۔ کوئی وقت ایسا نہیں گزرتا تھا جب اس کی ہجراں نصیب آنکھیں اس کی خوبصورتی کا نظارہ کرتی ہوں۔ اس کے دو ہی کام تھے! میدانِ جنگ کے مورچہ پر اپنے آقا راجہ قنوج کی طرف سے لڑنا اور بہادری کی شان قائم رکھنا، یا پھر کامنی سے شادی بیاہ کے نقشے بناتا۔ وہ یہ سوچ سوچ کر بہت خوش ہوتا تھا۔ کہ ایک روز واقعی کامنی اس کی ہو جائے گی ——— ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ——— زندگی بھر کے لئے!

وہ اس وقت اپنے دوست دولت رام سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"اب میں چھٹی لے کر بہت جلد لاہور جانے والا ہوں"

دولت رام نے پوچھا "وہاں جاکر کیا کروگے میرے بھائی؟"

شیام مسکرایا "وہ کام کروں گا، جو تم سے اب تک نہ ہوسکا۔"

"تم خود وہ کونسا کارنامہ ہے؟ ذرا ہم بھی تو سنیں!"

"شادی ———!"

اور یہ کہہ کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ دولت رام نے بھی ہنسی میں اس کا ساتھ دیا۔ اس نے پوچھا "بہت چاہتے ہو کامنی کو؟"

وہ بولا "ہاں بہت زیادہ"

"اور وہ؟ ——— یعنی خود کامنی بھی تمہیں چاہتی ہے؟"

"چاہتی کیوں نہیں ——— میرے خط میں اگر ذرا بھی دیر ہو جائے تو وہ غم سے نڈھال ہو جاتی ہے!"

"اخاہ! یہ ٹھاٹھ ہیں ——— دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی!"

"اور نہیں تو کیا ——— یار بتاؤ تمہاری شادی کب ہوگی؟"

"کیوں؟ ——— تمہیں کیا؟"

"کچھ نہیں، بھابی سے ملنے اور انہیں دیکھنے کو ذرا جی چاہ رہا تھا"

دولت رام ہنسنے لگا "ارے بھائی میں شادی وادی کے چکر میں نہیں پھنسنے کا ———!"

"یہ کیوں آخر؟"

"ہم ٹھہرے سپاہی آدمی۔ ہماری شادی تلوار سے ہوئی ہے ——— سنا نہیں ہے تم نے ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں؟"

"کیوں نہیں سنا ہے"

"تو پھر سمجھ لو۔ بھلا تمہاری بھابی تلوار کے ساتھ ایک میان میں کس طرح سمائیں گی؟"

"بہت خوب ہماری بھابی کوئی تلوار ہیں؟"

"ہاں ——— عورت تلوار ہوتی ہے ——— کوئی کند، کوئی دودھاری لیکن ہوتی تلوار ہی ہے!"

شیام بڑا ہنس مکھ تھا۔ دولت رام کے اس فلسفہ کا ہنس ہنس کر مذاق اڑانے لگا۔ اس نے کہا "بھیا! اگر میری ہونے والی بھابی تلوار ہیں تو میں باز آیا ان کے دیدار سے"

دولت رام نے ایک قہقہہ لگایا۔ اور کہا "بزدل! ——— کاتر! ——— ڈر گیا تلوار کا نام سن۔ اگر اسی طرح کوئی تلوار کا دھنی تیری کامنی کو جھپٹ لے جائے، یا

اُس پر قبضہ کرے، تو کیا ہوگا تجھ سے ؟"

شیام کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ اُس نے کہا۔ "گردن کاٹ لوں گا، اُس کی ——— میرا نام شیام ہے! میری تلوار کی قنوج سے لاہور تک دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ کوئی حریف میرے سامنے سے آج تک زندہ بچ کر نہیں گیا۔ دُنیا میں اب تک کوئی آدمی ایسا نہیں پیدا ہوا جو شیر کے منہ سے لقمہ جھپٹ لے جائے !"

"تو جناب شیر ہیں ؟"

"(گرج کر) شیر نہیں، موت! ——— میں اپنے دشمن کے لئے موت ہوں موت! جس سے کوئی نہیں جیت سکتا۔ جس سے سب دبتے ہیں۔"

اور ٹھیک اُسی وقت جب دولت رام اور شیام میں یہ باتیں ہو رہی تھیں، راجہ جے پال نے ایک پیامی بھیج کر کامنی کے باپ امر سنگھ کو دربار میں بلایا۔ وہ فوراً حاضر ہوا۔ اور دست بستہ اپنے راجہ کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ جے پال نے سنگھاسن پر بیٹھے بیٹھے ایک نظر امر سنگھ پر ڈالی اور کہا :

"امر سنگھ تم جانتے ہو ہم نے کیوں یاد کیا ہے تمہیں ؟"

"میں نہیں جانتا میرے مالک !"

"ہماری کسی فرمائش کو پورا کرنے میں تمہیں تامل تو نہ ہوگا ؟"

"آپ مالک ہیں، اَن داتا ہیں، اگر میری جان بھی کام آئے تو حاضر ہے۔ فرمائش نہ کہیے حکم دیجئے۔ اور پھر دیکھئے امر سنگھ اپنی جان کی بازی لگا کر بھی اُسے پورا کرتا ہے۔ تو نہیں ——— ؟"

"ہم جانتے ہیں تم کتنے وفادار ہو! ——— ہمیں تم سے یہی امید تھی !"

"میرے مالک! اب صبر نہیں ہوتا۔ بتائیے وہ کونسی فرمائش ہے جس کا پورا کرنا غلام

کے ہاتھ میں ہے !"

"بہت معمولی۔"

"حکم !"

"اسے دیکھو، یہ ہے ہمارا جاں نثار اور بہادر محافظ کلونت سنگھ !"

"کون ہے جو کلونت کو نہیں جانتا میرے آقا ؟"

"یہ صرف ہمارا محافظ نہیں محسن بھی ہے۔ آج کا واقعہ سُن کر تم حیرت میں رہ جاؤ گے۔ یہ شکار میں ہمارے ساتھ گیا تھا۔ اور اگر یہ نہ ہوتا، تو آج تمہارا مالک، تمہارا آقا، تمہارا راجہ، تمہارا اَن داتا اس سنگھاسن کے بجائے شیر کے پیٹ میں ہوتا !"

(بے تابانہ) "میرے آقا! میرے مالک !"

"ہاں امر سنگھ! وہ کلونت تھا جس نے شیر کے پنجے سے ہمیں چھین لیا۔ ہم اس کے شکرگزار ہیں۔"

"میرے مالک! کلونت آپ کا نہیں آپ کی ساری پرجا کا، اس دیس کے ہر آدمی کا محسن ہے۔ واقعی اس نے ایسا کام کیا ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔"

"صرف تعریف ؟ ——— انعام نہیں ؟ ——— کیا کلونت انعام کا مستحق نہیں ؟"

"کلونت سنگھ بڑے سے بڑے انعام کا مستحق ہے میرے مالک !"

"سچ کہتے ہو ؟ دل سے کہہ رہے ہو تم ؟ کیا واقعی تمہاری رائے یہ ہے کہ ہم اسے اچھے سے اچھا اور بڑے سے بڑا انعام دیں ؟"

"میرے آقا! غلام کی رائے یہی ہے۔"

"تو سنو! ——— ہم نے کلونت سے وعدہ کر لیا ہے کہ کامنی کی شادی اس کے ساتھ ہوگی۔ بولو، منظور ہے تمہیں ؟"

یہ سُن کر امر سنگھ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اس کے پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ کلونت

اُس کا بدترین دشمن تھا۔ اُس نے بارہا امر سنگھ تک یہ پیغام پہنچایا تھا کہ ایسا انتقام لے گا کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔ امر سنگھ یہ سوچنے لگا ؛ کیا کلونت جیت گیا۔ اور میں ہار گیا؟ کیا اُس نے انتقام لے لیا اور میں کچھ نہ کر سکا ؛ کیا کامنی دلہن بن کر اس کے ——— میرے بدترین دشمن کے ——— گھر چلی جائے گی اور میں کچھ نہ کر سکوں گا ؛ میں مجبور ہوں گا کہ اُسے ڈولے میں بٹھاؤں، اور کلونت کے گھر بھیج دوں ؛ نہیں میرے جیتے جی یہ نہیں ہو سکتا ——— ہرگز نہیں کبھی نہیں !! کسی قیمت پر نہیں!!!"

امر سنگھ کو خاموش دیکھ کر جے پال نے کہا: "ابھی تم بلبل کی طرح چہک رہے تھے اب تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا ؛ ——— بولتے کیوں نہیں ؛ ——— کیوں ہماری فرمائش کی تعمیل کرنے میں تمہیں تامل ہے کچھ ؟"

امر سنگھ سے کچھ نہ بولا گیا ؛ وہ اب بھی خاموش تھا ؛ کسی گہری فکر میں غرق۔

جے پال کو غصہ آگیا۔ اُس نے زور سے کہا "امر سنگھ !"

"میرے آقا ! میرے مالک !"

"تم ہمارے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے ؛ ——— کیا یہ رشتہ تمہیں منظور ہے ؟"

"ان داتا بھلا آپ ایک بات کہیں اور غلام اُسے رد کر دے ؛ کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے ——— ؟"

"شاباش ! ہمیں تم سے یہی اُمید تھی !"

"لیکن اَن داتا ، رہ رہ کر مجھے جو خیال آتا ہے ؛ وہ یہ ہے کہ کامنی کی بہت دن ہوئے شیام کے ساتھ منگنی ہو چکی ہے ، بلکہ اب تو شبھ گھڑی دیکھ کر بیاہ کی تاریخ بھی پنڈت جی نے مقرر کر دی ہے ، ابھی ابھی اُسے قنوج خط بھیج کر دربار آیا ہوں ۔ میرے مالک ——— بس یہی جنتا ہے اور کچھ نہیں ——— اپنے راجہ کے قدموں میں رہ کر بس ایک ہی بات سیکھی ہے میں نے ، کہ انسان کو بات کا دھنی ہونا چاہئے ، مردود ہے جو

اپنے قول کا پکا نہ ہو ، میں شیام کو قول دے چکا ہوں ؛ ———"

جے پال نے بگڑ کر کہا : "خاموش !"

امر سنگھ خاموش ہو گیا۔

جے پال نے کہا : "ہمیں نہیں معلوم تھا۔ تم بدتمیز اور گستاخ بھی ہو :"

امر سنگھ کانپنے لگا : "اَن داتا !"

"تم میٹھے بول بول کر ہمیں دھوکا نہیں دے سکتے !"

"اَن داتا ! اگر غلام سے کوئی بھول ہوئی ہے تو ———"

"ہاں ! تم سے بھول ہوئی اور بہت بڑی بھول ، تم سے جرم سرزد ہوا ہے اتنا بڑا کہ اگر کسی اور سے سرزد ہوتا تو ابھی اُس کی کٹی ہوئی گردن تمہیں بتا دیتی ہے کہ ہماری نافرمانی کی سزا کیا ہوتی ہے ؟"

"اَن داتا !"

"تم ہمارے سامنے شیام کا نام لیتے ہو ، تم سمجھتے ہو ہم کلونت پر شیام کو ترجیح دیں گے ؛ وہ ملک غیر ملک کے راجہ کا ملازم ہے ۔ کل اگر لاہور اور قنوج میں لڑائی چھڑ جائے تو ——— ؟"

"تو غلام حضور کے قدموں پر اپنی جان نچھاور کر دے گا ۔"

"اور شیام ؛ ——— وہ کیا کرے گا ؛ کیا وہ قنوج کے راجہ کا ساتھ نہیں دے گا ؛ کیا وہ ہمارے ملک پر اور ہم پر حملہ نہیں کرے گا ؟"

امر سنگھ نے جوش اور جذبہ کے عالم میں کہا "اگر ایسا ہوا ، تو میں اُس کی گردن کاٹ ڈالوں گا اُسے بھینٹ چڑھا دوں گا اپنے راجہ کے چرنوں پر ———!"

"گویا کامنی کو اپنے ہاتھوں سے بیوہ بنا دو گے ؟"

"بے شک ! بے شک ! ——— میں ایسا کروں گا !"

"گویا ہماری خاطر اپنی بیٹی کا سہاگ لُوٹ لو گے؟"

"ہاں اَن داتا! ——— یہی نہیں میں اُس کی جان بھی لے لوں گا۔ اسے بھی مار ڈالوں گا!"

"اتنا بڑا ایثار کر سکتے ہو۔ مگر یہ نہیں کر سکتے کہ کامنی کو ہمیں دے دو۔ ہم اپنی بیٹی کی طرح اس کا بیاہ رچائیں ——— ہمارے لئے، ہماری خاطر، اپنے داماد کی گردن کاٹ سکتے ہو، کامنی کا گلا گھونٹ سکتے ہو، اسے بیوگی کا داغ دے سکتے ہو۔ لیکن نہیں کر سکتے تو یہ کہ اسے ہماری بیٹی بنا دو، ہمیں دے دو ——— کیوں امر سنگھ یہی ہے تمہاری وفاداری؟"

امر سنگھ دفعتہً جے پال کے قدموں پر گر پڑا۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا: میں پاپی ہوں میرے مالک! ——— کامنی آپ کی لونڈی ہے، مجھے معاف کر دیجئے اور اس کا ہاتھ جس کے ہاتھ میں چاہے دے دیجئے!

جے پال خوش ہو گیا۔ اس نے امر سنگھ کو اپنے ہاتھ سے اُٹھایا۔ اس کی پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور کہا: "ہم خوش ہو گئے۔ تم نے ہمیں راضی کر لیا!"

"اَن داتا! یہ اتنا بڑا انعام ہے ———"

"ہمیں شرمندہ نہ کرو۔ اس وقت ہمارے منہ سے کچھ سخت الفاظ نکل گئے تھے۔ ہم چاہتے ہیں، انہیں بھول جاؤ ——— معاف کر دو ہمیں!"

جے پال کے قدموں پر امر سنگھ ایک مرتبہ پھر گر پڑا۔ اس نے کہا: "غلام کو کانٹوں میں نہ گھسیٹئے اَن داتا!"

"ایسی باتیں نہ کرو امر سنگھ۔ ہماری بات مان کر نہ صرف تم نے کھوئی ہوئی عزت حاصل کر لی۔ بلکہ ہماری نظر میں تمہارا درجہ اور بڑھ گیا ——— اب تک تم ہمارے مصاحب تھے آج سے ہم تمہیں اپنے محل کا وزیر مقرر کرتے ہیں۔ اب تم مصاحب نہیں وزیر ہو!"

امر سنگھ ادب سے گردن جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

جے پال نے کہا: "شادی آج ہی ہو گی ——— سارے انتظامات ہماری طرف سے ہوں گے۔ دولہا کی برات ہمارے محل پر آئے گی اور دلہن کا ڈولا یہاں سے جائے گا۔ جاؤ انتظامات کرو!"

اور دفعتہً شہنائیاں بجنے لگیں۔ راجہ کے محل میں کمی کس چیز کی تھی۔ چند گھنٹوں کے اندر کامنی دولہن بن گئی۔ یہ خوشخبری جب گھر میں پہنچی کہ اب وہ دولہن بنائی جائے گی۔ اور اس کی سکھیاں اُسے دولہن بنانے لگیں تو چپکے سے اس نے ایک سہیلی کے کان میں کہا: "دیکھا تُم نے ——— اسے کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ پتا جی نے آج ہی خط لکھ کر انہیں بلا لیا تھا۔ خط ابھی راستہ میں ہو گا کہ وہ یہاں پہنچ گئے!"

سکھی نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اس کی آنکھوں میں آنسو کے قطرے جھلملانے لگے۔ جیسے تالاب میں کنول!

---

(۲)

اَن بَن

اور حجلۂ عروسی میں جب کامنی نے شیام کے بجائے کلونت کو دیکھا تو اس کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ شیام سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یوں بچھڑ جائے گی، اور کلونت کے دامن سے باندھ دی جائے گی، جو اس کے خاندان کا پرانا دشمن اور اس کے باپ کے خون کا پیاسا تھا۔ بے بسی کے عالم میں کامنی کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔ کلونت نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"ایں ——— تم رو رہی ہو کامنی؟ آج کے دن؟"

کامنی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہاں، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برکھا ہوتی رہی۔ کلونت کی آنکھوں میں اب پیار کے بجائے غصہ تھا۔ اس نے تیوری چڑھا کر کہا،

"کیوں رو رہی ہو کامنی؟ ——— آج کے دن سارا سنسار خوش ہو رہا ہے یہ آسمان، یہ زمین، یہ گھر، دوست، دشمن سب خوش ہیں، شاد ہیں۔ راجہ نے تمہیں اپنی لڑکی بنایا، تمہارا بیاہ کیا، تمہیں میری زندگی کا ساتھی بنا دیا، امر سنگھ کی باچھیں کھلی جا رہی ہیں۔ اب تک وہ صرف راجہ کا منہ چڑھا مصاحب تھا، اور اب محل کا وزیر ہے یہ عزت، یہ سربلندی، یہ وقار کوئی چیز بھی تمہیں پسند نہیں۔ آخر تم چاہتی کیا ہو؟"

وہ اب بھی کچھ نہ بولی۔

کلونت نے کہا: "میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں، اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا، تم بھی نہیں جان سکتیں۔ میرے پریم کی حد کو، میں نے اپنی جان بیچ کر تمہیں خریدا ہے۔ میں آج سے نہیں، بہت دنوں سے تمہیں پیار کرتا ہوں ——— کامنی! مسکراؤ، ہنسو، مجھ سے بات کرو، میری طرف دیکھو، میری سنو، اپنی کہو!"

لیکن کامنی کلونت کی طرف ذرا بھی متوجہ نہ ہوئی۔ شیام کی تصویر سامنے کھڑی اسے بے وفائی کا طعنہ دے رہی تھی، اور وہ بے بسی کے ساتھ یہ طعنے سن رہی تھی۔

کلونت کامنی کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے بڑی محبت سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہنے لگا،

"شاید تم یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہارے خاندان کا، اور تمہارے باپ کا دشمن ہوں، اور اب تمہیں پا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالوں گا۔ بدلہ لوں گا، جی بھر کے تمہیں دکھ دوں گا، ستاؤں گا ——— لیکن یہ خیال غلط ہے، ہاں میں تمہارے خاندان کا دشمن تھا۔ لیکن اب مجھ سے بڑھ کر اس کا کوئی دوست نہیں۔ میں تمہارے باپ کے خون کا پیاسا تھا لیکن اب اس کا اتنا ہی احترام کرتا ہوں جتنا خود اپنے باپ کا۔ میں تمہیں دکھ نہیں دے سکتا، ستا نہیں سکتا، تم میرے من مندر کی دیوی ہو۔ تم میرے دل کی رانی ہو، میں تمہیں چاہتا ہوں، پوجتا ہوں۔ دیکھو، میری طرف دیکھو!"

یہ کہہ کر اس نے کامنی کا منہ اپنی طرف کر لیا۔ لیکن اس کی آنکھیں اب تک جھکی ہوئی تھیں، اور ان میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتی تھی لیکن رو نہیں سکتی تھی۔ اس کا یہ رنگ دیکھ کر وہ جل گیا۔ اس نے غصے میں کہا،

"کیا تمہیں شیام یاد آ رہا ہے؟ ——— لیکن اب وہ تمہیں نہیں مل سکتا۔ تم اسے نہیں پا سکتیں۔ مجھے تمہاری اور شیام کی داستان معلوم ہے۔ خیریت چاہتی ہو، تو اسے بھول جاؤ۔ وہ تم سے دور ہے۔ بہت دور ——— نہ وہ تم تک آ سکتا ہے، نہ تم اس تک

جا سکتی ہو۔ جو چیز نہیں حاصل ہو سکتی۔ اس کے لئے رونا اور کڑھنا بیکار ہے۔ تم میری بیوی ہو میں تمہارا شوہر ہوں۔ ہمارے دھرم کا حکم ہے کہ بیوی شوہر کے لئے ستی ہو جائے۔ دیکھو میں تمہارا شوہر ہوں۔ میں اپنے حق شوہری سے فائدہ نہیں اٹھاتا، تم پر جبر نہیں کرتا۔ تم اپنا فرض پہچانو اور ایک شریف ہندو عورت کی طرح اپنا فرض ادا کرو۔"

اب کامنی چپ نہ رہ سکی۔ اس نے کہا:

"ہاں میں ایک شریف ہندو عورت کی طرح اپنا فرض پہچانتی ہوں۔ اور اسے ادا بھی کروں گی۔ مجھے آپ کی بیوی بننے پر مجبور کیا گیا۔ میں ایک بے بس عورت ہوں۔ کچھ بھی نہ کر سکی۔ چپ چاپ ڈولے میں بیٹھی اور یہاں چلی آئی۔ لیکن ابھی آپ نے دھرم کا نام بھی تو لیا تھا —— ؟"

کلونت نے کہا: "ہاں لیا تھا۔ پھر ——"

کامنی بولی: "صرف اتنا پوچھنا چاہتی ہوں۔ کیا دھرم میں زور اور زبردستی کی شادی جائز ہے ؟"

"زور اور زبردستی! —— کیا کہنا چاہتی ہو تم ؟"

"میں پوچھ رہا ہوں، کیا کوئی دھرم اس کی اجازت دے سکتا ہے کہ کسی عورت سے اس کی مرضی کے بغیر شادی کر لی جائے ؟"

"گویا تم اس شادی پر رضامند نہیں تھیں ؟"

"بالکل نہیں —— یہ شادی ہمارا جبر نے کی ہے، میرے باپ امر سنگھ نے کی ہے، آپ نے کی ہے، میں نے نہیں کی۔ میں نے کبھی آپ سے پریم نہیں کیا۔ میں نے کبھی آپ کو نہیں چاہا۔ میں نے کبھی آپ کو اچھا نہیں سمجھا۔ آپ نے اپنے کس اور بل کے زور پر مجھ سے شادی رچائی ہے۔ دنیا کی نظر میں بے شک یہ شادی شادی ہے۔ لیکن جس دھرم کا ابھی آپ نے نام لیا تھا۔ وہ اسے شادی نہیں سمجھتا۔"

"پھر کیا سمجھتا ہے ؟ —— مذاق ؟"

"مذاق ہی نہیں، ظلم —— ان نیائے —— اتیاچار —— دھاندلی!"

کلونت اکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا:

"یہ بات ہے ؟ —— تم سے اور تمہارے باپ سے میں سمجھوں گا —— میرا نام کلونت ہے کلونت!"

اور وہ غصہ اور برہمی کے عالم میں حجلۂ عروسی سے نکلا چلا گیا۔

---

(۳)

کوچ کا فیصلہ

ساسانی خاندان نے اپنی عظمت وجلال کا ڈنکہ بجایا۔ دُنیا نے اس کی ہیبت اور جبروت کے سامنے سر جھکایا۔ لیکن جلد ہی اُس کی شان وشکوہ کو زوال اور انحطاط سے دوچار ہونا پڑا۔ اور اس خاندان کی ایک جگہ نیا خاندان اُبھرا، اس خاندان کا بانی ایک غلام تھا —— سبکتگین!

ماوراء النہر کی ساسانی حکومت کی طرف سے خراسان کا گورنر الپتگین تھا۔ اُس کا ایک بہادر، خوش تدبیر اور وفادار غلام سبکتگین تھا۔ ۳۶۵ھ میں الپتگین کا انتقال ہوگیا۔ اور ۳۶۶ھ میں اپنی خوبیوں کی بدولت تخت غزنی پر عوام اور خواص نے اسے متمکن کر دیا۔ اور وہ عدل وانصاف، نظم وانتظام اور رُعب وداب کے ساتھ فرمانروائی کرنے لگا۔

سبکتگین بڑا جیالا اور منچلا فرماں روا تھا۔ کشور کشائی اور فتوحات کا بے حد شائق۔ اگرچہ داخلی طور پر وہ سخت اُلجھنوں میں گرفتار تھا۔ آج اِس نے بغاوت کردی، کل اُس نے سر اُٹھایا۔ آج یہاں غدر برپا ہوگیا۔ کل وہاں بدامنی اور شورش کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ لیکن وہ اِن مشکلات کو ذرا بھی خاطر میں نہ لایا۔ جہاں شورش ہوئی وہاں برقِ جہندہ کی طرح پہنچا اور پہنچتے ہی بغاوت، شورش اور طوائف الملوکی کا بزورِ شمشیر خاتمہ کردیا۔

قسبت اور بخارا کی مہم سے فارغ ہوکر وہ طوفانوں کی طرح اُٹھا اور ۳۶۶ھ میں ہندوستان

کی سرزمین پر پہنچ گیا۔ یہاں اُس نے ——— کئی قلعے فتح کئے۔ جابجا مسجدیں تعمیر کرائیں۔ اور کامیاب وبامراد غزنی واپس آگیا۔ وہ اتنی تیزی سے پہنچا اور اس سرعت سے اُس نے کوچ سر کیا کہ حریف اور دشمن منہ تکتے رہ گئے۔ کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ کہ اسے ٹوکتا، اُس کا راستہ روکتا، اس سے مقابلہ کرتا۔

سبکتگین کی اِس یلغار نے ہندو راجاؤں کو حواس باختہ کردیا۔ خاص طور پر راجہ جے پال، جو قوم کا برہمن تھا اور جس کی سرحد سرہند سے لمغان تک اور کشمیر سے ملتان تک[1] پھیلی ہوئی تھی، بہت خائف ہوا۔ اُس نے دل میں سوچا۔ اگر بروقت مسلمانوں کو قرار واقعی سزا نہ دی گئی تو آگے چل کر یہ نہ جانے کیا گل کھلائیں گے۔ اُس نے ایک دن اپنے امراء، روءسا، اور سرداروں کو جمع کیا اور ان کے سامنے ایک دل ہلا دینے والی تقریر[2] کی۔ اُس نے کہا:

"سندھ کی طرف بے شک کچھ مسلمان آئے اور اُنہوں نے چند شہروں پر قبضہ بھی کرلیا۔ لیکن اُن علاقوں پر، جو ہماری تہذیب وتمدن کا مرکز ہیں، جن کی تقدیس اور بزرگی کا ہر ہندو قائل ہے، آج تک کسی مسلمان نے پیش قدمی کی ہمت نہیں کی تھی۔ لیکن غزنی کے بادشاہ سبکتگین نے یہ ہمت کی۔ وہ آیا، اُس نے کئی قلعے سر کئے، کئی مسجدیں بنا ڈالیں۔ بیت سامال غنیمت اپنی جھولی میں بھرا، اور جس اطمینان کے ساتھ آیا تھا، اسی بے فکری کے ساتھ کوئی نقصان اُٹھائے بغیر واپس چلا گیا۔ اگر صرف اتنا ہوتا کہ وہ آتا اور چلا گیا ہوتا تو ممکن تھا ہم اس حرکت کو نظر انداز کر دیتے۔ لیکن اب تو شیر کے منہ کو خون لگ گیا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ وہ خاموش اور نچلا بیٹھے گا۔ ضرور جب اُس کا جی چاہے گا، آئے گا اور تاخت وتاراج کرکے چلا جائے گا ——— دوستو اور ساتھیو! کیا ہم اسے

[1] تاریخ فرشتہ ۵۴۔ [2] تاریخ فرشتہ۔

گوارا کرلیں ؟"

دربار سے متفقہ طور پر آواز بلند ہوئی: "نہیں، ہرگز نہیں!"

جے پال نے پھر پوچھا: "پھر کیا کیا جائے؟ —— آپ لوگوں کی صلاح کیا ہے؟"

سب یک زبان ہوکر بولے: "حملہ! —— ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی فوجیں لے کر غزنی پر حملہ کریں اور سبکتگین کو ایسی سزا دیں کہ وہ عمر بھر یاد کرے کہ لوٹ مار کا انجام کیا ہوتا ہے؟"

یہ باتیں سن کر جے پال کا چہرہ وفورِ مسرت سے تمتما اٹھا۔ اس نے کہا۔

"یہی رائے میری بھی تھی!"

امر سنگھ نے کہا: "جب تک ہم غزنی کی طرف نہیں بڑھیں گے۔ کائر اور بزدل سمجھے جائیں گے؟"

کلونت بولا: "صرف یہی نہیں کہ ہمیں غزنی کی طرف بڑھنا ہے بلکہ اسے فتح کر لینا ہے۔ سبکتگین نے ہمارے دیس پر قدم رکھا، ہم اس کے ملک کو فتح کر لیں گے۔ اس نے یہاں مسجدیں بنائیں، ہم وہاں مندروں کی تعمیر کریں گے۔ اس نے ہمارے بھائیوں کو لوٹا اور مالِ غنیمت حاصل کیا، ہم اس کے دیس کو لوٹیں گے اور سونے چاندی سے اپنی جھولیاں بھر لائیں گے۔"

جے پال نے خوش ہوکر کلونت کی پیٹھ ٹھونکی،

"شاباش میرے بہادر! جب تک یہی حوصلہ ہم میں سے ہر ایک کے اندر نہ ہو، ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ میں حاضرینِ دربار سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ کلونت نے ابھی جو کچھ کہا، وہ صرف اس کے دل کی آواز تھی یا آپ میں سے ہر شخص کی ترجمانی تھی؟"

امر سنگھ نے کھڑے ہوکر کہا: "زبان کلونت کی تھی۔ جذبات ہمارے تھے۔ جو ہم کہنا چاہتے تھے مگر کہہ نہ سکے تھے، وہ کلونت نے کہہ دیا۔"

"تو پھر ہمیں کوچ کی تیاری کرنا چاہیے۔"

کلونت بولا: "ضرور، ضرور، صرف ان داتا کے اشارے کی دیر ہے —— ہمارے ہاتھی گھوڑے تھک گئے ہیں۔ وہ پٹھانوں کا سر کچلنا چاہتے ہیں۔"

امر سنگھ نے تائید کرتے ہوئے کہا: "ہماری تلواریں نیام میں رہتے رہتے کُند ہوئی جا رہی ہیں۔ وہ افغانوں کے حلقوم و گلو پر چلنے کے لئے بیتاب ہیں!"

ایک اور سردار بولا: "ہم بیٹھے بیٹھے عاجز آ چکے ہیں، ہمیں کوئی شغلہ چاہیے!"

جے پال نے کہا: "اور اس سے بڑھ کر دلچسپ شغلہ کوئی نہیں ہو سکتا کہ ہم دشمن کی سرکوبی کے لئے میدانِ جنگ کا رخ کریں —— کیوں یہی بات ہے نا ——؟"

حاضرینِ دربار نے یک زبان ہوکر عرض کیا: "ان داتا! اب صبر نہیں ہوتا۔ کوچ کا حکم دیا جائے!"

جے پال نے وزیرِ جنگ کی طرف دیکھا اور کہا: "ہم یہاں سے کل روانہ ہو جائیں گے!"

"ان داتا! ضرور —— اس اشتیاق میں رات بھر ہمیں نیند بھی نہ آئے گی۔"

---

(۴)

سبکتگین اور محمود

جے پال کے لشکر میں زور شور سے جنگی تیاریاں ہونے لگیں۔

جے پال کا لشکر ابھی روانہ نہیں ہوا تھا کہ سبکتگین کو اطلاع ملی۔ غزنی پر چڑھائی ہونے والی ہے۔ اگرچہ امیر سبکتگین، جے پال کی قوت و شوکت اور طاقت و عظمت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس کے مقابلہ میں اُسے اپنی کمزوری اور نارسائی کا بھی علم تھا۔ لیکن وہ ایک جنگ جو سُورما تھا۔ میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے جان دے دینا اس کی سب سے بڑی آرزو تھی۔ وہ بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ مرنے کا قائل نہیں تھا۔ جب جے پال کی پیش قدمی کی اطلاع ملی، تو اُس نے فوراً دربار طلب کیا۔ اور ساری صورتِ حال کی وضاحت کرنے کے بعد کہا۔

"مجھے جو کچھ معلوم تھا میں نے بیان کر دیا۔ اب فرمائیے آپ کی کیا رائے ہے؟"

دربار میں سبکتگین کا نوعمر لڑکا محمود بھی موجود تھا۔ اس کی عمر مشکل سے ۱۵ سال کی ہوگی، قبل اس کے کہ سرداروں میں سے کوئی شخص اُٹھ کر اپنی رائے کا اظہار کرے، وہ بے تابی کے ساتھ اپنی جگہ سے اُٹھا اور اُس نے بڑے ادب، لیکن بڑے جوش کے ساتھ کہا: "کیا میں کچھ عرض کر سکتا ہوں؟"

امیر سبکتگین نے محبت بھری نظروں سے اپنے نوعمر اور چہیتے بیٹے کی طرف دیکھا

اور کہا: "تم کیا کہنا چاہتے ہو محمود؟"

"میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں مہاراجہ جے پال کے استقبال کی تیاریاں شروع کر دینی چاہئیں ——"

سبکتگین نے مسکرا کر کہا: "مطلب؟"

"میں چاہتا ہوں ہم راجہ جے پال کا اور اس کی فوجوں کا خیر مقدم جب سے اپنے غریب خانہ کے خود اسی کی سرزمین پر کریں۔"

"تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہمیں لڑنا چاہئے؟"

"اگر بے ادبی نہ ہو، تو غلام یہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہے۔ کہ اس معاملے میں ہم سے رائے لے کر اپنی اور ہماری توہین نہ کیجئے۔"

"توہین؟ —— کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ سبکتگین کے سپاہی لڑنے سے جی نہیں چُراتے۔ ان سے پوچھنا کہ اتنا بڑا راجہ ہم پر یلغار کرنے آرہا ہے۔ ان کی بہادری، ان کی وفاداری، ان کے جوشِ اسلامی اور جذبۂ ملی کی توہین ہے —— جے پال سے نہیں ہم سارے ہندوستان سے لڑیں گے۔ ہماری یہ لڑائی اس لئے نہیں ہے کہ ہم اپنی کشور کشائی اور فرمانروائی کا نقارہ بجائیں، اس لئے ہے کہ ہم خدا کا نام بلند کریں۔ اس سے پہلے جب آپکی سرکردگی میں وہاں ہمارا ایک جیالا اور بہادر لشکر گیا تھا۔ وہ کیا کر کے واپس آیا ——"

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے دشمن ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا۔ ہم کامیاب گئے اور فاتح واپس آئے۔"

"جی نہیں، میں یہ نہیں پوچھتا ——"

"میرے بیٹے پھر تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارا لشکر جب ہندوستان کی سرزمین پہ پہنچا تو

(۵)

جے پال کی شکستِ فاش

جوش و خروش سے بھرے ہوئے دونوں لشکر طوفانِ باد و باراں کی طرح رواں دواں تھے! جے پال تیزی سے غزنی کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ اور امیر سبکتگین تیزی سے ہندوستان کی سرزمین کی طرف یلغار کرتا ہوا بڑھتا ہوا چلا آ رہا تھا۔

لمغان کی سرحد پر دونوں لشکر آمنے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔

جے پال کے ساتھ کوہ پیکر ہاتھیوں اور آزمودہ کار سپاہیوں کا بہت بڑا لشکر تھا اسے اپنی سپاہ کی کثرت اور ساز و سامانِ جنگ کی فراوانی پر ناز تھا۔ سبکتگین کے پاس اگرچہ اتنا بڑا لشکر اور اتنا زیادہ ساز و سامان نہیں تھا۔ لیکن اسے اپنے دستِ بازو اور نصرتِ خداوندی پر پورا پورا بھروسہ تھا۔

لڑائی شروع ہوئی ——— اور کئی روز تک متواتر جاری رہی۔ اس لڑائی میں سلطان محمود نے باوجود خورد سالی کے ایسی شجاعت اور مردانگی دکھائی جس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔ اس لڑائی کا سلسلہ چند روز تک اس طرح جاری رہا کہ فاتح اور مفتوح میں تمیز کرنا دشوار تھا، کشتوں کے پشتے لگے ہوئے تھے طرفین کے ہزاروں آدمی کام آئے سپاہیوں کا ایک جنگل تھا جو ایک دوسرے سے بھڑا ہوا تھا۔ ہر فریق اس کوشش میں تھا کہ اپنے حریف کو شکستِ فاش دے۔ اس کا نام و نشان مٹا دے لیکن حالت یہ تھی

دس آدمی قتل ہوتے تھے تو بیس ان کی جگہ لے لیتے تھے، سو آدمی زخمی ہو کر میدانِ جنگ سے ہٹتے تھے تو دو سو ان کی جگہ لڑنے کے لئے موجود ہوتے تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا دونوں لشکر ختم ہو جائیں گے مگر لڑائی ختم نہیں ہو گی ——— "یکایک ابر بلیلا سے آسمان پر محیط ہو گیا۔ بجلی کی چمک اور بادل کی گرج سے میدانِ جنگ تیرہ و تار ہو لیا ہوا میں ایسی ٹھنڈک اور خنکی پیدا ہوئی۔ کہ باربرداری کے گھوڑے اور جانور ہلاک ہو گئے سپاہیوں کے بدن میں سردی کی وجہ سے ٹھٹھرن پیدا ہو گئی۔ ہر شخص نقل و حرکت سے معذور ہو گیا۔ اس حالت کے رونما ہوتے ہی ہر سپاہی (فریقِ مخالف کا) فریاد و زاری کرنے لگا اور جے پال کی فوج میں ایک ماتم برپا ہو گیا[1]"۔

پٹھان اس سردی کے عادی تھے بھارت کے سورما اس آفتِ سماوی کی تاب نہ لا سکے!

جے پال نے جب دیکھا کہ اب شکست سر پر کھڑی ہے تو اس نے امر سنگھ اور کلونت کو بلایا۔ اور بڑی حسرت کے ساتھ کہا:

"دیکھتے دیکھتے یہ کیسا انقلاب ہو گیا؟"

امر سنگھ۔ "اگر یہی حالت رہی تو ہمارے سپاہی بھاگ کھڑے ہوں گے۔"

کلونت۔ "بلکہ یوں کہنا چاہئے بھاگنے کے لئے تیار ہو چکے ہیں۔"

جے پال: "پھر کیا کیا جائے؟"

امر سنگھ نے سر جھکا لیا۔ کلونت نے جرأت کر کے کہا: "اب صلح کے سوا کوئی صورت یہاں سے صحیح سلامت واپس نکل چلنے کی نہیں ہے۔"

جے پال: "صلح! ——— کیا تم سمجھتے ہو کہ سبکتگین جیتی ہوئی بازی پر صلح کو ترجیح دے گا؟ ——— مجھے تو اس کی امید نہیں!"

امر سنگھ: "واقعی یہ بات مشکل ہے کہ اب اسے صلح پر آمادہ کیا جا سکے؟"

کلونت۔ "لیکن اَن داتا ———"

[1] تاریخ فرشتہ ۵۴-۵۵۔

جے پال: کہو کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟ ہم نے صلاح و مشورہ ہی کے لیے تو تم دونوں کو بلایا ہے۔ جو کچھ کہنا چاہتے ہو صاف صاف اور بے تکلف کہہ گزرو۔ ہم سنیں گے۔ غور کریں گے۔ بتاؤ کیا کہہ رہے تھے تم؟"

کلونت: غلام یہ کہہ رہا تھا کہ کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟

جے پال۔ ہاں کوئی حرج نہیں۔ تم اور امر سنگھ جاؤ!"

کلونت۔ میں تیار ہوں۔ صلح کا پیغام لے کر جانے کے لیے۔"

امر سنگھ۔ غلام بھی حاضر ہے!"

امر سنگھ اور کلونت، جے پال کی طرف سے تحفوں کا انبار لے کر سبکتگین کے دربار میں حاضر ہوئے۔ وہ مسندِ شاہی پر متمکن تھا۔ داہنی طرف محمود بیٹھا تھا۔ بائیں طرف دوسرے سردار اور امراء۔

سبکتگین نے ایک نظر جے پال کے ان سفیروں پر ڈالی اور کہا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

امر سنگھ: "ہمارا راجہ شرمسار ہے کہ اس نے آپ پر چڑھائی کی، آپ سے لڑا۔"

کلونت: "وہ تلافی مافات کے لیے بھی آمادہ ہے"

سبکتگین: یعنی —؟"

کلونت۔ ہمارے راجہ نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی ہے کہ اگر اب لڑائی موقوف کر دی جائے تو راجہ جے پال امیر سبکتگین کا حکم اپنے ملک میں جاری کر دیگا۔ چند قطاریں کوہ پیکر ہاتھیوں کی نذر کرے گا۔ بہت سے نادر اور قیمتی تحفے پیش خدمت کرے گا۔ ہر سال خراج اور جزیہ کی رقم پابندی کے ساتھ برابر ادا کرتا رہے گا۔"

سبکتگین بڑا بامروت اور خلیق بادشاہ تھا۔ دشمن کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا اس کا

تاریخ فرشتہ ۵۵

شیوہ نہ تھا۔ گرے ہوئے، جھکے ہوئے شکست خوردہ حریف کے سامنے وہ پتھر سے موم بن جاتا تھا۔ جے پال کی درخواستِ صلح پر اسے رحم آگیا۔ اس نے بڑے ہمدردانہ لہجہ میں کہا:

"کیا جے پال اپنے عہد پر قائم رہے گا؟"

امر سنگھ: "بادشاہ بادشاہ سے بدعہدی نہیں کر سکتا!"

کلونت۔ "اور ہمارا راجہ تو بات کا دھنی ہے۔ اس کے منہ سے نکلا ہوا بول پتھر کی لکیر بن جاتا ہے وہ جو کچھ کہتا ہے ضرور کرے گا۔ وہ اپنے کسی آدمی کو اس کی اجازت نہیں دے گا کہ اس کے عہد کو توڑے اور اسے رسوا کرے!"

سبکتگین: "کیا تمہیں یقین ہے؟"

کلونت۔ "اسی طرح جیسے اس وقت یقین ہے کہ دن نکلا ہوا ہے اور سورج چمک رہا ہے۔"

سبکتگین نے مسکرا کر تائیدی نظروں سے اہلِ دربار کی طرف دیکھا۔ گویا مطلب یہ تھا کہ ہم نے تو صلح کی یہ پیشکش منظور کر لی ہے تم کیا کہتے ہو؟

لیکن محمود باپ کا اشارہ سمجھتے ہوئے بھی تائید کے لیے اپنے تئیں آمادہ نہ کر سکا۔ وہ اٹھا اور اس نے دست بستہ اپنے باپ اور اپنے بادشاہ سے عرض کیا۔

"مجھے اس صلح سے اختلاف ہے!"

سبکتگین۔ (حیرت سے) کیوں اختلاف ہے تمہیں؟ — صلح کوئی بری چیز تو نہیں؟"

محمود: نہیں عالی جاہ! — صلح کوئی بری چیز نہیں، بڑی اچھی چیز ہے —"

سبکتگین: "پھر کیوں مخالفت کر رہے ہو؟"

محمود۔ "اس لیے کہ مجھے اس استجائے صلح میں عذر و فساد اور مکر و فریب کی بو آتی ہے"

سبکتگین: "وہ کیسے؟ — کیونکر —؟"

محمود: "اگر صلح کی درخواست اس وقت کی جاتی جب لڑائی شروع ہوئی تھی، تو اخلاص پر مبنی سمجھا جا سکتا تھا۔ لیکن یہ درخواست اس وقت آئی ہے جب دشمن دل ہار چکا ہے

اگرچند گھنٹے بھی جنگ اور جاری رہے تو میں دعوےٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ دشمن کا ایک سپاہی بھی زندہ نہیں واپس جا سکے گا ——— دشمن اس وقت صلح کرنا چاہتا ہے لیکن موقع پا کر، تیار ہو کر، حالات کو سازگار بنا کر وہ پھر حملہ کرے گا۔ اور پہلے سے زیادہ شدت اور قوت کے ساتھ حملہ آور ہو گا!"

سبکتگین۔ "نہیں بیٹے، دبے ہوئے کو اور زیادہ نہ دباؤ۔"

محمود۔ "میں نہ کسی سے دبنا چاہتا ہوں نہ کسی کو دبانا چاہتا ہوں۔ دیانت اور بصیرت کے ساتھ میری جو رائے تھی وہ عرض کر دی۔ آگے جو عالی جاہ کی مرضی ہو گی۔ مجھے بھی منظور ہے۔ غلام کا کام حکم کی تعمیل کرنا ہے، اعتراض کرنا نہیں لیکن اگر رائے پوچھی جائے تو اس کا یہ فرض بھی ہے کہ بے کم و کاست اپنی رائے ظاہر کر دے۔"

سبکتگین۔ "ہم تمہاری اس رائے کی قدر کرتے ہیں۔"

پھر وہ جے پال کے سفیروں سے مخاطب ہوا۔ اور اس نے بڑی ملاطفت کے ساتھ کہا۔

"محمود نے ایک نیا سوال پیدا کر دیا ہے۔ ہم اس پر غور کریں۔ کل اپنے آخری فیصلے سے تمہیں مطلع کریں گے۔"

سبکتگین کی ابتدائی گفتگو سے جے پال کے قاصد جتنے خوش ہوئے تھے آخری بات سے اتنے ہی طول اور افسردہ ہوئے۔ ان کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ انہوں نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں عرض کیا۔ "کل ہم پھر حاضر ہوں گے۔ اور ہمیں امید ہے سلطان ہمدردی کے ساتھ ہمارے معروضات پر غور کریں گے۔"

دربار برخاست ہو گیا۔

امر سنگھ اور کلونت دربار برخاست ہونے کے بعد سیدھے جے پال کے پاس پہنچے[1]۔ ساری روداد سنا ڈالی۔ پھر بڑی دیر تک یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے رہے اور دوسرے روز

قبل اس کے کہ سبکتگین کے دربار میں حاضر ہوں، یہ براہِ راست شہزادہ محمود کے خیمہ میں پہنچے۔ امر سنگھ خاموش رہا اور کلونت نے کہنا شروع کیا۔

"شہزادہ والاقدر! ہم آپ کے تدبر اور معاملہ فہمی کے قائل ہیں۔ لیکن ابھی آپ پر اہلِ ہند کی اور خاص کر راجپوت کی جہالت اور خودداری عیاں نہیں ہوئی ہے[2]۔"

محمود۔ "تمہارا مطلب یہ ہے کہ ———"

کلونت۔ "میری گزارش یہ ہے کہ راجپوت ایک سرپھری قوم ہے ——— اس قوم کی جہالت، نازک دماغی اور خودسری کا یہ عالم ہے کہ انتہائی مصیبت میں آخری چارۂ کار اس کا یہ ہوا کرتا ہے کہ مایوسی کے عالم میں یہ لوگ اپنی قیمتی چیزیں نذرِ آتش کر دیتے ہیں۔ پھر اگر مصیبت سے نجات پانے کا ہر راستہ بند پاتے ہیں تو عورتوں اور حرم سراؤں کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ پھر جب یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہر قیمتی اور عزیز چیز انہوں نے آگ میں جلا کر خاکستر کر دی اور اب اس پر دشمن کی دسترس نہیں ہو سکتی، تو دشمن سے ایسی معرکہ آرائی کرتے ہیں کہ لڑتے لڑتے فنا کا جام پی لیتے ہیں، سوائے خاک کے ان کا کچھ نشان نہیں ملتا۔ اب ان کی مصیبت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ اپنی اس رسم اور اصول پر عمل کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ اگر آپ کو یہ منظور ہے کہ یہ راجپوت لڑتے لڑتے فنا ہو جائیں، تو بے شک آپ کو اختیار ہے کہ صلح نہ کریں۔ اور لڑائی شوق سے جاری رکھیں، ورنہ پھر بہتر صورت یہ ہے کہ ہم پر احسان کیجئے اور صلح کر لیجئے[3] ———؟"

کلونت کی ان باتوں سے محمود بہت متاثر ہوا۔ اس نے کہا،

"کیا واقعی راجپوت ایسے ہی ہوتے ہیں؟"

کلونت نے جواب دیا۔ "بیشک وہ ایسے ہی ہوتے ہیں اور اب وہ جان کی بازی لگا دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔"

---

[1] تاریخ فرشتہ [2] تاریخ فرشتہ ۵۵

محمود: نہیں، میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں:

امر سنگھ: "تو پھر ہماری التجا مان کے صلح منظور کر لیجئے!"

محمود: "ہاں میں منظور کرتا ہوں تم امیر سبکتگین کے دربار میں چلو۔ میں صلح کی تائید کروں گا۔"

سفیر یہ بات سن کر خوش ہو گئے۔ سبکتگین کے دربار میں محمود نے رائے دی کہ جب دشمن اس طرح گڑگڑا کر صلح کی درخواست پیش کر رہا ہے۔ تو پھر بہتر یہی ہے کہ وہ منظور کر لی جائے۔ چنانچہ ——— اس شرط پر صلح ہوئی کہ راجہ جے پال ایک لاکھ درم اور پچاس ہاتھی خدمت سلطانی میں پیش کرے۔ جے پال نے کہلوایا کہ روپیہ میں اپنی راجدھانی لاہور (لاہو) پہنچ کر دوں گا۔ یرغمال کے طور پر اپنے دو بڑے سرداروں امر سنگھ اور کھونت کو گرو رکھتا ہوں مسلمانوں کی ایک جماعت میرے ساتھ لاہور چلے، مال اور ہاتھی لے کر آ جائے۔ تب میرے یہ سردار چھوڑ دیئے جائیں!" ———

---

(۶)

جے پال کی فریب کاری

جے پال ناکام و نامراد لاہور پہنچا۔ اس کا دل رو رہا تھا۔ اگرچہ اس کی آنکھیں خشک تھیں۔ ایسی ذلت بخش شکست اسے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے پہنچنے سے پہلے شکست کی خبر پہنچ چکی تھی۔ یہ غم اندر ہی اندر اس کا کام تمام کئے دے رہا تھا لیکن بہت جلد اس کا تمام غم کافور ہو گیا۔ لاہور کے گرد و نواح میں راجگان ہند اپنا لاؤ لشکر لئے خیمہ زن تھے خیموں کا یہ جنگل دیکھ کر اس نے اپنے ایک سردار سے جو لاہور کی حفاظت پر مامور تھا، گھبرا کر دریافت کیا۔ "یہ خیمے کیسے ہیں؟ ——— کیا سبکتگین غزنی جانے کے بہانے لاہور آ گیا۔ اور مجھ سے پہلے یہاں پہنچ گیا؟"

اس گھبراہٹ پر جے پال کا سردار اپنا تبسم ضبط نہ کر سکا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا: "نہیں ان داتا! یہ سبکتگین کا لشکر نہیں۔ ہمارے دوستوں اور مددگاروں کی فوجیں ہیں۔"

جے پال نے پوچھا: "یہ کون لوگ ہیں اور کیوں آئے ہیں؟"

"وہ دیکھئے" سردار نے خیموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سامنے کی طرف جو خیموں کا جنگل نظر آ رہا ہے یہ راجہ دلی کی فوج ہے۔ اور وہ داہنی طرف راجہ کالنجر کا لشکر ہے اور وہ اس سے ذرا ہٹ کر راجہ اجمیر کی چھاؤنی ہے اور وہ اس کے بائیں طرف راجہ قنوج اپنی جرار فوج کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہے!"

"لیکن یہ لوگ کیوں آئے ہیں؟ کس نے بلایا ہے انہیں؟ ان کی غرض و غایت اور مقصد و منشا کیا ہے؟"

"یہ اس لئے آئے ہیں کہ آپ کا ساتھ دیں، آپ کے دشمن سے لڑیں اور اس کی قوت کو پارہ پارہ کر دیں۔ اسے ایسی شکست دیں کہ پھر وہ کبھی سر نہ اٹھا سکے!"

"یہ دل خوش کن باتیں ہیں، اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ بے وقوف لوگ اس وقت آئے ہیں جب موقع نکل گیا۔ بازی ہر گئی، جے پال کو شکست ہو گئی۔ اب اگر یہ کیا کریں گے سوا اس کے کہ دعوتیں اڑائیں اور ہنستے کھیلتے جہاں سے آئے ہیں وہاں واپس چلے جائیں۔ آخر انہیں اب آنے کی کیا سوجھی؟"

"ان داتا! جس طرح آپ سبکتگین کے پہلے حملے سے خائف ہو گئے تھے کہ آگے چل کر یہ فتنہ نہ جانے کیا قیامت ڈھائے، اسی طرح ان راجاؤں کو بھی خیال آیا کہ اگر گرگ شتر و دراز دل پر عمل نہ کیا گیا، تو پھر ایک دن ہندوستان بھی غزنی کا غلام بن جائے گا۔"

"لہٰذا یہ اس لئے آئے تھے کہ سبکتگین سے لڑیں!"

"ان داتا!"

"لیکن کیا جے پال کی شکست کا حال معلوم کرنے کے بعد بھی ان کا حوصلہ قائم رہے گا؟"

"ضرور رہے گا۔ اس لئے کہ جب یہ آئے اور انہیں معلوم ہوا کہ آپ رن پر جا چکے ہیں تو انہوں نے آپس میں صلاح و مشورہ کے بعد طے کیا کہ سستائے بغیر آپ کی کمک پر روانہ ہو جائیں۔ لیکن ابھی یہ روانہ ہونے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ شکست کی اطلاع ملی۔"

"اور انہوں نے ہتھیار کھول دیئے۔ کیوں؟"

"نہیں ان داتا! یہ بات نہیں ہے ——— جیسے ہی آپ کی شکست کی خبر ملی انہوں نے گنگا جل اٹھا کر قسم کھائی کہ ———"

"اب کبھی نہیں لڑیں گے؟"

"ان داتا! انہوں نے گنگا جل اٹھا کر قسم کھائی کہ یہ دھرم کی جنگ ہے۔ یہ جنگ برابر جاری رہے گی۔"

"اچھا ہے، میں ذرا سستا لوں۔ یہ لوٹائیں جا کر!" پھر اس نے زہر خند کرتے ہوئے اپنے سوار کی طرف دیکھا اور کہا: "آج رات کو راج محل میں ہم سب راجاؤں سے ملیں گے اور آئندہ کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں گے!"

رات کو جے پال کے راج محل میں راجگانِ ہند کی کانفرنس منعقد ہوئی۔ سب کے چہروں پر اضطراب اور تشویش کی کیفیت نمایاں تھی۔ خود جے پال کا یہ حال تھا کہ کئی دن کا بیمار معلوم ہو رہا تھا۔ شکست کے غم نے اس کے ذہن و دماغ پر بڑا گہرا اور برا اثر کیا تھا۔ وہ چپ چاپ بیٹھا تھا۔ دوسرے راجہ مہاراجہ بھی گم سم نظر آ رہے تھے۔ سب کی زبان پر الفاظ آ آ کر رہ جاتے تھے۔ آغازِ کلام کرنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی۔

اتنے میں جے پال کے منہ سے بے ساختہ نکلا: "ارے کلونت! ——— اور امر سنگھ تم بھی ——— ؟"

کلونت: "ان داتا ہم آ گئے۔"

جے پال: "بہت اچھا ہوا، لیکن کس طرح آئے؟ ——— بھاگ کر؟ شاباش!"

امر سنگھ: "مہاراجہ جے پال کے نوکر میدانِ جنگ سے بھاگتے نہیں، نہ جیل سے۔"

جے پال: "لیکن بتاؤ تو کیا گزری تم لوگوں پر؟"

امر سنگھ: "یہ دن بہت آرام سے گزرے۔"

کلونت: "ساری تھکن دور ہو گئی۔"

جے پال: "اور پھر ایک روز تم گھوڑے پر بیٹھے اور یہاں آ گئے؟"

کلونت: "اور اب اپنے ان داتا کے سامنے موجود ہیں۔"

ؑ تاریخ فرشتہ۔

امر سنگھ۔ سبکتگین واقعی بڑا شریف اور رحم دل آدمی ہے!"

کلونت۔ "اور سبکتگین سے زیادہ محمود"

جے پال: "تم لوگ کس قسم کی باتیں کر رہے ہو؟"

کلونت۔ "ان داتا ہم جھوٹ نہیں کہتے۔ آپ نے ہمیں یرغمال کے طور پر سبکتگین کے پاس رہن رکھ دیا تھا۔

جے پال۔ ہاں ٹھیک ہے، مگر پھر؟"

کلونت۔ جب سبکتگین کا لشکر غزنی جانے کی تیاریاں کرنے لگا، تو محمود نے اپنے باپ سے کہا کہ میری رائے تو یہ ہے کہ ہم جے پال کی تالیف قلب کریں۔ اس کے ٹوٹے ہوئے دل سے یہ خیال دور کر دیں کہ اسے شکست ہوئی ہے۔ سبکتگین نے پوچھا کیونکر؟ محمود نے جواب دیا: "ہمیں جے پال کا یرغمال اسے واپس کر دینا چاہئے"

سبکتگین نے کہا۔ "لیکن ہمارے آدمی بھی تو اس کے ساتھ گئے ہیں۔ وہ جب تک خراج کی رقم نہ دے جائیں ہم انہیں کیسے چھوڑ دیں؟ کیا جے پال پھر ہمارے آدمیوں پر زیادتی نہیں کرے گا؟"

محمود نے جواب دیا: "جے پال چاہے جو کچھ کرے، مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا، کہ اس کے آدمیوں کو رہن رکھ کر اپنے ساتھ لے جاؤں۔ ہم نے جے پال کے ساتھ رعایت کی رحم کیا! اس کے جواب میں وہ ہمارے ساتھ غداری اور فریب کاری نہیں کر سکتا ———"

سبکتگین نے کہا: "اور اگر کرے تو کیا ہو گا؟"

محمود نے بڑی تیزی سے جواب دیا: "تو ہم اپنے سپاہیوں اور تلواروں کو لے کر پھر اس پہ ٹوٹ پڑیں گے ——— وہ ہماری تلوار کو جس طرح ایک مرتبہ مان چکا ہے۔ اسی طرح دوسری مرتبہ بھی ماننے پر مجبور ہو گا"

یہ سن کر سبکتگین مسکرایا۔ اس نے ہمیں زادِ راہ دیا۔ وہ مضبوط اور تیز رفتار گھوڑے

دیئے ہماری رہائی کا حکم صادر کیا۔ اور جب ہم چلنے لگے تو کہا: "جے پال سے کہہ دینا ہم اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ اس لیے یرغمال کی ضرورت محسوس نہیں کرتے"

یہ باتیں سن کر جے پال کا غصّے کے باعث چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اُس نے کہا: "وہ مجھے ذلیل کر رہا ہے۔ وہ مجھے کمزور اور حقیر سمجھتا ہے۔ وہ میرا مذاق اُڑا رہا ہے۔ شاید وہ نہیں جانتا کہ میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ کیا کر سکتا ہوں؟ ——— اس نے تمہیں رہا کر کے میرے منہ پر طمانچہ لگایا ہے۔ اس نے میرے سینہ پر گھونسا مارا ہے۔ میں انتقام لوں گا۔ پھر ابھی اور کچھ میدانِ جنگ میں ———"

پھر اُس نے تالی بجائی۔ فوراً محل کے مختلف گوشوں سے چند مسلح سپاہی برآمد ہوئے اور مؤدب ہو کر دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ جے پال نے کہا: "سبکتگین کے جو سلمان لشکری ہمارے ساتھ آئے ہیں انہیں گرفتار کر لو۔ ان کے ساتھ ذرا بھی معقول برتاؤ نہ کرو۔ وہی سلوک کرو جو چوروں اور ڈاکوؤں کے ساتھ کیا جاتا ہے"

سپاہیوں نے پھر ایک مرتبہ ادب سے گردن جھکائی اور چلے گئے۔ جے پال نے ایک قہقہہ لگایا۔ اور کہا: "اب میں تنہا نہیں ہوں۔ اگرچہ میں تن تنہا بھی اس کا تختہ اُلٹ سکتا تھا لیکن اب میرے ساتھ راجگانِ ہند کا وہ لشکرِ گراں موجود ہے۔ جس کے بوجھ سے گاؤ زمین تھرّاتی ہے ——— ہم یہ لشکر لے کر غزنی تک بڑھتے چلے جائیں گے!"

مہاراجہ قنوج نے کہا: "ہم اس لئے آئے ہیں کہ اس جھگڑے کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیں۔ سبکتگین کو بتا دیں کہ ہاتھی سے لڑنے کا انجام اچھا نہیں ہوتا!"

مہاراجہ کالنجر بولا: "بے شک اسے معلوم ہو جائے گا۔ پہاڑ سے ٹکرانے کا انجام کیا ہوتا ہے؟"

مہاراجہ اجمیر: "شاید وہ سمجھتا تھا کہ ہم متفرق اور پراگندہ ہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک نہیں ہوتے"

مہاراجہ دلی۔ "وہ ہمیں راجہ پورس سمجھ رہا تھا لیکن ہم اسے بتائیں گے کہ وہ غلط فہمی میں مبتلا تھا"

جے پال: "امر سنگھ! تمہاری کیا رائے ہے۔ ہمیں سبکتگین سے جنگ کرنی چاہئے؟"

امر سنگھ۔ "اَن داتا جو کچھ کریں گے وہی ٹھیک ہوگا۔"

جے پال:- "اور کلونت تم!۔۔۔ تم کیا کہتے ہو؟"

کلونت: "میری تو صرف ایک آرزو ہے، یہ کہ اپنے راجہ کے چرنوں پر لڑتے لڑتے قربان ہو جاؤں۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

جے پال: "ابھی تو تم دشمن کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے تھے اور اب یہ کہہ رہے ہو؟"

کلونت: "ہاں اَن داتا کہہ رہا تھا۔ لیکن وہ میری بھول تھی۔ اپنی ناسمجھی کے باعث میں اسے سمجھ ہی نہیں سکا کہ ہم لوگوں کو رہا کر کے اس نے ہمارے آقا کے سینہ پر گھونسہ مارا ہے لڑائی ضرور ہونی چاہئے۔ اور یہ جاں نثار آخری وقت تک میدانِ جنگ سے منہ نہ موڑے گا۔"

جے پال۔ "بس تو جنگ کی تیاری شروع ہونی چاہئے۔ لشکر میں منادی کرا دو کہ کوئی سپاہی گھر نہ لوٹے۔ کل ہمیں پھر واپس جانا ہے۔"

مہاراجہ کالنجر: "تاکہ ہم اسے راستہ ہی میں جا لیں۔"

مہاراجہ قنوج: "نہیں! تاکہ وہ ہم سے پہلے غزنی نہ پہنچ جائے۔"

مہاراجہ اجمیر۔ "یہ بھی نہیں! یوں کہئے کہ ہم غزنی اس سے پہلے پہنچیں گے، اور اس کی رعایا کے سامنے ایک قیدی کی طرح اسے پیش کر کے عبرت انگیز سزا دیں گے۔"

جے پال ہنسنے لگا۔

"یہ بڑی اچھی تجویز ہے۔ ہم اس سے ہارے نہیں۔ اس نے ہم سے صلح کی۔ اب وہ ہارے گا۔ اور اس کی التجائے صلح کو ہم پائے حقارت سے ٹھکرا دیں گے۔ بالکل صلح نہیں کریں گے!"

کلونت۔ "وہ بھاگنا چاہے گا۔ مگر ہم اسے بھاگنے کا موقع نہیں دیں گے۔"

امر سنگھ۔ "ہم اسے رگیدتے ہوئے غزنی تک لے جائیں گے۔ اور ماوراالنہر پر قبضہ کر کے دم لیں گے!"

جے پال: "باتیں بہت ہو چکیں۔ کل ہمیں یہاں سے روانہ ہونا ہے۔ اور ابھی بہت کام پڑا ہے۔۔۔ اچھا!"

اور یہ کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد راجگانِ ہند اُٹھے۔ اور جنگ کا منصوبہ بناتے ہوئے اپنے اپنے خیموں کی طرف چلے گئے۔

---

(۷)

سبکتگین کی تقریر

سبکتگین ابھی راستہ ہی میں تھا کہ مخبروں نے اطلاع دی۔ جے پال نے عہد توڑ دیا پیمانِ صلح کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ اُس نے ان مسلمان سرداروں کو گرفتار کر لیا جو اُس کے ساتھ خراج کی رقم لینے گئے تھے۔ کلرنت اور رام سنگھ نے پھر جنگ کی ٹھان لی اور وہ پھر لشکرِ سلطانی سے نبرد آزما ہونے کے لئے آ رہا ہے۔

سبکتگین نے کہا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ جے پال اتنی بڑی بد عہدی کا ارتکاب کرے۔ لیکن اگر یہ سچ ہے تو وہ ہمیں لڑائی کے لئے بالکل آمادہ اور مستعد پائے گا۔"

محمود: "میں شرمندہ ہوں کہ یرغمال کی رہائی کا مشورہ میں نے دیا۔"

سبکتگین۔ "نہیں محمود تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم نے وہی مشورہ دیا جو تمہیں دینا چاہئے تھا۔ ہم تمہارے مشورہ پر عمل کر کے ذرا بھی متاسف نہیں ہیں ہم اس کے لشکر کو جس طرح پہلے شکست کی منزل تک پہنچا چکے ہیں۔ اس مرتبہ بھی یادگار شکست دیں گے۔"

مخبر: "لیکن جہاں پناہ ـــ"

سبکتگین: "ہاں کہو کیا کہتے ہو؟"

مخبر۔ "اس مرتبہ جے پال تنہا نہیں آ رہا ہے۔"

سبکتگین۔ "اور کون آ رہا ہے اُس کے ساتھ؟"

مخبر۔ "راجگان ہند کا ایک بہت بڑا لشکر ساتھ ہے۔ فوج کے سپاہیوں کی تعداد حدِ شمار سے خارج ہے۔"

سبکتگین۔ "کوئی مضائقہ نہیں۔ ہم سب سے نپٹ لیں گے۔"

محمود: "انشاء اللہ تعالیٰ ـــ جے پال کے ساتھ اور کون ہے؟"

مخبر: "دلی، اجمیر، کالنجر اور قنوج کے راجہ اپنے لاؤ لشکر سمیت آ رہے ہیں۔"

سبکتگین: "لیکن اُن لوگوں سے تو ہماری جنگ نہیں ہے۔"

محمود: "جی ہاں نہیں ہے لیکن اب ہو جائے گی۔ اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ۔ جے پال تنہا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ راجگانِ ہند اپنی اپنی فوجیں لئے چلے آ رہے ہیں۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ ہمیں ان سب سے الگ الگ لڑنے کی بجائے ایک ہی جگہ لڑنے کا موقع مل جائے گا۔ اس طرح دشمن کا قلع قمع کرنے میں سہولت ہوگی۔"

سبکتگین۔ "تو ہمیں آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنا چاہئے۔"

محمود۔ "غلام کی رائے یہی ہے۔"

سبکتگین۔ "فوج میں منادی کر دو۔ ہم پھر واپس چل رہے ہیں۔"

امیر سبکتگین جے پال کی بدعہدی پر بے حد غضبناک تھا۔ وہ پھر ہندوستان کی طرف چلا۔ جے پال بھی بہت سے راجاؤں کی مدد کے ساتھ مقابلہ کے لئے آگے بڑھا۔ ہندوستان کے ہر راجہ نے جے پال کی مدد کو دراصل اپنی بقائے دولت سمجھ کر اس کی امداد و اعانت میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔ خصوصاً دہلی، کالنجر، اجمیر ـــ اور قنوج کے راجاؤں نے خوب دل کھول کر بہترین فوج اور روپے سے اس کی ہر طرح مدد کی۔ غرضیکہ ایک لاکھ سوار بے شمار

پیادے اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر کے جے پال مقابلہ کے لئے میدانِ جنگ میں لایا۔[1] امیر سبکتگین نے جب جے پال کو اس شان و شوکت کے ساتھ آتے دیکھا تو وہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ وہاں سے اس نے دشمن کے لشکر کا نظارہ کیا۔ اور ــــ اگرچہ یہ معلوم ہوا کہ لشکر ایک دریائے ذخّار ہے، جس کے سپاہیوں کی تعداد حدِ شمار سے خارج ہے۔ لیکن اس کثرتِ تعداد کو دیکھنے کے بعد وہ کچھ بھی مرعوب نہ ہوا، اپنی اور دشمن کی لڑائی کو شیر اور بکری کا مقابلہ بنانا اور کبوتر کی جھڑپ سمجھ کر اطمینان کے ساتھ پہاڑی کے نیچے آتر آیا۔

سبکتگین اپنی فوج کے سامنے آیا تو وہ جے پال اور راجگانِ ہند کی موج در موج فوج کے سامنے کچھ بھی نظر نہ آئی۔ کہاں چند ہزار سپاہی۔ کہاں ایک لاکھ سے زیادہ سوار اور بے شمار پیادے۔ کہاں محدود سامانِ جنگ اور کہاں بے حد و نہایت اسلحہ اور ہتھیار۔ لیکن وہ ذرا بھی ہراساں نہ ہوا۔ اس نے اپنے چیدہ سپاہیوں اور افسروں کے سامنے ایک پُر اثر تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"دوستو اور عزیزو!

تمہارے ایک طرف زندگی ہے دوسری طرف موت، زندگی فانی ہے اور موت کے بعد کی زندگی غیر فانی۔ تمہیں اختیار ہے۔ اِن دونوں میں سے جسے چاہو اختیار کر لو۔ میں اگر تمہارا ساتھ نہ دے سکا۔ تو تمہارے راستے کا پتھر بھی نہ بنوں گا۔ مجھے وہ زندگی ناپسند ہے جو ذلت اور غلامی کی زندگی ہو۔ میں اس موت کا آرزو مند ہوں جو آزادی، عزت اور سربلندی کے راستے میں آئے۔ اگر تم زندگی چاہتے ہو تو بھاگنے کا راستہ بھی کھلا ہوا ہے اور صلح بھی نہایت آسانی سے کی جا سکتی ہے۔ اور اگر مطلوب و مقصود موت ہے تو یہ جمِّ غفیر تمہارے لئے خس و خاشاک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا

[1] تاریخ فرشتہ ۵۹ [2] تاریخ فرشتہ

تم جو راستہ بھی چاہو اختیار کر لو۔ میں ہرگز مزاحم نہ ہوں۔ لیکن ایک بات یاد رکھو۔ بہر حال ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ اور مرنے کے بعد خدا کے حضور میں حاضر ہونا ہے اور اُس کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ سوچ لو، اگر جہاد سے روگرداں ہو کر تم نے زندگی کو ترجیح دی، موت کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے تو تمہارا حشر کیا ہوگا؟ ــــــــ بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ اپنے ضمیر سے اپنے دل سے فتویٰ لو، اور جو کچھ وہ کہے اس پر عمل کرو۔ ــــ"

یہ الفاظ سبکتگین نے کچھ ایسے سوز اور تاثر کے عالم میں کہے کہ حاضرین کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے سب نے متفق ہو کر کہا۔

"جتنی فوج سامنے ہے، اس سے ہزار گنا فوج بھی ہمارے مقابلے میں آئے تو ہم اس سے لڑیں گے ــــ خون کے آخری قطرہ تک اور زندگی کی آخری سانس تک!"

یہ الفاظ سن کر سبکتگین کے چہرے پر رونق آگئی۔ اس نے کہا۔

"خدا کے لئے جو لوگ سر دھڑ کی بازی لگا کر اور کفن سر سے باندھ کر میدان میں اُترتے ہیں، انہیں خدا بھی رسوا نہیں کرتا۔ وہ ضرور کامیاب ہوتے ہیں۔ خدا ضرور اُن کی مدد کرتا ہے۔"

پھر سبکتگین نے جے پال اور راجگانِ ہند کے بے پناہ لشکر پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کہا،

"ہاں میں مانتا ہوں۔ یہ ایک بہت بڑا لشکر ہے۔ اس کا شمار کرنا ناممکن ہے۔ اس کے پاس ساز و سامانِ جنگ بھی بہت زیادہ ہے۔ لیکن میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اس کے سینہ میں وہ جذبہ نہیں جو تمہارے سینہ میں مچل رہا ہے۔ اس کے سر میں وہ سودا نہیں۔ جس نے تمہیں دیوانہ کر رکھا ہے

اس کے عزم میں وہ طاقت، وہ قوت، وہ وہ جذبہ نہیں جو تمہیں غزنی سے اس غیر اور اجنبی مقام پر کشاں کشاں لے آیا ہے!"

پھر اس نے اپنے جیالے سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم بہادر ہو، کارآزمودہ ہو، بڑے بڑے معرکے سر کر چکے ہو۔ تم سے زیادہ اس حقیقت کا شناسا کون ہو سکتا ہے کہ جنگ آدمیوں کی کثرت اور قلت کی بنیاد پر نہیں جیتی جاتی! جیتنے کے لئے صرف ایک چیز کی ضرورت ہوتی ہے ——— موت کی آرزو اور زندگی سے بے پروائی۔ جس میں یہ جذبہ موجود ہے۔ وہ کبھی نہیں مر سکتا نہ کبھی ہار سکتا ہے اور تم میں یہ جذبہ موجود ہے اور تمہارا دشمن اس جذبہ سے محروم ہے۔ لہذا میں یہ پیشین گوئی کرتا ہوں، کہ تم جیتو گے ——— خدا ہمارے ساتھ ہے ———

اللہ اکبر!"

---

(۸)

لڑائی کا فیصلہ

دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں۔ صرف اشارہ کی دیر تھی!

جے پال نے سبکتگین کی فوج پر ایک حقارت بھری نظر ڈالی اور مہاراجہ اجمیر سے جو اس کے پہلو میں کھڑا تھا، کہا۔

"دیکھا آپ نے، یہ مٹھی بھر سپاہی ہم سے لڑنے چلے ہیں؟"

مہاراجہ اجمیر نے زہرخند کرتے ہوئے کہا: "چیونٹی کی جب موت آتی ہے تو اس کے پر نکل آتے ہیں۔ ان بے چاروں کی قسمت میں وطن کی خاک نہیں لکھی تھی۔ انہیں ایک غیر ملک میں مرنا تھا۔ یہ خود یہاں نہیں آئے، موت انہیں کھینچ کر لائی ہے!"

جے پال ہنسنے لگا۔ مہاراجہ دلی جے پال کو ہنستے دیکھ کر اس کے قریب آگیا۔ پہلے تو اسے ہنستا دیکھ کر وہ خود بھی ہنسا۔ پھر کہنے لگا:

"کس بات پر یہ قہقہے لگ رہے ہیں؟"

جے پال نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر زور زور سے ہنسنے لگا۔ مہاراجہ اجمیر نے کہا

"یہ اس بات پر ہنس رہے ہیں کہ یہ مٹھی بھر فوج ہمارے لشکر سے مقابلہ کرنے نکلی ہے! ابھی کہیں ہمارے منہ سے نکل گیا، چیونٹی کی جب موت آتی ہے۔ تو اس کے پر نکل آتے ہیں بس یہ سنتے ہی تجسے پر قہقہے لگانے لگے!"

اتنے میں کلونت آ گیا۔ اسے دیکھ کر جے پال نے بڑی شفقت اور محبت کے ساتھ کہا،
"اس وقت کیوں یہاں آ گئے؟ تمہیں تو مورچہ پر رہنا چاہیے تھا"

کلونت: "ان داتا! وہیں سے آیا ہوں اور وہیں جا رہا ہوں۔ صرف ایک بات دریافت کرنے حاضر ہوا تھا"

جے پال: "کون سی بات؟"

کلونت: "اب ہمارے سپاہیوں سے صبر نہیں ہوتا۔ وہ بیتابی کے ساتھ منتظر ہیں کہ حملہ کا حکم دیا جائے ــــــ بس یہ پوچھنا تھا کہ جنگ شروع کر دوں؟"

جے پال: "امر سنگھ کہاں ہے؟"

کلونت: "مجھے نہیں معلوم!"

جے پال۔ "وہ مورچہ پر نہیں ہے؟"

کلونت: "میں نے نہیں دیکھا"

جے پال: "آخر کہاں ہے وہ؟"

کلونت: "غلام کو نہیں معلوم ــــــ ممکن ہے اپنے گھر میں ہو۔ ہو سکتا ہے وہ شام سے پہلے مہاراجہ قنوج کے لشکر میں گیا ہو"

جے پال: "ہوں ــــ تو وہ لڑنا نہیں چاہتا"

کلونت۔ "بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ دل کا حال رام جانے"

جے پال: "اسے شاید مسلمانوں سے ہمدردی ہے"

کلونت: "اس سے تو انکار کیا ہی نہیں جا سکتا"

جے پال۔ (برہم ہو کر) "کیا مطلب؟ کیا تم اقرار کرتے ہو کہ وہ مسلمانوں کا ہمدرد ہے؟"

کلونت: "ان داتا! میں اپنے کانوں کو نہیں جھٹلا سکتا۔ انہوں نے اس کی زبان سے سبکتگین اور محمود کی تعریف سنی ہے"

جے پال: "یہ بات ہے! ــــــ دشمن ہمارے گھر تک پہنچ چکا ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی ہو۔ اسے فوراً ہمارے سامنے حاضر کیا جائے"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ امر سنگھ آتا ہوا نظر آیا۔ کلونت نے کہا،
"وہ دیکھیے ان داتا! ــــــ امر سنگھ"

اتنے میں امر سنگھ سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ جے پال نے نفرت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور کہا: "کہاں تھے اب تک تم؟"

امر سنگھ: "میں بھیس بدل کر سبکتگین کے لشکر میں گیا تھا"

جے پال: "کیوں؟ ــــــ کس کی اجازت سے؟"

امر سنگھ: "اجازت لینے کا موقع نہ تھا اور کام بہت ضروری تھا"

جے پال: "کیا تم اس لئے گئے تھے کہ سبکتگین سے اظہار ہمدردی کرو"

امر سنگھ۔ "ان داتا ــــــ!"

جے پال۔ "کیا تم اس لئے گئے تھے کہ ہمارے راز دل سے دشمن کو آگاہ کر دو؟"

امر سنگھ۔ "ان داتا! ان داتا! راجپوت کبھی بے وفائی نہیں کرتا۔ وہ اپنے آقا اور اپنے مالک سے کبھی غداری نہیں کر سکتا۔ وہ جب اپنے راجہ کی چوکھٹ پر پہنچتا ہے تو اس کے کان سن ہو جاتے ہیں۔ وہ صرف وہی سنتا ہے۔ جو اس کا راجہ سنتا ہے۔ صرف وہی دیکھتا ہے۔ جو اس کا راجہ دیکھتا ہے۔ اس کا دماغ ایک مشین بن جاتا ہے جس کی کل راجہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہ صرف وہی سوچتا ہے۔ جو راجہ سوچتا ہے۔ ان داتا! امر سنگھ ایک راجپوت ہے، ایک راجپوت باپ کا بیٹا ہے۔ ایک سپاہی ہے ایک سپاہی خاندان کا فرد ہے۔ وہ کون ہے جس نے میرے آقا اور مالک کو مجھ سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی؟ امر سنگھ بوڑھا ہے۔ لیکن اس کے ہاتھوں میں دشمن کا گلا گھونٹنے کی شکتی ابھی موجود ہے ــــــ ان داتا! میں اس کا نام معلوم کرنا چاہتا

ہوں۔ میں جاننا چاہتا ہوں ——

جے پال: "خاموش!"

امر سنگھ دفعتاً خاموش ہو گیا۔

جے پال: "کیا تم سبکتگین اور محمود کی تعریفیں نہیں کیا کرتے؟"

امر سنگھ: "اب نہیں کرتا، پہلے کیا کرتا تھا!"

جے پال: "اب میں اور پہلے میں کیا فرق ہے؟"

امر سنگھ: "سبکتگین اور محمود نے کلونت اور مجھ پر احسان کیا، اچھا سلوک کیا، اچھا کھانا کھلایا، آرام سے رکھا اور قاعدہ اور دستور کے خلاف رہا کر دیا —— ان میں سے کون سی بات ایسی تھی، جس کی میں برائی کرتا، تعریف نہ کرتا؟"

جے پال: "لیکن پھر تمہاری رائے کیسے بدل گئی؟"

امر سنگھ: "رائے نہیں بدلی، وہ تو اپنی جگہ قائم ہے۔"

جے پال: "پھر کیا چیز بدلی؟"

امر سنگھ: "سبکتگین اور محمود کے اخلاق و شرافت کا اب بھی مداح ہوں لیکن ان کا دشمن بھی ہوں۔ دشمن میں بھی اگر کوئی اچھی بات ہو تو اس کی تعریف کرنی چاہیئے۔"

جے پال: "اور پوچھتا کر امر سنگھ صاحب! آپ تو بڑے دھرماتما نکلے —— ایک ہی آدمی کی تعریف بھی کرتے ہیں اور اس سے دشمنی بھی کرتے ہیں؟"

کلونت: "تعریف مجھ سے کرتے ہیں اور دشمنی کرنے وہاں بھیس بدل کر گئے تھے۔"

امر سنگھ: "اوہ —— کلونت! —— یہ تم ہو تم؟"

کلونت: "ہاں —— جو کچھ کہتا ہوں منہ پر کہتا ہوں —— کچھ جھوٹ تو نہیں کہتا۔"

امر سنگھ: "اگر یہ لگائی بجھائی تم نے کی ہے، تو مجھے ذرا بھی شکایت نہیں۔"

جے پال: "ہم زیادہ باتیں سننا نہیں چاہتے —— اب تم وزیر محل نہیں۔ ایک قیدی ہو۔"

پھر جے پال نے دو سپاہیوں کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا۔ اور کہا، "ہتھیار چھین لو، اور قید کر لو!"

امر سنگھ مسکرایا۔ قبل اس کے کہ وہ سپاہی آگے بڑھیں، اس نے خود ہی ہتھیار اتار کر بڑی احتیاط اور ادب کے ساتھ اپنے آقا اور مالک مہاراجہ جے پال کے قدموں کے سامنے رکھ دیئے اور جب سپاہی اس کے پاس پہنچے تو اس نے ہتھکڑی پہننے کے لئے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیئے ——

امر سنگھ کی گرفتاری کے بعد مہاراجہ ودّی اور مہاراجہ اجمیر لشکر کا گشت کرتے ہوئے جے پال کے پاس آئے اور کہا: "آخر لڑائی کیوں نہیں شروع ہوتی؟"

جے پال: (مسکرا کر) "تو شروع ہو جائے پھر!"

مہاراجہ ودّی: "ضرور —— اب ایک پل بھی انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ حد ہوتی ہے صبر کی —— !"

کلونت: "ان داتا —— ہمارے سپاہی انتظار کرتے کرتے تھک چکے ہیں!"

جے پال: "اگر دشمن میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ پہل کرے۔ تو پھر ہمیں پیش قدمی کر دینی چاہیئے!"

جے پال کے لشکر نے جب پیش قدمی شروع کی، تو سبکتگین نے اپنے سرداروں سے کہا "میری رائے یہ ہے کہ —— پانچ پانچ سو سوار باری باری لڑائی کے میدان میں جائیں۔ جب ایک دستہ تھک جائے، تب دوسرا لڑائی شروع کرے ——"

اسلامی فوج نے اپنے بادشاہ کی ہدایت کے مطابق لڑائی شروع کی اور سخت معرکہ آرائی اور خون ریزی کے بعد اس جنگ میں اس حد تک کامیابی حاصل کی کہ ہندوؤں کے لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ حریف کمزور اور بدحواس ہو رہا ہے تو انہوں نے یلغار کی

سلسلہ تاریخ فرشتہ

یورش کردی اور ہشیار دشمنوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ بقیہ فوج سامنے سے بھاگی اور مسلمانوں نے نیلاب کے کنارے تک تعاقب کیا[1]

"قوی بازو ترکوں کے ان تیز و تند حملوں نے ہندی فوج کو پریشان کر دیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے ہزاروں سپاہی بھاگتے میں مارے گئے۔ راجہ (جے پال) کا خیمہ و خرگاہ میدان میں پشاور تک پورا علاقہ جنگ کے نتیجے میں سبکتگین کے ہاتھ آیا۔ ایک روایت کے مطابق اس موقع پر شہر پشاور میں غزنی کی دو ہزار فوج اور پہلا مسلمان حاکم مقرر کیا گیا۔ (۳۸۰ھ مطابق ۹۹۰ء)[2]

نو عمری کے باوجود محمود نے اس جنگ میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے پنجوسواروں کی پہلی ٹکڑی کا سردار وہی تھا۔ وہ آخر تک زخموں سے چور چور ہونے کے باوجود جنگ کے میدان میں ڈٹا رہا اور دشمن کی صفیں درہم برہم کرتا رہا!

---

[1] تاریخ فرشتہ ۵۵
[2] تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت ۱۱۶

(۹)

جیون اور شیام

کالنجر، اجمیر اور دہلی کے راجہ شکست کا داغ لے کر اپنی اپنی راجدھانی واپس جا چکے تھے! قنوج کا راجہ بھی جا چکا ہوتا لیکن وہ بیمار پڑ گیا۔ صحت کا بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ کہ ذرا طاقت آ جائے اور وہ اس خطرناک علاقہ سے واپس جائے!

امر سنگھ اب تک قید تھا ——— نہ مقدمہ چلایا گیا، نہ سزا دی گئی۔ حکم یہ تھا کہ قید رہے اور اس بڑھاپے میں جتنی زیادہ سے زیادہ تکلیفیں جھیل سکتا ہے، جھیلے۔

کلونت اس جنگ میں کام آ گیا تھا، اور جے پال کو اپنی شکست کا اتنا غم نہیں تھا، جتنا کلونت کی ہلاکت کا۔ لیکن جے پال بڑا باہمت آدمی تھا!

وہ سبکتگین سے دو مرتبہ ذلت بخش شکست کھا چکا تھا مگر اس کے حوصلے بلند تھے۔ وہ پھر لڑنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کر رہا تھا۔ پھر اس کے دل میں یہ امنگ اٹھ رہی تھی، کہ لاہور سے پیش قدمی کرے، پشاور پر قبضہ کرے اور کسی طرح غزنی کو فتح کرے۔ وہ صرف حالات کے روبراہ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ ورنہ اب تک کب کا لاہور سے پشاور اور پشاور سے غزنی روانہ ہو چکا ہوتا۔

کلونت کامنی سے بہت خفا تھا۔ اس خفگی نے اس کے دبے ہوئے جوشِ انتقام کو بھر

بھڑکا دیا تھا، اسی لئے اس نے امر سنگھ سے بدلہ لیا اور جے پال سے اس کی الٹی سیدھی شکایتیں کر کے گرفتار کرا دیا۔ اس کے دل میں یہ خیال پروان چڑھ چکا تھا کہ کامنی اس سے نفرت کرتی ہے اور شیام پر دل و جان سے فدا ہے۔ اس کی مردانہ غیرت اس توہین کو نہیں برداشت کر سکی۔ اس سے اور کامنی سے حجلۂ عروسی میں جو باتیں ہوئیں انہوں نے اور زیادہ مشتعل کر دیا۔ وہ غصے کے عالم میں حجلۂ عروسی سے باہر نکلا، اور پھر اس نے کامنی کی صورت جیتے جی نہیں دیکھی۔ اس نے سوچا تھا۔ جنگ جیت کر جب واپس آئے گا تو اچھی طرح کامنی سے سمجھے گا۔ لیکن وہ جنگ نہ جیت سکا۔ واپس بھی نہ آ سکا۔ میدانِ جنگ کی خاک کا پیوند بن گیا۔ نہ اس کی ارتھی نکلی نہ صندل کی لکڑیوں پر گھی چھڑک کر وہ جلایا گیا۔

کامنی اگرچہ کلونت سے نفرت کرتی تھی اور شیام سے محبت، اگر ہندو عورت رسوم و روایات کی اتنی پابند ہوتی ہے کہ وہ اپنا دل بھی اپنے ہاتھوں مسوس لیتی ہے۔ وہ شمع کی طرح جلتی رہتی ہے لیکن نہ آہ کرتی ہے نہ فریاد۔

جس روز کامنی کلونت کی بیوی بنی اسی دن اس نے شیام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ دیا، اب وہ کسی طرح بھی شیام کی نہیں ہو سکتی تھی۔ اب وہ ایک ایسے شخص کی بیوی تھی جس سے اسے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ نفرت تھی۔ مگر پھر بھی وہ اس کی بیوی تھی اور اس کے علاوہ دنیا کا ہر شخص اب اس کی نظر میں یا باپ تھا یا بھائی ——— اور شیام ؟ یہ سوچ کر اس کی آنکھوں سے موتی کے قطرے، آنسو کی صورت میں ٹپکنے لگتے، وہ بے اختیار رونے لگتی ———

جب اسے کلونت کے قتل کی اطلاع ملی، تو وہ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس لئے نہیں کہ اسے اپنے نامراد شوہر سے ہمدردی تھی، اس لئے بھی نہیں کہ اسے اپنی بیوگی کا غم تھا، اس کا سہاگ قائم رہتا یا مٹ جاتا، ہر حالت میں وہی زندگی بسر کرنی تھی جو ایک بیوہ کو بسر کرنا پڑتی ہے۔ لیکن بیوہ ہو جانے کے بعد حالات بدل گئے تھے۔ کلونت کی زندگی میں

اس سے بے تعلق رہ کر بھی وہ ایک مرتبہ رکھتی تھی۔ وہ یہ رکھتی تھی کم از کم آسودگی خیال حاصل تھی۔ لیکن اب یہ چیز بھی چھننے والی تھی۔ اب مستقبل غیر یقینی تھا، زندگی غیر متعین تھی۔ خود اسے نہیں معلوم تھا آنے والے دن کس طرح بیتیں گے ——— کہاں کٹیں گے ؟

اور شیام مہاراجہ قنوج کے ساتھ جب سے آیا تھا، اسی فکر میں تھا کہ ایک نظر کامنی کو دیکھ لے، ایک مرتبہ اس سے دو باتیں کر لے، لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔ وہ کامنی کی پرچھائیں تک نہ دیکھ سکا۔ باتیں کرنا تو کجا، وہ امر سنگھ سے بھی نہ مل سکا۔ درحقیقت وہ بھی اب مایوس ہو چکا تھا، لیکن دل اب تک مایوس نہ ہوا تھا۔ اب تک اسے آس بھی تھی۔ شاید ——— ! لیکن اس شاید سے آگے وہ نہ جانے کیا کیا سوچ جاتا تھا۔ مگر زبان تک نہ لا سکتا تھا۔

اتنے میں حالات نے پھر پلٹا کھایا اور ایک روز اس نے سن لیا۔ کامنی بیوہ ہو گئی۔ کلونت جنگ میں مارا گیا! اس خبر نے اس کے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا۔ اسے ایک طرح کی خوشی ہوئی اس کی مردہ امیدوں میں پھر رعنائی اور تازگی پیدا ہونے لگی۔ وہ جانتا تھا ہندو عورت بیوہ ہو کر اور زیادہ ناممکن الحصول ہو جاتی ہے۔ ہندو سماج میں بیوہ عورت کی نہ کوئی وقعت ہے، نہ قدر نہ اس کی زندگی تسلیم کی جاتی ہے نہ اسے نئی زندگی بسر کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی دیوانہ نئی نئی امیدوں کے انبار لگا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ کامنی مجھے مل جائے گی، جس نے اسے مجھ سے چھین لیا تھا، وہ کانٹا راستے سے ہٹ گیا۔ جب وہ ہٹ گیا تو اب مجھے کون محروم کر سکتا ہے ؟

ایک روز اپنے خیمہ میں چپ چاپ بیٹھا یہی باتیں سوچ رہا تھا کہ یکایک دیکھا جیون سنگھ چلا آ رہا ہے ——— یہ کامنی کا بھائی تھا۔ اور جب سے امر سنگھ بے خطا بے قصور گرفتار ہوا تھا، یہ خواہ مخواہ مہاراجہ جے پال کا معتوب بن گیا تھا!

جیون کو دیکھ کر شیام بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔ وہ بڑے تپاک اور محبت سے بغل گیر ہوا۔ اپنے سامنے مسند پر اس کو بٹھایا اور شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔

"جیون تم کہاں ہے؟ ——— میں تو سمجھا تھا قسمت کی طرح تم بھی خفا ہو مجھ سے!"

جیون: "زخموں پر نمک نہ چھڑکو شیام! دنیا ہماری مخالف ہے۔ قسمت ہماری بیری ہے۔ کوئی بھی اپنا نظر نہیں آتا۔ سوچا تھا۔ تم سے دو گھڑی باتیں کرلیں گے۔ تم بھی طعن و تشنیع کے تیر چلانے لگے۔ اچھا بھائی خفا نہ ہو، جاتے ہیں۔"———

یہ کہہ کر جیون جانے کے لئے اٹھا۔ شیام نے اسے پکڑ لیا اور کہا:

"کیسی باتیں کر رہے ہو جیون، بھلا میں تم پر طعن کروں گا؟ میں نے تو یونہی شکایۃً ایک بات کہہ دی تھی۔ تم برا مان گئے۔ اگر یہ باتیں بری لگیں تو معافی مانگے لیتا ہوں۔ اب تو بیٹھو۔"

جیون: "بیٹھ کر کیا کروں؟ جی نہیں لگتا کہیں؟"

شیام۔ "یہی حالت میری بھی ہے۔ سوچا تھا کیا ——— کیا ہوگیا؟! ——— تم ابھی دنیا کی قسمت کی شکایت کر رہے تھے۔ میں کس کی اور کس سے شکایت کروں؟"

جیون: "کیوں تمہیں کیا ہوا ——— تمہیں کون سا غم؟"

شیام: "اتنے انجان نہ بنو جیون! کیا تم نہیں جانتے میری دنیا بھی اجڑ چکی ہے۔ میری قسمت بھی مجھ سے روٹھی ہوئی ہے۔ میرا بھی کوئی نہیں ہے، جس سے دل کی بات کہوں۔"

جیون: "آخر کیوں؟"

شیام: "کیا تمہیں نہیں معلوم امر سنگھ نے مجھ سے کیا وعدہ کیا تھا؟"

جیون: "ہاں معلوم ہے ——— انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ کامنی کا بیاہ تم سے کریں گے۔"

شیام: "کیا تم نہیں جانتے امر سنگھ نے ایک پنڈت بھیج کر مجھے بلوایا تھا؟"

جیون: "ہاں خوب جانتا ہوں۔ تمہیں بلوایا تھا۔ تاکہ شبھ گھڑی دیکھ کر کامنی کا ہاتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہارے ہاتھ میں دے دیں!"

شیام: "لیکن جب میں آگیا۔ تو معلوم ہوا کامنی کا بیاہ کلونت سے ہو چکا ہے۔ یہاں آکر مجھے

یہ بھی معلوم ہوا جس روز پنڈت نیوتہ دے کر میرے پاس گیا ہے عین اسی دن کلونت اور کامنی کی شادی ہوئی۔ آخر میرے ساتھ اس مذاق کی کیا ضرورت تھی۔ اگر امر سنگھ مجھ سے یہ کہہ دیتے کہ تو کامنی کے قابل نہیں تو میں کیا کر لیتا؟ ——— ارے جیون، تم تو رو رہے ہو۔ اچھا میں چپ ہوا جاتا ہوں، معاف کر دو مجھے!"

جیون: "نہیں تم میرے آنسو نہیں پونچھ سکتے۔ تم میرے زخم کا مرہم نہیں بن سکتے۔ رونے دو مجھے جی بھر کے رو لینے دو۔"

شیام: "لیکن کیوں آخر؟"

جیون۔ "اس لئے کہ یہ جیون اب روتے ہی کٹے گا۔"

شیام: "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ رونا میرا کام ہے۔ میں اس کام کو اچھی طرح کروں گا۔"

جیون۔ "اور میرا؟ ——— جس شخص کا باپ بے خطا بے قصور قید کر لیا گیا ہو، جسے بغیر کسی وجہ اور سبب کے سرکاری ملازمت سے برخاست کر دیا گیا ہو۔ جس کی ماں اسی غم میں دیوانی ہو چکی ہو، اور جس کی بہن کی زبردستی شادی کرکے اسے زبردستی بیوہ بنا دیا گیا ہو، اگر رونے کا حق اسے نہیں تو پھر کسے ہے؟"

شیام: "کیا کہہ رہے ہو جیون؟"

جیون: "جیون جھوٹ نہیں بولتا۔"

شیام: "تم نے جو کچھ کہا، کیا یہ سب سچ ہے؟"

جیون: "ہاں بدقسمتی سے بالکل سچ!"

شیام: "لیکن کامنی کی زبردستی شادی کیوں کی گئی؟"

جیون: "اس لئے کہ کلونت میرے باپ سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ میرے خاندان کی توہین کرنا چاہتا تھا اور ہمارا سربے پال کو اپنا معاون اور مددگار بنا چکا تھا!"

شیام: "اچھا اب سمجھ میں آئی بات۔ لیکن امر سنگھ کی گرفتاری کا سبب؟ تمہاری برخاستگی کی وجہ؟"

انعام کے بجائے یہ سزا کیسی؟"

جیون: "تاکہ کلونت کی سازش کامیاب ہو ــ کیا تم نہیں جانتے وہ ہمارا دیرینہ دشمن تھا؟"

شیام: "جانتا ہوں۔ اسی لئے مجھے حیرت تھی کہ یہ رشتہ کیونکر امر سنگھ نے منظور کر لیا؟"

جیون: "دنیا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر نہیں کیا جا سکتا ـــــ کس میں ہمت تھی کہ مہاراجہ پال کے حکم کو ٹالتا، حالانکہ وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا، کامنی اس رشتہ سے خوش نہیں ہے۔"

شیام: "جانتا تھا، پھر بھی یہ ظلم؟"

جیون: "وہی نہیں، خود کلونت بھی جانتا تھا!"

شیام: "کلونت بھی؟ واقعی؟"

جیون: "ہاں وہ بھی ـــــ شادی کے بعد کامنی نے اس سے بات بھی نہیں کی۔ اس کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ اسے اپنا شوہر تک تسلیم نہیں کیا ـــــ"

شیام: (حیرت سے) "کیا کہہ رہے ہو جیون؟ کیا یہ سب کچھ ہو گیا؟ ـــــ کامنی میں اتنی ہمت کہاں سے آگئی؟ بولو ـــــ بتاؤ ــــ؟"

جیون: "کامنی بھی ایک راجپوت لڑکی ہے، وہ بھی اتنی ہی بہادر ہے، جتنا میں، جتنے تم! جتنا کوئی اور راجپوت! اسے تم سمجھتے کیا ہو؟"

شیام: "جانتا ہوں وہ بڑے حوصلہ کی لڑکی ہے، لیکن اتنا کچھ کر گزرے گی، اس کا تو وہم و گمان بھی نہیں تھا۔"

جیون: "لیکن اب تو یقین آیا؟"

شیام: "تمہاری بات کیسے جھٹلا سکتا ہوں۔ ماننا ہی پڑتا ہے۔"

جیون: "جب سے کلونت قتل ہوا ہے، کامنی کی جان پر بن گئی ہے۔"

شیام: "یہ کیوں؟"

جیون: "اس لئے کہ وہ بیوہ ہے ـــ

شیام: "تو اس سے کیا ہوتا ہے؟"

جیون: "بیوہ اس لئے ہوئی کہ وہ منحوس تھی۔ سبز قدم تھی۔ بد نصیب تھی!"

شیام: "کون کہتا ہے؟"

جیون: "کلونت کا سارا گھر!"

شیام: "لیکن وہ وہاں رہتی کیوں ہے؟"

جیون: "پھر کہاں جائے؟"

شیام: "کیا اپنے گھر میں نہیں آسکتی؟ تم اسے نہیں رکھو گے؟"

جیون: "اس کا گھر تو وہی ہے جو کلونت کا ہے۔ میرے ساتھ تو اس کا جو ناطہ تھا، وہ اسی دن ٹوٹ گیا۔ جب وہ بیاہی گئی تھی۔"

شیام: "اس قسم کے طعنوں سے تو اس کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ وہ بڑی حساس اور خود دار لڑکی ہے، زہر کھائے گی، مر جائے گی ـــــ جیون اسے بچاؤ ـ!"

جیون: "اپنی جان دے کر بھی اگر بچا سکوں تو مجھے عذر نہیں۔ لیکن ـــــ"

شیام: "لیکن ـــــ لیکن کیا؟"

جیون: "وہ کلونت کی بیوہ ہے۔ مہاراجہ کا حکم ہے کہ وہ 'اپنے' گھر کے سوا کہیں نہیں جا سکتی۔"

شیام: "یہ تو تم نے بڑی بری خبر سنائی۔ پھر اب؟"

جیون: "اب کیا؟ جو کچھ بھگوان دکھائے سو نا چار دیکھنا! ہم کر ہی کیا سکتے ہیں؟"

شیام: "میرا کہا مانو ـــ میں دو چار دن میں مہاراجہ کے ساتھ قنوج روانہ ہو جاؤں گا۔ میرے جانے کے بعد تم دوا علاج کا بہانہ کر کے کسی طرح اسے لے کر قنوج آجاؤ۔ پھر وہاں پہنچ کر اطمینان سے سوچیں گے ـــــ بہت سی باتیں، بہت سے پروگرام!"

استنے میں چوبدار آیا۔ اس نے کہا: "مہاراجہ نے یاد فرمایا ہے آپ کو ابھی!"

شیام گھبرا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے یاد کیا ہے؟"

وہ بولا: "ہاں آپ کو ——— ابھی اسی وقت۔"

شیام: "چلو ——— دیکھو جیون! میں نے جو کچھ کہا ہے۔ اسے یاد رکھنا۔ اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا ——— اچھا اب میں جاتا ہوں!"

شیام جیون کا جواب سنے بغیر چوبدار کے ساتھ مہاراجہ قنوج کے خیمہ میں چلا گیا۔ اور جیون مایوس و دل شکستہ اپنے گھر!

---

(۱۰)

مہاراجہ قنوج کا خیمہ

شیام سیدھا مہاراجہ قنوج کے زرنگار خیمہ میں پہنچا۔

اس وقت مہاراجہ کے سوا کوئی اور موجود نہیں تھا۔ مہاراجہ کے چہرہ پر ایک خاص قسم کی تشویش اور پریشانی نمایاں تھی۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے کبھی بیٹھ جاتے تھے۔ اور کبھی پھر اُٹھ کر ٹہلنے لگتے تھے ——— شیام کو دیکھ کر بھی ان کے مشغلہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ اسی طرح ٹہلتے اور بیٹھتے رہے اور شیام چپ چاپ ادب سے کھڑا یہ دلچسپ تماشہ دیکھتا رہا۔ اس کی مجال نہیں تھی کہ گفتگو میں پیش قدمی کرتا ——— بڑی دیر گزر گئی۔ اور یہ منظر قائم رہا۔ پھر وہ شیام کی طرف متوجہ ہوئے۔

"تم آ گئے؟"

شیام: "ان داتا کا حکم ملتے ہی غلام حاضر ہو گیا!"

مہاراجہ: "ہم نے تمہیں دیکھا ہی نہیں ——— اس وقت ہم نے ایک ضروری مشورہ کے لئے تمہیں بلایا ہے۔ تمہاری رائے پر ہمیں بھروسہ ہے۔ تمہاری وفاداری کا ہمارے دل پر گہرا نقش قائم ہو چکا ہے۔ تمہاری رائے کی ہم قدر کرتے ہیں۔"

شیام: "غلام کیا اور غلام کی رائے کیا ——— غلام کا کام آقا کے حکم کی تعمیل کرنا، اس کی خدمت کرنا اور اس کے لئے گردن کٹا دینا ہے۔"

مہاراجہ: "نہیں یہ باتیں نہ کرو۔ تم ہمارے غلام نہیں، معتمد مشیر ہو۔"

شیام: "تو ارشاد فرمائیے، کیوں یاد فرمایا ہے؟"

مہاراجہ: "جے پال بڑا خود رائے اور احمق ہے۔ ہم نے غلطی کی یہاں آکر۔"

شیام: "ان داتا! یہ آپ ہی کی نہیں، ایک دنیا کی رائے ہے۔ سب اُسے ایسا ہی سمجھتے ہیں۔"

مہاراجہ: "واقعی؟"

شیام: "ان داتا!"

مہاراجہ: "ذرا حماقت کی انتہا تو دیکھو، جس بادشاہ سے دو مرتبہ لڑ کر بُری طرح ہار چکا ہے۔ اس سے پھر لڑنے کے لئے تیار ہو رہا ہے ——— سُن رہے ہو تم؟"

شیام: "ان داتا، سُن رہا ہوں۔"

مہاراجہ: "وہ چاہتا ہے ہم ایک اور نیا لشکر قنوج سے منگائیں۔ کیا ہمیں ایسا کرنا چاہئے؟"

شیام: (جوش میں آکر) "ان داتا میری رائے تو ہرگز نہیں ہے۔"

مہاراجہ: "تمہاری رائے یہ ہے کہ ہم واپس چلیں۔"

شیام: "جی میری رائے یہی ہے۔"

مہاراجہ: "ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ مسلمانوں سے لڑیں۔"

شیام: "بالکل نہیں ان داتا۔"

مہاراجہ: "لیکن پھر ہمیں طعنے دیئے جائیں گے۔ ہماری مخالفت کی جائے گی۔ ہمیں ہندو دھرم کا دشمن کہا جائے گا ——— اس کا بھی خیال ہے؟"

شیام: "ان داتا، یہ کچھ نہیں ہوگا۔ اس دُنیا میں وہ آدمی پیدا نہیں ہوا۔ جو مہاراجہ قنوج کو ہندو دھرم کا دشمن کہہ سکے ——— ہندو دھرم سے دوستی کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ ایک بیوقوف آدمی کا ساتھ دے کر خود اپنے آپ کو تباہ کر لیا جائے۔"

مہاراجہ: "ہاں یہی ہم بھی سوچ رہے تھے۔"

شیام: "میرا تو خیال ہے کہ جے پال بدنفس بھی ہے۔"

مہاراجہ: "یہ تم نے کس طرح جانا؟"

شیام: "اُس کی بدنفسی کا مشاہدہ کر کے۔"

مہاراجہ: "کیا دیکھا تم نے؟"

شیام: "جے پال خود ہی کلونت راؤ اور امر سنگھ کو یرغمال کے طور پر رہن رکھ آیا تھا مسلمانوں کے پاس۔"

مہاراجہ: "ہاں ہمیں معلوم ہے۔"

شیام: "جے پال کے ساتھ کچھ مسلمان بھی آئے تھے تاکہ خراج کی رقم لے کر یہاں سے جائیں۔"

مہاراجہ: "ہاں یہ بات بھی ہمارے علم میں ہے۔"

شیام: "اب غور فرمائیے۔ مسلمان تو اپنے یرغمال کے ساتھ عزت اور برابری کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اور پھر کسی تحریک کے بغیر رہا بھی کر دیتے ہیں۔ اور جے پال کیا کرتا ہے ———؟"

مہاراجہ: "مسلمانوں کو گرفتار کر لیتا ہے۔"

شیام: "پھر بتایئے، ایسے آدمی پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟ دھوکا، جھوٹ، فریب تو کسی مذہب میں بھی جائز نہیں۔"

مہاراجہ: "ہاں یہ بڑی نامعقول اور ناشائستہ حرکت ہے جے پال نے کی۔ ہمیں بھی یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔"

شیام: "پھر اور تماشہ دیکھئے۔ امر سنگھ کو تو آپ جانتے ہوں گے؟"

مہاراجہ: "ہاں کچھ کچھ۔ وہی نا جسے اس روز میں میدان میں جے پال نے گرفتار کر لیا تھا؟"

شیام: "جی وہی!"

مہاراجہ: "کون ہے یہ شخص امر سنگھ؟"

شیام: "یہ وہ شخص ہے جو سات پشتوں سے مہاراجہ کی وفاداری کا دم بھرتا چلا آ رہا ہے۔"

مہاراجہ: لیکن جے پال کا تو خیال ہے کہ وہ مسلمانوں سے ملا ہوا ہے۔"

شیام: "میں اسے جانتا ہوں۔ مالک سے وفاداری اس کی گھٹی میں پڑی ہے۔ وہ بھیس بدل کر مسلمانوں کے لشکر میں گیا تھا۔"

مہاراجہ: "کیوں گیا تھا وہ؟"

شیام: "اس لئے کہ مسلمانوں کا کمزور پہلو معلوم کرے اور لڑائی سے پہلے آکر بتا دے تاکہ زیادہ زور وہیں صرف کیا جائے۔"

مہاراجہ: "بڑی معقول تدبیر تھی۔"

شیام: "لیکن اس کا انجام یہ ہوا کہ وہ دشمن کی جاسوسی کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس غم میں اس کی بیوی پاگل ہو گئی۔"

مہاراجہ: "پاگل ہو گئی؟"

شیام: "ان داتا! اور اس کی لڑکی پر تو ایسا ظلم ہوا ہے۔ جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

مہاراجہ: "کون لڑکی؟"

شیام نے کامنی اور جیون اور کلونت کی ساری کتھا سنا ڈالی اور کہا۔

"ان داتا! جو راجہ اپنی پرجا پر، اپنے جاں نثاروں اور وفاداروں پر اتنا ظلم کرتا ہو وہ بھلا دنیا میں پھل سکتا ہے؟"

بے ساختہ مہاراجہ کے منہ سے نکلا: "ہرگز نہیں ——— کبھی نہیں۔"

شیام: "پھر ایسے آدمی کا ساتھ دینے سے حاصل؟ ——— میں نے تو جیون کو مشورہ دیا ہے کہ وہ کامنی کو لے کر قنوج آ جائے کسی طرح۔"

مہاراجہ: "وہ ہمارے ساتھ کیوں نہیں چلتا؟ ——— ہم نے اسے لڑتے ہوئے دیکھا ہے بڑا بہادر اور جیالا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ تم اس سے کہو وہ ہمارے ساتھ چلے۔ ہم اس کی

عزت کریں گے، اسے منصب دیں گے؟"

شیام: "اگر وہ ہمارے ساتھ گیا تو جے پال کھٹک جائے گا۔ پھر آپ کی مہاراجہ سے ان بن ہو جائے گی۔"

مہاراجہ: "ہم اس کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ وہ ہمارے دل سے اتر چکا ہے۔ وہ اس قابل نہیں کہ ہم اس کی قدر کریں، اس کا ساتھ دیں۔ پرائے شگون کے پیچھے اپنی ناک کٹائیں۔ وہ تو اپنی ناک کٹا چکا ———"

یہ کہہ کر مہاراجہ زور سے ہنسنے لگے۔ اور پھر انہوں نے کہا: "تو جلد از جلد ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔"

شیام: "بہت بہتر ان داتا!"

مہاراجہ: "لیکن ایک بات کا رہ رہ کے خیال آتا ہے ہمیں۔"

شیام: "وہ کونسی بات ہے ان داتا؟"

مہاراجہ: "جے پال نے دہلی، اجمیر، کالنجر اور گوالیار کے مہاراجگان کو خط لکھ کر پھر بلایا ہے۔ کتنی عجیب بات ہوگی کہ وہ لوگ تو اپنا اپنا لشکر لے کر یہاں آئیں اور ہم اپنا لشکر لے کر یہاں سے روانہ ہو جائیں۔"

شیام: "ان داتا! یہ کوئی بات نہیں۔ اوّل تو وہ لوگ اگر ذرا بھی سمجھ دار ہیں، آئیں گے نہیں۔ اور اگر آ گئے تو ہم سے زیادہ پشیمان ہو کر واپس جائیں گے۔"

مہاراجہ: "ٹھیک کہتے ہو واقعی ہمیں اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہیے۔"

شیام: "آخر ہم اس جھگڑے میں کیوں پڑیں۔ مسلمانوں سے ہماری تو کوئی لڑائی نہیں ہے؟"

مہاراجہ: "بالکل نہیں۔"

شیام: "پھر کیا ضرورت ہے کہ ایسے بے وقوف اور بار بار کے ہارے ہوئے شخص کا ساتھ دے کر ہم بھی شکست کا داغ اٹھائیں؟ ——— ہاں اگر مسلمانوں نے ہم سے چھیڑ چھاڑ

کی۔ ہمارے ملک پر حملہ کیا تو ہم ان کے دانت کھٹے کر دیں گے۔ اور انہیں بتا دیں گے کہ ——"

مہاراجہ: نہیں۔ وہ اتنے بیوقوف نہیں ہیں۔ کہ قنوج پر آ کر حملہ کریں —— ہمارا خیال تو یہ ہے کہ وہ بے پال پر بھی حملہ کرتے۔ لیکن اس بے وقوف نے خود بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ لگایا۔ پہلی مرتبہ بھی خود لڑنے گیا تھا۔ دوسری مرتبہ بھی اُس نے پہل کی تھی۔ اور اب تیسری بار بھی یہی بد عہدی کا ارتکاب کر رہا ہے؟ —— عجب آدمی ہے!"

---

(۱۱)

نئی اُفتاد

کامنی اپنے شوہر کے گھر میں اچھوت کی زندگی بسر کر رہی تھی!

کلونت کے گھر والے اس کے ساتھ بڑا ذلیل برتاؤ کر رہے تھے۔ اس کے خوبصورت اور لمبے لمبے بال اُسترے سے مونڈ دیئے گئے تھے۔ گھر میں کوئی شخص بھی سیدھے منہ بات نہیں کرتا تھا۔ پہلے وہ خود بھی کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ لیکن اب اُس کی چڑھی کمان اُتر چکی تھی۔ اب وہ چاہتی تھی، کوئی اس سے بات کرے، کوئی اس کا دل بہلائے۔ کوئی اس سے اُنس و التفات کا اظہار کرے۔ اسی تمنا میں وہ گھر والوں سے پہلے کے مقابلہ میں اچھا برتاؤ کرنے لگی تھی خوش اخلاقی سے پیش آتی تھی۔ لیکن اب اس کی بساط اُلٹ چکی تھی —— اب نہ وہ کسی کی ہمدردی حاصل کر سکتی تھی نہ التفات!

کلونت کا ایک بھائی بھی تھا جسونت۔ یہ اُس سے عمر میں چھوٹا تھا۔ لیکن اب سارے گھر کا مالک یہی تھا۔ یہ کلونت کی زندگی میں بھی کامنی کو چھیڑا کرتا تھا۔ لیکن آج صاف معلوم ہو رہا تھا حد سے آگے قدم بڑھانے کا فیصلہ کر چکا ہے!

وہ ایک تاریک اور اندھیری رات تھی۔ زور کا طوفان آیا ہوا تھا۔ ہوا سائیں سائیں چل رہی تھی۔ اس کے جھکڑ ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے ساری حویلی کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں گے۔ شمعیں بار بار بجھائی جاتی تھیں اور گل ہو ہو جاتی تھیں۔ کامنی تن تنہا اپنے کمرہ میں پڑی تھی۔ بالکل گھر نے

کی طرف ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ ہوا کی ہر سرسراہٹ پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب بجھا اور اب بجھا۔ سارا گھر لحافوں اور رضائیوں میں دبکا پڑا تھا۔ کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ایک منٹ کے لئے بھی کمرے سے باہر نکل سکے۔ کامنی چپ چاپ اپنے بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ وہ جاگ رہی تھی، نیند کا کہیں دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ یہ پہاڑ سی زندگی کس طرح کٹے گی؟ خدا کی اس وسیع دنیا میں ایک متنفس بھی اپنا نظر نہیں آ رہا تھا۔ جو تھا وہ دشمن یا بے تعلق۔ باپ جے پال کی قید میں تھا۔ ماں اس غم سے دیوانی ہو چکی تھی۔ بھائی کو نوکری سے جواب مل چکا تھا۔ نہ ملنے کی اجازت تھی۔ نہ آنے جانے کی۔ کلونت کے گھر کا ایک ایک ذرہ اسے کاٹنے کو دوڑتا تھا۔ شیام سے ملنے کا اب کوئی امکان نہیں تھا۔ یہ باتیں سوچ سوچ کر اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھتی تھی اور وہ کلیجہ مسوس کر رہ جاتی تھی ——— کبھی جی چاہتا تھا خودکشی کر لے۔ کبھی سوچتی تھی کہیں روپوش ہو جائے۔ کبھی خیال آتا تھا شیام کو اپنے حال زار سے اطلاع دے اور اس سے مدد مانگے۔ لیکن یہ سب خیالات ذہن و دماغ میں آتے تھے اور ہوا کی طرح نکل جاتے تھے۔ کسی بات پر طبیعت جمتی نہیں تھی۔ وہ بار بار کروٹیں بدلتی تھی کہ نیند ہی آ جائے لیکن آج وہ بھی اس سے روٹھ چکی تھی۔ جتنا جتنا وہ اسے بلاتی تھی، اتنی ہی وہ دور ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ گھڑیال نے رات کے دو بجا دئے۔

اب اس کی آنکھیں بوجھل ہو چلی تھیں۔ کہ کمرے کے سامنے کسی کے چلنے کی آہٹ سنائی دی۔ اس کے کان کھڑے ہوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اس وقت یہاں کون آ سکتا ہے؟ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اس نے محسوس کیا کمرے کے دروازے کے پاس آ کر آہٹ رک گئی۔ گویا وہ آنے والا یہاں رک کر ٹھٹک گیا۔ چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ کامنی کے بدن میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ وہ بڑی بہادر عورت تھی لیکن اس وقت اس کی گھگھی گم ہو گئی۔ اس کے آئے کے حواس غائب ہو گئے۔

یہ کون ہے؟ ———

یہ کون ہو سکتا ہے؟ ———

اگر یہ کمرے میں آ گیا تو؟ ———

کمرے کا دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ اندر سے بند نہیں تھا۔ اس کی یہ ہمت نہ پڑی کہ اٹھے اور جا کر دروازہ اندر سے بند کر دے۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اور وہ چپ چاپ اپنے بستر پر دراز تھی۔ اتنے میں دیکھتی کیا ہے۔ کسی نے آہستہ سے دروازے کو دھکا دیا اور پھر وہ اندر آ گیا۔ آتے ہی اس نے دروازہ پھر سے بھیڑ دیا۔ وہ کامنی کی طرف بڑھا۔ پھر نہ جانے اس کے جی میں کیا آئی کہ پھونک مار کر اس نے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو گل کر دیا۔ کامنی یہ سب کچھ خاموش بے حس و حرکت پڑی دیکھ رہی تھی۔ ہیاؤ نہ پڑا کہ کچھ بولتی یا ٹوکنے کی جرأت کرتی ——— وہ آدمی چراغ کی مدھم روشنی گل کر کے پھر واپس مڑا اور اس نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ اب کامنی ضبط نہ کر سکی۔ نہ جانے کہاں سے اس میں ہمت پیدا ہو گئی۔ وہ جھپک کر اپنے بستر سے اٹھی اور اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم کون ہو؟"

اس آدمی نے جواب دیا۔ "دوست!"

یہ آواز کامنی کو مانوس سی نظر آئی۔ اس نے پوچھا۔ "جسونت؟"

وہ بولا۔ "ہاں ——— خوب پہچان لیا تم نے۔ حالانکہ اندھیرا بھی تھا اور میں بھیس بھی بدل کر آیا تھا۔ کیوں، دل کو دل سے راہ ہوتی ہے ———"

کامنی۔ "تم نے چراغ کیوں گل کر دیا؟"

جسونت۔ "ضرورت تھی۔"

کامنی۔ "اور دروازہ کیوں بند کیا اندر سے؟"

جسونت۔ "تاکہ کوئی ہمیں دیکھ نہ سکے۔"

کامنی۔ "لیکن اس وقت تم یہاں آئے کیوں ہو؟"

جسونت۔ "تاکہ جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اطمینان سے کہہ سکوں۔"

کامنی اپنے بستر پر بیٹھ گئی ــــــ "جو چاہو کہہ سکتے ہو، میں سنوں گی لیکن ایک شرط ہے۔"

جسونت: "کونسی شرط؟"

کامنی: "دروازہ کھول دو اور چراغ جلا دو۔"

جسونت: "ناممکن ــــــ دونوں باتیں نامنظور!"

کامنی: "تو پھر میں اپنی جان دے دوں گی۔"

جسونت: "جان ہر وقت دے سکتی ہو لیکن میرے سامنے نہیں۔ میں روک دوں گا تمہیں۔ میرے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے!"

کامنی: "اچھا چراغ نہ جلاؤ۔ دروازہ کھول دو۔"

جسونت: "یہ بھی نہیں ہو سکتا!"

کامنی: "آخر کیوں؟ ــــــ میں تمہاری لونڈی نہیں، باندی نہیں، و بیل نہیں، ماتحت نہیں۔ آخر تم نے کیا سمجھ رکھا ہے مجھے؟"

جسونت: "جو کچھ سمجھ رکھا ہے اُس کا فیصلہ کرنے تو آیا ہوں۔"

کامنی: "جسونت تم ہمیشہ سے مجھے چھیڑتے آئے ہو ــــــ"

جسونت: "ہاں ــــــ اور آخری بار تم سے باتیں کرنے آیا ہوں۔ اطمینان رکھو۔ مجھے تم سے صرف باتیں کرنا ہیں۔ جبر اور زور کرنا نہیں چاہتا۔"

کامنی: "جبر اور زور کے آگے میں سر بھی نہیں جھکا سکتی۔ یہ بھی سن لو۔"

جسونت: "سن لیا ــــــ لیکن تم تو لڑنے لگیں۔"

کامنی: "اچھا نہیں لڑتی۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو ــــــ لیکن جلد ــــــ اور مختصر!"

جسونت: "صرف ایک بات ــــــ یہ بتاؤ اب تم کیا کرو گی؟ میرا مطلب یہ ہے کہ اپنی زندگی کس طرح بسر کرو گی؟"

کامنی: "جس طرح بسر کر رہی ہوں۔ جس طرح ایک ہندو عورت کو بسر کرنی چاہیئے، جس طرح

ہمارے سماج کی بیوہ عورتیں بسر کرتی رہتی ہیں۔ اس میں آخر پوچھنے کی کیا بات ہے؟ صرف یہی بات اگر پوچھنا تھی تو بیکار تم نے اپنا وقت ضائع کیا۔"

جسونت: "تم میرا مطلب نہیں سمجھیں کامنی!"

کامنی: "سمجھتی جا رہی ہوں۔ کہو تو بغیر تمہارے کہے بتا دوں؟"

جسونت: "بتاؤ ــــــ ذرا دیکھوں تو کتنی ذہین ہو؟"

کامنی: "تم مجھ سے محبت کرتے ہو! ــــــ کیوں ٹھیک ہے یا نہیں؟"

جسونت: "ہاں بالکل ٹھیک!"

کامنی: "تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہاری ہو رہوں۔ نہ دنیا کی پرواہ کروں نہ دھرم کی، نہ گھر والوں کی ــــــ کیوں یہ بھی ٹھیک ہے نا؟"

جسونت: "ہاں یہ بھی ٹھیک ہے!"

کامنی: "اور تم یہ بھی چاہتے ہو کہ اس وقت اس بھیانک سناٹے اور اندھیری رات میں جو جذبے کر آئے ہو اُسے نہ ٹھکراؤں، اسے مان لوں، اس کا سواگت کروں؟ ــــــ ایں؟"

جسونت: "ارے یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ جو بات بھی کہتی ہو بالکل یا درکھنے والی ــــــ واقعی بڑی ذہین ہو۔ قیامت کی سمجھدار نکلیں تم تو ــــــ پھر بتاؤ کیا فیصلہ کیا تم نے؟"

کامنی: "یہ کہ تم بیوقوف ہو۔"

جسونت: "کیا کہا، میں بیوقوف ہوں؟"

کامنی: "ہاں بہت زیادہ۔"

جسونت: "کیا محبت کرنا بیوقوفی ہے؟"

کامنی: "ہاں ــــــ کم از کم مجھ سے محبت کرنا تو بیوقوفی ہی ہے"

جسونت: "اس لئے کہ تم مل نہیں سکتیں؟"

کامنی :- ہاں اسی لئے ۔

جسونت :- لیکن میں طے کر چکا ہوں کہ ہر قیمت پر تمہیں حاصل کر کے رہوں گا ۔

کامنی :- اور میں طے کر چکی ہوں کہ کسی قیمت پر کسی کے ہاتھ نہیں آؤں گی ۔

جسونت :- کیوں ؟ اس فیصلہ کی وجہ ؟ اس کا سبب ؟

کامنی :- واقعی تم بہت زیادہ بیوقوف ہو ۔ اپنے بھائی کلونت کے مقابلہ میں بہت معمولی درجے کے آدمی ہو ۔ وہ تم سے زیادہ صورت شکل کا اچھا تھا تم سے زیادہ بہادر تھا تم سے کہیں زیادہ سرکار دربار میں اس کی پوچھ تھی ۔ جب میں نے اسے ٹھکرا دیا اور بات تک کہنے کی روادار نہ ہوئی تو تم کیا ہو ؟ ——— کیا پدّی کیا پدّی کا شوربہ ۔ عقل کے ناخن لو ، جہاں سے آئے ہو ٹھنڈے ٹھنڈے وہیں واپس چلے جاؤ ۔

جسونت :- یہ نہ بھولو کہ میں ایک مرد ہوں اور تم ایک عورت ۔ مرد شہ زور ہوتا ہے اور عورت کمزور ۔ مرد اپنی بات منوا لیتا ہے ۔ اور عورت کو اس کی بات ماننا پڑتی ہے ۔

کامنی :- گویا تم مجھے دھمکی دے رہے ہو ؟

جسونت :- اگر سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکلتا تو ٹیڑھی انگلیوں سے نکالنا پڑتا ہے ——— تم غلط نہیں سمجھیں ۔

کامنی :- بے شک میں غلط نہیں سمجھی ، لیکن تم بالکل غلط سمجھ رہے ہو ——— بے شک جب تم اس کمرہ میں آئے تھے تو میں ڈر گئی تھی ۔ لیکن جب تم نے چراغ گل کیا اور دروازہ بند کیا ، تو میرا ڈر نکل گیا ۔

جسونت :- یہ کیسی الٹی بات کہہ رہی ہو تم ؟

کامنی :- ہاں ——— اس وقت تک میں موت سے ڈرتی تھی ۔ پھر یہ ڈر میرے دل سے نکل گیا ۔ اور میں نے جان پر کھیل جانے کا فیصلہ کر لیا ——— دیکھو یہ میرے پاس کٹار ہے اور یہ دیکھو میری انگوٹھی میں ہیرے کا نگ بھی ہے ۔ ان دونوں چیزوں میں

کوئی چیز بھی آناً فاناً میرا خاتمہ کر سکتی ہے ۔ پھر اطمینان سے تم میری لاش کو اپنی طاقت سے ڈراتے رہنا !"

یہ باتیں کامنی نے کچھ ایسی بے باکی سے کہیں کہ واقعی جسونت گھبرا گیا ۔ چند لمحوں تک وہ ساکت و صامت بیٹھا رہا ، بالکل گم سم ۔ پھر اس نے مری ہوئی آواز میں اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا : " تو یہ بات ہے ؟ "

کامنی :- اور تم کیا سمجھ رہے تھے ؟ ——— کیا تمہارا خیال تھا کہ میں موم کی ناک ہوں ، جدھر موڑ دو گے مڑ جاؤں گی ۔

جسونت :- نہیں ، میں تمہیں پتھر سمجھ کر آیا تھا ۔ اور پتھر ہی پا کر واپس جا رہا ہوں ——— میں نے سوچا تھا تم وہ پتھر ہو جس کا بت بنا کر پوجتے ہیں ۔ لیکن اب معلوم ہوا وہ نہیں تم وہ پتھر ہو ، جس سے سر پھوڑا جاتا ہے ۔ میں تمہیں پوجنے آیا تھا ، سر پھوڑنے نہیں ۔ لیکن ایک بات تو بتاؤ ۔"

کامنی :- پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو ؟"

جسونت :- اس وقت اگر میرے بجائے شیام آتا تو اسے کیا جواب دیتیں ؟ ——— کیا اسے بھی میری ہی طرح واپس جانا پڑتا ؟"

کامنی :- شیام کو بھی جانتے ہو تم ؟ ——— کب سے ؟"

جسونت :- جب سے وہ تمہیں جانتا ہے ——— لیکن یہ تو غیر متعلق باتیں شروع ہو گئیں ، میرے سوال کا جواب دو ؟"

کامنی :- وہ بہت شریف انسان ہے ، وہ یہاں کسی طرح نہیں آ سکتا ، اگر تم بھی اسے لانا چاہتے تو وہ انکار کر دیتا ۔"

جسونت :- ذرا دیر کے لئے مان لو ، اگر وہ آ جاتا تو ؟"

کامنی :- تو وہ شیام نہ ہوتا جسونت ہوتا ، اور جسونت کو میں نے جو جواب دیا ہے ، وہ ابھی تم

سُن چکے ہو:

جسونت: ہوں — تو مطلب یہ کہ میں واپس چلا جاؤں — چلا جاؤں کیوں ؟"

کامنی: "جو کام کرنا ہی ہے اُسے جلد کر ڈالو، اسی میں بہتری ہے تمہارے لئے۔"

جسونت: "اچھی بات، جاتا ہوں۔"

جسونت اُٹھ کھڑا ہوا، اُس نے پھر سے چراغ جلایا اور بڑی احتیاط سے دروازہ کھولا۔ ایک قدم باہر نکالا، لیکن جاتے جاتے پھر لوٹ آیا، اُس نے کہا: "ان باتوں میں وہ بات تو یاد ہی نہیں رہی جو خاص طور پر تم سے کہنی تھی۔"

کامنی: "وہ کونسی بات؟ کہہ ڈالو اسے بھی۔"

جسونت: "سُن سکو گی؟"

کامنی: "ہاں میرے کلیجہ میں ہمت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔"

جسونت: "تو سنو — لیکن سننے سے پہلے دونوں ہاتھوں سے خوب مضبوط اپنا ہمت سے بھرا ہوا کلیجہ تھام لو۔"

اِن الفاظ نے کامنی کو حواس باختہ کر دیا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا، طرح طرح کے وسوسے اور خیالات آنے لگے — "نجانے یہ کون سی خبر بد سنانے آیا ہے؟" پھر اُس نے اپنے حواس مجتمع کئے، اپنے آپ کو سنبھالا اور حوصلہ کے ساتھ کہا: "چپ کیوں ہو گئے؟ کہتے کیوں نہیں؟"

جسونت: "(مسکراتے ہوئے) کچھ نہیں بہت معمولی سی بات ہے — آج ایک عجیب واقعہ ہوا۔ امر سنگھ نے جیل میں زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ امر سنگھ کی بیوی نے جوشِ دیوانگی میں کپڑوں میں آگ لگا لی اور جل کر مر گئی اور امر سنگھ کا بیٹا جیون مہاراجہ جے پال کے حکم سے گرفتار کر کے کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا ہے۔ غالباً اس کے لئے سولی کا حکم ہوگا، کیونکہ اس پر بھی جاسوسی اور غداری کا الزام ہے!"

پھر جسونت نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور چلا گیا۔

کامنی نے یہ سنا اور بیہوش ہو کر اپنے بستر پر گر گئی!

(۱۲)

محمود کے فتوحات کا سیلاب

امیر ناصر الدین سبکتگین کا انتقال ہو گیا!

انتقال کے وقت محمود باپ کے پاس نہیں، نیشاپور میں تھا۔ چھوٹا بھائی اسمٰعیل موجود تھا، لہٰذا وہی تختِ حکومت پر متمکن ہو گیا۔

محمود ہر اعتبار سے تختِ حکومت کا مستحق تھا۔ وہ اپنی اس محرومی کو برداشت نہ کر سکا۔ پہلے تو اس نے بھائی کو ایک محبت بھرا خط لکھا کہ اپنی خودسری سے باز آ جائے۔ اس بارِ گراں کو اپنے دوشِ ناتواں پر نہ اُٹھائے جس کے اُٹھانے کی سکت نہیں رکھتا، اپنی طرف سے چند علاقے بھی دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن بھائی پر حکومت کا نشہ چڑھ چکا تھا۔ اس نے اس پندشِ سودمند کو قبول نہ کیا اور لڑنے پر تیار ہو گیا۔ محمود نے بھی مقابلے کا فیصلہ کر لیا۔ دونوں بھائیوں کی فوجیں آمنے سامنے صف آرا ہو گئیں، لیکن محمود کو دیکھ کر اسمٰعیل کی فوج ہمت ہار بیٹھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمود بڑی آسانی سے باپ کے تخت پر قابض ہو گیا۔ تختِ حکومت پر قابض ہونے کے بعد اُس نے بھائی پر کوئی سختی نہیں کی، نہ سرکشی کی سزا دی۔ بلکہ بڑا اچھا برتاؤ کیا۔ اور راحت و آسائش کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا سامان مہیا کر دیا۔[1]

---

[1] یہ واقعات فارسی، عربی اور انگریزی کی تمام متداول کتابوں میں بالاتفاق موجود ہیں۔ تمام مورخین نے ان واقعات کو تسلیم کیا ہے۔

محمود نے قبائے شہریاری پہن لی اور سر پر تاج خسروی بھی رکھ لیا۔ لیکن درحقیقت یہ کانٹوں بھرا تاج تھا!

محمود کوئی خاندانی اور پشتینی بادشاہ نہیں تھا کہ میراث میں خزانۂ عامرہ اور ٹڈی دل لشکر کے ساتھ اسے جھکی ہوئی گردنیں بھی ملتیں۔ تخت پر بیٹھتے ہی اسے مشکلات و موانع کے ایک طوفانِ عظیم سے مقابلہ کرنا پڑا۔ دوستوں اور دشمنوں کی یلغار سے سابقہ پڑا۔ بغاوتوں اور سازشوں نے راستے میں کانٹے بچھائے۔ لڑائیوں اور معرکہ آرائیوں نے اس کی حوصلہ مندیوں کو زیر کرنا چاہا، لیکن ان میں سے وہ کسی چیز کو بھی خاطر میں نہیں لایا۔ وہ اگرچہ ابھی بالکل نوجوان تھا۔ فرماں روائی اور جہاں داری کا کوئی خاص تجربہ بھی نہیں تھا۔ لیکن بڑی اولوالعزمی کے ساتھ ان میں سے ایک ایک بغاوت، سازش اور جنگ سے وہ عہدہ برآ ہوتا رہا۔ نہ وہ ہار ماننا جانتا تھا، نہ پیچھے ہٹنا۔ وہ ہر بغاوت اور ہر جنگ کے استیصال کے لئے اس استقلال اور جوش و خروش کے ساتھ معرکہ آرائی کے سامان مہیا کرتا تھا۔ گویا زندگی کا یہ پہلا اور آخری کارنامہ ہے۔ وہ کبھی ہراساں نہیں ہوا، کبھی مایوس نہیں ہوا۔ امنگ اور ترنگ سے اس کا سینہ ہمیشہ معمور رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باپ کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ بعد باغیوں نے سرِ اطاعت خم کر دیا، سازش کرنے والے روپوش ہو گئے، جنگ آزماؤں نے توبہ کر لی اور اطراف و اکناف میں محمود کی صولت و سطوت کی دھاک بیٹھ گئی۔ وہ بڑے دبدبے کے ساتھ پشاور، بلخ، خراسان، سیستان، ہرات اور ماوراء النہر وغیرہ پر حکومت کرنے لگا۔ غزنی تو اس کا پایۂ تخت تھا ہی۔ ہر طرف اب محمود ہی کا ڈنکا بج رہا تھا!

محمود کی خواہش تھی کہ وہ ایلک خاں ——— جو وقت کا بہت بڑا فاتح اور کمانڈر تھا ——— کی لڑکی سے شادی کرلے۔ ان دونوں میں تعلقات بھی بہت اچھے تھے۔ چنانچہ محمود نے ابوالطیب سہل بن سلیمان صعلوکی کو جو اپنے وقت کے مشہور محدث تھے، قاصد بنا کر ایلک خاں کے پاس بھیجا اور حد شمار سے زیادہ قیمتی اور نفیس یاقوت و لعل اور مروارید اور موتیوں

کی لڑیاں اور عنبر کے ڈبے اور اشرفیوں کے توڑے اور خوشبودار کافوری تختیاں اور ہندوستان کے تبرکات اور عود کے درخت، ہندی تلواریں، کوہ پیکر ہاتھی، زریں اور چمک دار جھول، اور زیورات، جن کے دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں، تیز رفتار اور عدیم المثال گھوڑے، بیش قیمت ساز و یراق سے لدے پھندے بطور تحفہ کے ابوالطیب کے ہمراہ روانہ کئے۔ امام ابوالطیب ترکستان پہنچے۔ ایلک خاں کے حکم سے ترکوں نے ان کی بے حد تعظیم و تکریم کی۔ وہ اُس وقت تک وہیں مقیم رہے جب تک پیام بری کا کام اچھی طرح انجام نہ دے لیا۔ پھر وہ ایلک خاں کے دیئے ہوئے نفیس اور نادر الوجود تحفے، خالص سونا اور چین کے خوبرو لونڈی اور غلام، قاقم و سمور اور طرح طرح کے نفائس ہمراہ لے کر سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس خدمت گزاری کے صلہ میں طرح طرح کے شاہی انعامات سے سرفراز ہوئے۔[1]

یہ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ کئی روز تک غزنی میں چراغاں اور جشن کی کیفیت طاری رہی۔

محمود نے داخلی مشکلات رفع کرنے اور فتوحاتِ پیہم کے ذریعے اپنی حکومت مستحکم کرنے کے بعد قرامطہ یعنی فرقۂ باطنیہ کے استیصال کی طرف توجہ کی۔ یہ لوگ اپنے سوا سب کو کافر مطلق سمجھتے تھے۔ انہوں نے "فدائی" جماعت بنا رکھی تھی، جس نے اسلام کی بڑی بڑی ہستیوں ——— علما، صوفیا، صلحا، امرا، سلاطین ——— کو بے دریغ قتل کیا۔ محمود کے جذبۂ دینی نے ان لوگوں کی ترکتازیوں کا قلع قمع کرنا ضروری سمجھا۔ چونکہ وہ ——— ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ اس نے باطنیوں کا جنہوں نے مسلمانوں پر بڑی آفت ڈھا رکھی تھی، زور توڑنے کی کوشش کی۔ چنانچہ رے اور نواحِ رے کے بہت سے باطنیوں کو اس نے قتل کیا۔ اکثر کو پکڑ کر خراسان بھجوا دیا۔ سندھ اور ملتان میں بھی اس نے باطنیوں کا استیصال کیا۔[2]

---

[1] تاریخ فرشتہ ۶۹-۷۰۔

[2] تاریخ اسلام، بحوالہ زین الاخبار گردیزی ۶۳۔

محمود اگرچہ ایک بڑی حکومت کا فرمانروا بن چکا تھا، اس کے فتوحات نے ساری دنیا میں دھوم مچا رکھی تھی لیکن اب تک اس کی حکومت تسلیم شدہ نہیں تھی۔ بات یہ تھی کہ ——— خلافتِ بغداد کی دینی مرکزیت برقرار تھی، عباسی خلفا کی تصدیق اور اجازت نامہ کے بغیر کوئی نئی حکومت باقاعدہ تسلیم نہیں کی جاتی تھی اس لئے مشرق کی نومولود حکومتوں کے حکمران خواہ بطیب خاطر خواہ سیاسی مصلحت کی بنا پر خلافت بغداد کی سیادت ماننے اور اس سے تعلق قائم رکھنے پر مجبور تھے۔ ایران خراسان پر قبضہ کرنے اور اسمٰعیل کو شکست دینے کے بعد ۳۸۹ھ میں محمود نے بھی خلیفۂ بغداد قادر باللہ سے خراسان اور دوسرے مقبوضات کے صداقت نامہ اور فرمانِ حکومت کی درخواست کی۔ اس کی درخواست پر قادر باللہ نے اُسے لوار (جھنڈا) خلعت اور یمین الدولہ امین الملت والامیر المومنین کا لقب عطا کیا[1] ——— یہ خلعت اتنا بیش قیمت تھا کہ اس سے پہلے کسی خلیفہ نے کسی بادشاہ کو نہ بھیجا تھا ———

محمود کے ان فتوحات نے اگرچہ اس کی شہرت چاردانگ عالم میں پہنچا دی تھی۔ لیکن وہ خود ملول اور افسردہ خاطر رہتا تھا۔ اس لئے کہ وہ ——— خوش شکل اور خوبرو نہ تھا۔ ایک روز اس نے اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھا، بہت رنجیدہ اور متفکر ہوا۔ اس نے اسی عالم میں اپنے وزیر باتدبیر سے کہا، مشہور ہے کہ بادشاہوں کی صورت دیکھ کر انسان کی آنکھوں میں روشنی آتی ہے۔ ایک میری صورت ہے کہ جسے دیکھ کر شاید دیکھنے والوں کو تکلیف ہی پہنچتی ہوگی؟ وزیر نے کہا، آپ کی صورت تو شاید ہزاروں میں کوئی ایک آدھ دیکھتا ہو۔ لیکن سیرت سے سبھوں کو واسطہ پڑتا ہے۔ لہٰذا محمود سیرت اختیار کیجیے، اور اس پر مستقل اور قائم رہئے۔ خود بخود لوگوں میں مراجعت اور مقبولیت حاصل ہو جائے گی۔ محمود کو وزیر کی یہ بات بہت پسند آئی اور اس کے کہنے کے مطابق پسندیدہ سیرت اس حد تک اختیار کی کہ تمام بادشاہوں سے زیادہ ہر دلعزیز اور محبوب ہو گیا[2] ———

اس کے کارناموں پر اس کی قوم کو فخر تھا۔ اس کا ہر معرکہ اس کی محبوبیت اور مقبولیت میں اور اضافہ کر دیتا تھا!

---

[1] تاریخ اسلام ۲۴۳ [2] تاریخ فرشتہ ۲۹ [3] تاریخ فرشتہ ۲۹

(۱۳)

جے پال کی تیاریاں

کلونت کی جگہ جسونت کو مل گئی تھی ——— لیکن جسونت یہ منصب بلند پاکر بھی کچھ زیادہ خوش نہیں تھا! کامنی کے بغیر یہ زندگی، زندگی نہیں تھی، اور کامنی اس کی دسترس سے بہت دور نکل چکی تھی ——— نہ معلوم کہاں؟ ایک روز جب وہ سوکر اُٹھا۔ تو خدام نے اطلاع دی۔ کامنی لاپتہ ہے! یہ سُن کر پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ کونہ کونہ چھان مارا، کنوؤں میں بانس ڈلوا دیئے لیکن کامنی نہ ملنا تھی نہ ملی۔ کچھ پتہ نہیں چلتا تھا، وہ کیا ہوئی؟ زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا؟ کامنی کے روپوش ہو جانے کا غم جسونت پر بڑی طرح مسلط تھا۔ یہ ایسا غم تھا جس کا دوسروں کے سامنے کھل کر وہ اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا!

آج جے پال بہت خوش تھا۔ اس کا بیٹا نند پال بھی دربار خاص میں موجود تھا۔ بائیں طرف جسونت متمکن تھا۔ نند پال کے چہرہ پر اُمنگ اور ترنگ برس رہی تھی، اور جسونت اضطراب و فکر کی تصویر بنا ہوا تھا۔ لیکن جے پال بہت خوش تھا، اتنا زیادہ کہ نہ اس نے جسونت کی کیفیت بھانپی، نہ نند پال کا جائزہ لیا۔ اس نے جسونت کو مخاطب کیا۔ "جسونت سنگھ!"

جسونت: "اَن داتا!"

جے پال: "ہمیں اطلاع ملی ہے ہمارے پرانے دوست سبکتگین کا انتقال ہو گیا۔"

جسونت: "مجھے بھی معلوم ہے اَن داتا!"

جے پال: (ہنس کر) ہمارے مخبروں نے یہ خبر بھی دی ہے کہ محمود اندرونی اور داخلی شورشوں میں مبتلا ہے۔ اس کے خلاف بغاوتیں ہو رہی ہیں، سازشیں کی جا رہی ہیں، غرض ایک افراتفری کا عالم ہے۔"

جسونت: "یہ بھی سچ ہے اَن داتا!"

نندپال: "تو اس سے بڑھ کر غزنی پر حملہ کرنے کے لئے کوئی اور وقت موزوں نہیں ہو سکتا۔"

جے پال: "واقعی تو میرا سچا بیٹا ہے۔ تُو نے میرے دل کی بات کہی۔ یہی میں بھی سوچ رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے یہ بات تُو نے نہیں کہی، دیوتاؤں کے بول تیرے منہ سے نکلے ہیں — بے شک اس سے اچھا موقع کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ اگر اس موقع سے ہم نے فائدہ نہ اُٹھایا تو پھر کچھ نہ کر سکیں گے۔ یہ موقع قسمت نے ہمیں مہیا کیا ہے ——— کہو، جسونت! تمہاری کیا رائے ہے؟"

جسونت: "لڑائی چھیڑنے کا اس سے اچھا کوئی اور وقت نہیں مل سکتا۔ اسے ہرگز ضائع نہیں کرنا چاہئے۔"

جے پال: "تو پھر تیاری شروع کر دو۔ سبکتگین ایک بادشاہ تھا۔ کارآزمودہ، جہاں دیدہ، سرد و گرم چشیدہ، کڑیاں جھیلا ہوا، مصیبتیں اُٹھائے ہوا، تجربہ کار، عمر رسیدہ ———"

جسونت: "اور محمود؟"

جے پال: "وہ ابھی کل کا لونڈا ہے، وہ کیا جانے جنگ کیا ہوتی ہے۔ اور معرکے کس طرح سر کئے جاتے ہیں۔ مصاحبوں اور خوشامدیوں نے اُسے آسمان پر چڑھا رکھا ہوگا لیکن وہ کیا ہے ہم جانتے ہیں ——— کچھ نہیں ——— ہیچ!"

نندپال: "اور پھر اُسے یہ بھی نہیں معلوم کہ ہم کیا کرنے والے ہیں، وہ اپنے وطن کے مسائل میں اُلجھا ہوگا کہ بجلی بن کر ہم پہنچیں گے اور ———"

جے پال: "اور اُس کے سر پر گریں گے۔ اسے اور اس کی حکومت کو ستیاناس کر کے رکھ دیں گے ——— جسونت! ———"

جسونت: "اَن داتا!"

جے پال: "اب انتظار بے کار ہے۔ وقت بہت قیمتی ہے۔ ہمیں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہئے!"

جسونت: "اَن داتا! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ واقعی یہ موقع غنیمت ہے۔ اسے ہاتھ سے کھو دینا ہماری بہت بھاری غلطی ہوگی۔ مگر ———!"

جے پال: "اگر مگر کیا؟ ——— کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

جسونت: "میں یہ نہیں سمجھا کہ انتظار کس چیز کا نہیں ہو سکتا؟ آپ کس کا انتظار کر رہے تھے؟"

جے پال: "چھوڑو ——— تھی میری ایک حماقت۔"

نندپال: "شاید آپ کی مراد مہاراجگان دہلی، اجمیر، کالنجر اور قنوج وغیرہ سے ہے۔"

جے پال: "ہاں ——— تم ٹھیک سمجھے۔ لیکن یہ لوگ نہ جانے کب آئیں۔ میں ان کے انتظار میں اپنی منزل کیوں کھوٹی کروں؟ اپنی فتح کے ثمرات میں خواہ مخواہ انہیں شریک کرنا حماقت ہے!"

جسونت: "بے شک۔"

جے پال: "اور حالت یہ ہے کہ یہ لوگ اگر آتے بھی ہیں تو گویا مجھ پر احسان کرتے ہیں۔"

نندپال: "ہاں دیکھ لیجئے مہاراجہ قنوج کو۔"

جے پال: "اور کیا ——— کم ظرف اور بدباطن کہیں کا۔ نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے؟"

جسونت: "کیا ہوا اَن داتا؟ ——— مہاراجہ قنوج نے کیا کیا؟"

جے پال: "معذرت کا خط لکھا ہے کہ اس مرتبہ تشریف لانے سے معذور ہیں ——— ہونہہ! وہ نہیں آئیں گے تو گویا ہم ہار جائیں گے۔"

نندپال: "پچھلی مرتبہ آئے تھے تو کیا کر لیا تھا؟"

جسونت: "ویر تو کہتے، کیا کر لیا تھا؟ انہوں نے تو بہت بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔"

جے پال: "کون سا کارنامہ؟ ذرا میں بھی تو سنوں!"

جسونت: "میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ گھوڑے سے زیادہ تیز بھاگ رہے تھے!"

جے پال ہنسنے لگے: "ایسے بھگوڑوں کی ہمیں ضرورت نہیں۔ ایسے ساتھیوں کی ضرورت ہے جو کسی حالت میں بھی میدانِ جنگ سے منہ نہ پھیریں۔ جو پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جم جائیں۔ جو ——"

جسونت: "ایسا ہی ہوگا ان داتا! —— ہم اپنے ساتھ کسی ایسے آدمی کو نہیں لے جائیں گے جو بزدل ہو، جو دشمن کا زور دیکھ کر پیٹھ دکھا سکتا ہو۔"

جے پال: "ٹھیک ہے —— تمہیں ہر طرح کا اختیار ہے۔ جس طرح کے لوگ چاہو منتخب کرو لیکن جلد۔"

نندپال: "قبل اس کے کہ مہاراجگانِ ہند میں سے کوئی یہاں پہنچے۔ ہمیں فتح حاصل کر کے واپس آ جانا چاہیے۔"

جے پال: "یہی میں بھی چاہتا ہوں۔ اب ایک ایک پل ایک ایک برس کے برابر ہو رہا ہے۔ جسونت! —— ہماری فوجیں یہاں سے کب تک روانہ ہو سکیں گی؟"

جسونت: "بہت جلد ان داتا!"

جے پال: "بہت جلد تو کوئی بات نہ ہوئی۔ دن مقرر کرو کس دن ہم یہاں سے کوچ کریں گے؟"

جسونت: "پندرہ دن کے بعد؟"

نندپال: "پندرہ دن بہت ہوئے۔ ہماری فوج تو ہر وقت کیل کانٹے سے لیس رہتی ہے۔ آخر تمہیں کرنا کیا ہے جاتنے دن مانگ رہے ہو —— میرے خیال میں اگر ہم چاہیں تو کل ہی روانہ ہو سکتے ہیں۔"

جسونت: "ہو سکتے ہیں لیکن جتنی زیادہ تیاری کر کے جائیں اتنا ہی اچھا ہے۔ دشمن بھی آخر کوئی تر نوالہ نہیں ہے۔ مقابلہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ اور وہ بھی ایک غیر ملک میں۔ دشمن کی سرزمین پر۔"

جے پال: "ہاں تم ٹھیک کہتے ہو، پھر بھی پندرہ دن بہت ہوتے ہیں۔ ایک ہفتہ بہت ہے۔"

جسونت: "ایک ہفتہ کے اندر مہاراج کی فوجیں یہاں سے روانہ ہو جائیں گی۔"

نندپال: "لیکن مہاراج کے جانے کے بعد یہاں کا انتظام کس کے سپرد ہوگا؟"

جے پال: "نندپال یہاں کا انتظام کرے گا —— میرا بیٹا، میرا ولی عہد!"

اس سرفرازی پر آنندپال خوش ہو گیا، وہ چاہتا تھا، جسونت اور جے پال اپنا لاؤ لشکر لے کر ابھی لاہور سے روانہ ہو جائیں؛ اور پھر کبھی نہ واپس آئیں؛

---

(۱۴)

محمود کا غصّہ

سبکتگین پر دو مرتبہ جے پال نے چڑھائی کی۔ ہر مرتبہ ہارا۔ لیکن ہر شکست کے بعد اس کا تاج سلطنت واپس کر دیا گیا۔ اس کا اعزاز و وقار بحال رکھا گیا۔ اسے کوئی سزا نہیں دی گئی کہ اس کے اور دوسروں کے لئے باعث عبرت ہوتی۔ آخری شکست کے بعد جے پال نے سبکتگین کی اطاعت قبول کر لی تھی، اور خراج کی پابندی بھی اپنے اوپر عائد کر لی تھی[1] لیکن جب سبکتگین کا انتقال ہوا اور جے پال کو یہ معلوم ہوا کہ نوعمر محمود اندرونی شورشوں اور بغاوتوں کے دبانے اور ان سے نپٹنے میں مصروف ہے تو اس نے ایک طرف تو خراج ادا کرنے کا سلسلہ یک لخت بند کر دیا، دوسری طرف جنگی تیاریاں کرنے لگا۔ اسے بڑی آرزو تھی۔ کہ کسی طرح غزنی پہنچ جانے یہی آرزو اسے بار بار اکساتی رہتی تھی۔ اور وہ جب موقع ملتا۔ دوسرے راجگان ہند کی پشت پناہی اور امداد سے پیش قدمی اور یلغار کا سلسلہ شروع کر دیتا تھا۔

محمود کو جب اندرونی شورشوں اور بغاوتوں سے نجات ملی تو اس نے ہندوستان کے حالات پر توجہ کی۔ اسے معلوم ہوا کہ جے پال نے سبکتگین کی وفات کے بعد سے خراج دینا بالکل بند کر دیا ہے۔ یہ سن کر وہ بہت برہم ہوا۔ اس نے اپنے افسروں اور سپہ سالاروں کو بلایا اور کہا ——— "آپ سب کو معلوم ہو گا کہ جے پال نے پھر شرارت پر کمر باندھی ہے۔ اس نے والد مرحوم کے انتقال کی خبر سنتے ہی خراج دینا بند کر دیا ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ حسب عادت

[1] تاریخ فرشتہ

غزنی پر حملہ کرنے کی تیاریاں بھی کر رہا ہو!"

ایک سردار نے کہا: "اگر ایسا ہوا تو پھر وہ یہاں سے واپس نہ جا سکے گا!"

محمود کا غصہ اب تک قائم تھا۔ اس نے درشت لب و لہجہ میں کہا ——— "لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اسے یہاں تک آنے کیوں دیں؟ اس کا موقع کیوں دیں کہ وہ یہاں آئے۔ تباہیاں پھیلائے ——— ہماری رعایا کو ستائے، اور پھر شکست کھا کر واپس جائے ہم وہیں پہنچ کر اسے کیوں نہ روک لیں؟"

ایک اور سردار اٹھا۔ اور اس نے کہا: "سلطان، عالم پناہ کی رائے بہت مناسب ہے، جس طرح ہمیشہ ہوتا ہے۔ ویسا ہی اب بھی ہونا چاہئے ——— ہمیں خود آگے بڑھ کر دشمن کی سرکوبی کرنا چاہیے!"

سلطان نے اپنے وفادار اور جاں نثار غلام ایاز کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا ———

"سلطان عالم پناہ! اس غلام کی رائے بھی یہی ہے!"

محمود: "یعنی یہ کہ ہم یہاں سے اپنا لشکر لے کر آگے بڑھیں اور دشمن کا اسی کی سرزمین پر مقابلہ کریں؟"

ایاز: "عالم پناہ! غلام کے نزدیک یہی مناسب صورت ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں، فرض کیجئے ہمارا اندیشہ غلط ہے، وہ غزنی کی طرف آنے کی جسارت نہیں کرتا، لیکن اس کا یہ جرم کونسا کم ہے کہ اس نے خراج دینا بند کر دیا؟ صرف یہی جرم اتنا شدید ہے کہ اس کی سرکوبی ضروری اور لازمی ہو گئی ہے!"

ایاز کے اس جواب سے محمود خوش ہو گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا: "تمہاری رائے ہمیں بہت پسند آئی۔"

پھر اس نے حاضرین پر ایک نظر ڈالی اور کہا: "کیوں حضرات آپ کیا کہتے ہیں؟"

محمود کا رجحان طبع معلوم ہو چکا تھا۔ اب کس میں ہمت تھی۔ کہ اختلاف کی جرأت کرتا۔ سب جانتے تھے، محمود خطرات و مشکلات کو خاطر میں نہیں لاتا، جو کچھ طے کر لیتا ہے، اس پر عمل کر کے

ہ پال کی سرکشی نے اسے برہم کر دیا ہے اب وہ اس وقت تک چین نہیں لے گا۔ تب تک
ے قرار واقعی سزا نہ دے لے۔ حاضرینِ مجلس نے جوش و خروش کے ساتھ کہا ـــــــ "صرف
ارۂ سلطانی کی دیر ہے۔ حکم ملتے ہی ہم جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں گے!"

محمود نے کہا: تیاریاں شروع کر دیں گے یعنی یہاں سے مہینہ دو مہینہ کے بعد چلیں گے؟
ـــــــ نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم نے جب ایک ارادہ کر لیا، تو اسے فوراً پورا ہونا چاہیے۔
کل اور پرسوں کے کیا معنی؟"

پھر اس نے ایاز کی طرف دیکھا اور کہا: لشکر میں اعلان کر دو، کل نماز جمعہ کے بعد ہماری
فوجیں یہاں سے پشاور کی طرف روانہ ہو جائیں گی۔"

ایاز نے بڑے ادب کے ساتھ کہا: "ارشادِ ہمایونی کی تعمیل ہو گی۔"

محمود نے پھر کسی سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ حرم شاہی میں چلا گیا۔ چہرے پر تفکر نمایاں تھا
محمود کی فوجیں ہر وقت چوکس رہتی تھیں۔ داخلی شورشوں نے انہیں یہ بات سکھا
دی تھی کہ آرام سپاہی کے لئے پیامِ موت ہے۔ اس کی زندگی اور سربلندی کا راز صرف یہ ہے
کہ وہ آرام کرنے اور سستانے کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔ وہ ہر وقت دشمن پر حملہ کرنے اور
اس سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار اور آمادہ رہے۔ اگر محمود کے سپاہیوں میں یہ پھرتی اور
چوکسی نہ ہوتی تو ہر معرکہ میں کامیابی ان کے قدم کے ساتھ ساتھ نہ چلتی۔ ان کا بھی وہی حشر ہوتا
جو جے پال کی فوجوں کا ہو رہا تھا!

---

(۱۵)

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ـــــــ شوال ۳۹۱ھ میں محمود کا لشکر نواحِ پشاور میں داخل ہو گیا۔[۱] یہاں
پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ جے پال غزنی کی طرف بڑھنے کے لئے پہلے ہی سے اپنا لاؤ لشکر لئے
موجود ہے ـــــــ جے پال کے ساتھ بارہ ہزار سوار اور تیس ہزار پیادے موجود تھے۔
علاوہ ازیں تین سو ہاتھیوں کا ایک لشکرِ جرار بھی موجود تھا[۲] ـــــــ محمود کے سواروں کی تعداد
دس ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔

محمود نے جے پال کی فوج پر ایک نظر ڈالنے کے بعد ایاز سے کہا: "دیکھا تم نے؟ ـــــــ
ہم نہ کہتے تھے جے پال کی سرکشی خالی از علت نہیں ہو سکتی۔ وہ ضرور غزنی پر حملہ کا پروگرام
بنا رہا ہوگا۔"

ایاز نے عرض کیا: "سلطان عالم پناہ کی روشن ضمیری سے کون انکار کر سکتا ہے۔ سلطان
کی فراست مشکلات کو رفع کرتی اور دشواریوں پر غالب آتی ہے۔ اس موقع پر بھی سلطان کی
بصیرت اور فراستِ ایمانی کام آئی۔ اگر ہم غزنی سے آگے نہ بڑھتے، تو کوئی شبہ نہیں جے پال
کی یلغار کا روکنا مشکل ہو جاتا!"

محمود: "لیکن اب بھی تو مشکل ہے۔ دیکھتے نہیں ہو اس کی فوج ہماری فوج کے مقابلے میں کتنی زیادہ ہے؟"

۱؎ تاریخ فرشتہ ۵۸
۲؎ تاریخ فرشتہ

ایاز: "سلطان عالم پناہ کے غلام دشمن کی کثرت سے کبھی مرعوب نہیں ہوتے۔ اس سے پہلے بھی جے پال کی فوجیں ہماری فوجوں سے تعداد میں ہمیشہ کئی گنا زیادہ رہیں۔ لیکن کثرت تعداد کے باوجود ان کا جو انجام ہوا وہ کسے معلوم نہیں؟"

عین اس وقت جب جے پال نشۂ کامرانی میں مست پشاور کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اُسے جسونت نے خبر دی محمود غزنوی اپنا لشکر لے کر آ چکا ہے۔

یہ سن کر جے پال کا سارا نشہ کافور ہو گیا۔ اُس نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا:

"کیا کہا، محمود آ گیا؟ ——— کس نے کہا تم سے؟ ——— نہیں میں یقین نہیں کرتا۔ ایسی افواہوں پر ضرور تمہیں کسی نے بیوقوف بنایا ہے۔ محمود اپنی مشکلوں میں پھنسا ہوا ہے۔ یہاں کیسے آ سکتا ہے؟ ——— جاؤ تحقیق کر کے آؤ!"

جسونت: "اَن داتا! میں وہیں سے آ رہا ہوں۔"

جے پال: "وہیں سے آ رہے ہو؟"

جسونت: "اَن داتا!"

جے پال: "تو تم نے کیا دیکھا؟"

جسونت: "محمود اپنی فوجوں کے ساتھ پشاور میں داخل ہو گیا ہے۔"

جے پال: "تم خود دیکھ کر آئے ہو؟"

جسونت: "اَن داتا!" اور پھر اُس نے جے پال کو تسلی دیتے ہوئے کہا: "ہم لڑائی کے لئے پورے طور سے تیار ہیں۔ ہمارے پاس بہت بڑا لشکر ہے۔ محمود کے لشکر سے بہت بڑا۔ ہمارے پاس ساز و سامانِ جنگ بھی بہت زیادہ ہے اور سب سے بڑھ کر ———"

جسونت کچھ سوچنے لگا۔ ذرا کی ذرا رکا۔ پھر کہا: "ہمارے پاس تین سو ہاتھیوں کا ایک لشکرِ جرار ہے جو محمود کے سپاہیوں کو کچل دے گا۔ محمود کے تصورات بلند کو پامال کر دے گا۔ اس

کے جذبے ارادے اور ہمت کو مسل کر رکھ دے گا۔ اگر اس معرکہ کے بعد محمود زندہ بھی رہا تو اس لئے زندہ رہے گا کہ اپنی بقیہ زندگی یاس و حسرت کے عالم میں گزارے۔ اس لئے نہیں کہ تختِ حکومت پر بیٹھے اور بادشاہت کرے۔ اس مرتبہ اسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔"

جے پال: "ہم یہی چاہتے ہیں۔"

جسونت: "یہی ہو گا اَن داتا۔"

جے پال: "لیکن ایک بات تو بتاؤ جسونت؟"

جسونت: "اَن داتا! وہ کونسی بات ہے جو آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

جے پال: "محمود کے پاس کتنی فوج ہے؟"

جسونت: "بہت کم ——— بس یوں سمجھ لیجئے آدھو آدھ کا فرق ہے۔ سواروں کی تعداد تو خیر ہم سے کچھ ہی کم ہے لیکن پیادے تو نہ ہونے کے برابر ہیں۔"

جے پال: "ہاں! ——— اس فوج پر یہ گھمنڈ؟"

جسونت: "اس مرتبہ بھی لڑائی ہمیں کو شروع کرنی پڑے گی۔"

جے پال: "کیوں؟ ——— خود اسے کیوں نہیں شروع کرنے دیتے؟"

جسونت: "وہ کبھی بھی جنگ کا آغاز نہیں کرے گا۔ اس کا فائدہ اسی میں ہے کہ دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں اور لڑائی ملتوی ہوتی رہے۔"

جے پال: "اس طرح فائدہ کم اور نقصان بہت زیادہ ہے۔"

جسونت: "جی ہاں ——— ہمیں فائدہ کم اور نقصان بہت زیادہ ہے۔"

جے پال: "اور اُسے؟ ——— محمود کو؟"

جسونت: "اُسے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ وہ اتنی دُور سے سفر کر کے آیا ہے۔ اُس کے سپاہیوں کو سستانے اور آرام کرنے کی ضرورت ہے۔ مزید کچھ فوج پیچھے بھی چھوڑ آیا ہوگا۔ ممکن ہے

بھی ہوگا۔ یہ بھی یقینی ہے کہ اس نے ملک کا بندوبست ضرور کیا ہوگا۔ پھر قدرتاً اس کی خواہش ہوگی کہ جب تک وہ پہنچ نہ جائے معاملہ ملتوی رہے :

جے پال : "تم جنگی مہارت کے کتنے بلند درجہ پر فائز ہو، اس کا اندازہ ہمیں آج ہوا۔ واقعی تم کلونت کے بچے اور صحیح جانشین ہو :

جسونت : "ایک بات اور بھی ہے اَن داتا !"

جے پال : "وہ کونسی بات ؟"

جسونت : "اگر ہم نے محمود کی چال کو کامیاب ہونے دیا اور جنگ کے شروع ہونے میں دیر کی، تو بہت ممکن ہے مہاجگان ہند اپنی اپنی فوجیں لے کر ہماری مدد کو پہنچ جائیں۔ حالانکہ ہمیں ان کی مدد کی قطعاً ضرورت نہیں :

جے پال : "ٹھیک کہتے ہو —— دیر نہیں کرنی چاہئے۔ لڑائی چھیڑ دینی چاہئے یہی مصلحت ہے :

جسونت : "ایک بات میں اور بھی سوچ رہا ہوں اَن داتا !"

جے پال : "وہ بات بھی کہہ ڈالو۔"

جسونت : "محمود کی شکست کے صرف یہ معنی نہیں ہیں کہ غزنی کا ایک بادشاہ ہار گیا :

جے پال : "پھر کیا مطلب ہے ؟"

جسونت : "اس کا مطلب یہ ہے کہ مہاراجہ جے پال نے اپنے مقدس وطن کو پردیسیوں کے پنجے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آزاد کرا لیا۔ یہ آپ کا اتنا بڑا احسان دیس پر ہوگا کہ کوئی بھی آپ سے لگا نہیں کھا سکے گا :

جے پال : "ہاں —— لیکن اس کمبخت کو شکست بھی تو ہو کسی طرح ؟ —— لڑائی کا آغاز کب سے کر رہے ہو ؟"

جسونت : "صرف آپ کے حکم کی دیر ہے۔ ورنہ ہماری فوجیں کیل کانٹے سے لیس کھڑی ہیں :

جے پال : "تیاریاں بالکل مکمل ہو چکیں ؟"

جسونت : "اس کا جواب محمود کی شکست دے گی اَن داتا !"

جے پال : "ہم جانتے ہیں محمود ابھی نو عمر ہے۔ ناتجربہ کار ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھو جسونت :"

جسونت : "اَن داتا کون سی بات ؟"

جے پال : "مقابلہ زور دار ہوگا۔ یہ ترک بڑے سخت جان ہوتے ہیں :"

جسونت : "کوئی پرواہ نہیں، وہ جتنے سخت جان ہوتے ہیں اتنے ہی ہم بھی اُن کے لئے ظالم اور سفاک ہیں۔ میں نے اپنے سواروں اور سپاہیوں کو ہدایت دی ہے کہ اس مرتبہ دشمن کے کسی سپاہی کو بھی گرفتار نہ کیا جائے :"

جے پال : "ہم نہیں سمجھے تم کیا کہنا چاہتے ہو ؟"

جسونت : "میں نے اپنے سپاہیوں اور سواروں سے کہہ دیا ہے کہ دشمن کے ایک آدمی کو بھی گرفتار نہ کریں ——"

جے پال : "گرفتار نہ کریں ؟ یعنی اُنہیں کسی قسم کا گزند نہ پہنچائیں ؟ اُنہیں بھاگنے دیں۔ یا اُنہیں موقع دیں کہ امن و سلامتی کے ساتھ کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں ؟ —— تعجب ہے تم ایسی بے تکی سی بات کہہ رہے ہو !"

جسونت : "میرا مطلب یہ ہے کہ کسی کو گرفتار نہ کریں بلکہ جسے جہاں پائیں قتل کر دیں ——"

جے پال : "اوہ —— ہاں ٹھیک ہے، یہ بہت صائب رائے ہے لیکن یہ —— باتیں تو اُس وقت کے لئے ہیں جب لڑائی شروع ہوگی :

جسونت : "بس اب شروع ہی سمجھئے —— ابھی لشکر میں منادی کرائے دیتا ہوں : کل صبح ——"

اور دوسرے روز سویرے سویرے ایک خون ریز جنگ شروع ہوگئی، پشاور کی سرزمین انسانی خون سے لالہ زار بن گئی۔ ہر فریق یہ سمجھ رہا تھا۔ کہ اگر وہ ہارا تو یہ شکست اس کیلئے موت

ثابت ہو گی"۔

جے پال نے اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر کہا،

"بہادرو!

ہمارے وطن کی مقدس سرزمین پر دشمن بار بار چڑھ کر آتا ہے۔ وہ ہمیں غلام بنا لینا چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے ہم پر حکومت کرے۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا، تو یاد رکھو ہماری زندگی پر ایسا داغ لگے گا۔ جو دھوئے نہ دُھل سکے گا۔ ہم دُنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ جائیں گے دُنیا کے بہادر ہمارا مذاق اُڑائیں گے کہ ہم اس لشکر سے ہار گئے۔ جو تعداد میں ہم سے کم تھا! ——— ہاں جوانو اور بہادرو! بڑھو، دشمن سامنے ہے اپنے تیروں سے اس کا سینہ چھلنی کر دو۔ اپنی تلواروں سے اس کے جسم و جان کا رشتہ منقطع کر دو۔ اسے ایسی سزا دو کہ زندگی بھر یاد رکھے، پھر کبھی جرأت نہ ہو کہ دیوتاؤں کے اس ملک میں قدم رکھ سکے۔ دیکھنا ہے، تم میں وہ کون آدمی ہے جو سب سے پہلے کسی دشمن کا سر کاٹتا ہے! شاباش، دیکھو دشمن قریب آ گیا، اور قریب آ گیا۔ خبردار ہمت جواب نہ دے! قدم ڈگمگانے نہ پائیں۔ تم اپنے لئے نہیں، اپنے دیس کے لئے، اپنی پوتر ماتر بھومی کے لئے، اپنے دھرم کے لئے لڑ رہے ہو دیوتاؤں کی آشیرواد تمہارے ساتھ ہے، تمہاری بہنیں، بیویاں اور بیٹیاں حسرت اور اُمید سے تمہاری طرف دیکھ رہی ہیں۔ وہ دیکھنا چاہتی ہیں۔ تم ان کی لاج بچا سکتے ہو یا نہیں۔ تمہارے ہارنے کے بعد وہ بے سہارا بن جائیں گی ——! بس اب دشمن ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے پائے ——!"

اور عین اسی وقت جب جے پال اپنے سپاہیوں کا دل بڑھا رہا تھا۔ اور اُنہیں حملہ کیلئے اکسا رہا تھا۔ محمود اپنے دلاورانِ اسلام سے خطاب کر رہا تھا۔

"بھائیو اور ساتھیو!

تم سونے کی طرح بار بار جنگ کی آگ میں پتے اور ہمیشہ کھرے نکلے۔ آج پھر آزمائش کی گھڑی سر پر کھڑی ہے۔ یاد رکھو تم اوّل و آخر مسلمان ہو۔ تمہیں اپنے مذہب کی، دین کی، قوم کی لاج رکھنی ہے۔ تم اُن بزرگوں کی اولاد ہو جنہوں نے خدا سے عہد کیا تھا۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔" میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب کچھ صرف رب العلمین کے لئے ہے۔ جن کے ایثار اور خدمت جذبۂ جہاد اور جوشِ قربانی کو دیکھ کر خدا نے حی و قیوم نے اپنے قرآن پاک میں فرمایا تھا لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ جو لوگ خدا کے راستے میں قتل ہوں، انہیں مردہ مت کہو۔ وہ زندہ ہیں، اگرچہ تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔ جنہوں نے اپنے سے کئی گنا لشکروں کا بے خوفی اور بے باکی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ جنہوں نے موت کو ایک کھیل سمجھا، جو حیاتِ ابدی حاصل کرنے کے لئے کفن سر سے باندھ کر میدان میں پہنچے اور بغیر کسی جھجک کے اپنی جان خدا کی راہ میں قربان کر دی۔

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

آج قسمت نے تمہیں وقت دیا ہے کہ ثابت کر دو تم اپنے اسلاف کے صحیح اور سچے جانشین ہو۔ موت ڈرنے کی چیز نہیں۔ کون ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گا؟ ہر شخص کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو مر کر حیاتِ جاوید حاصل کر لیتے ہیں۔ اور قابلِ رحم ہیں وہ لوگ جو نہیں مرتے مگر بار بار مرتے ہیں ——— بہادر صرف ایک مرتبہ مرتا ہے اور موت سے

ڈرنے والا بار بار مرتا ہے ——— دیکھو دشمن بڑھ رہا ہے، آگے بڑھو، اور
اسے پیچھے دھکیل دو ——— اللہ اکبر ——!

جنگ شروع ہو چکی تھی ——— بہت جلد اس نے گھمسان کے رن کی صورت اختیار کر لی۔ مسلمانوں کو اپنی آن کا پاس تھا اور جے پال اور اس کے لشکریوں کو اپنے نام کی دُھن تھی۔ دونوں لشکر اس طرح گتھے ہوئے تھے کہ معلوم ہوتا تھا، کسی طرح الگ نہیں ہو سکتے ——— "۸ محرم ۳۹۲ھ شنبہ کے دن دونوں فریق ایک دوسرے سے گتھ گئے ہر گروہ نے پوری مردانگی دکھائی[۱]"
جنگ پوری شدت کے ساتھ جاری تھی۔ محمود نے ہوشیاری یہ کی تھی کہ جے پال کی طرح پورا لشکر میدانِ جنگ میں نہیں جھونک دیا، چھوٹی چھوٹی تازہ دم ٹکڑیوں کو وہ پے بہ پے تسلسل کے ساتھ جنگ کے مورچہ پر بھیجتا رہا۔ جب کوئی دستہ تھک جاتا تو وہ واپس چلا آتا اور اس کی جگہ فوراً دوسرا دستہ بھیج دیا جاتا۔ خود محمود کئی ہزار سواروں کے ساتھ ایک الگ گوشہ میں کھڑا جنگ کا اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔ صبح سے لے کر دوپہر تک جنگ جاری رہی۔ دوپہر کے بعد سورج ڈھلنے کے ساتھ ہی جے پال کا آفتابِ اقبال بھی ڈھلنے لگا۔ ہندو سپاہیوں کی ہمت جواب دے گئی۔ ان پر تھکن کے آثار طاری ہو گئے۔ یہ رنگ دیکھ کر محمود اپنے تازہ دم اور جرّی سواروں کو لے کر جے پال کے پورے لشکر پر ٹوٹ پڑا ——— "غزنی کے سبک پا اور تیز دست سواروں نے گھیر گھیر کر ہندو سپاہیوں کو قتل کیا[۲]! ———
"اس لڑائی میں فتح محمود کو نصیب ہوئی اور وہ غازی کے لقب سے ملقب ہوا۔ جے پال پندرہ آدمیوں کے ساتھ جو سب اس کے بیٹے اور عزیز تھے، گرفتار ہوا۔ ہندو فوج کے پانچ ہزار سپاہی قتل ہوئے اور باقی بددل ہو کر بھاگ گئے[۳]!"

---

[۱] تاریخ فرشتہ ۔ ۷۰
[۲] تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت ۔ ۱۱۸
[۳] تاریخ فرشتہ ۔ ۷۰

اس جنگ میں بے اندازہ مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا ——— "جملہ اور چیزوں کے سوا سولہ ہار تھے، جو قیدیوں کے گلے سے اتار کر محمود کی خدمت میں پیش کئے گئے، جن میں سے ہر ایک کی قیمت جوہریوں نے ایک لاکھ اسی ہزار آنکی[۱] ———"
جے پال اپنے بیٹوں اور عزیزوں کے ساتھ گرفتار کر کے ایک خیمہ میں مقید کر دیا گیا ——— سوچا کیا تھا، ہوا کیا، نکلا تھا غزنی فتح کرنے اور محمود کو قتل کرنے، لیکن اپنے وطن کی سرزمین سے نکلنے بھی نہ پایا تھا کہ گرفتار ہو گیا ——!

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

---

(۱۶)

جے پال محمود کے سامنے

کئی روز تک سستانے اور آرام کرنے کے بعد ایک روز محمود اپنے شاہی خیمہ میں آرام سے بیٹھا تھا کہ جے پال یاد آیا۔ اس نے ایاز کو حکم دیا۔

"جے پال حاضر کیا جائے!"

ایاز فوراً جے پال اس کے بیٹوں اور عزیزوں کو لے کر محمود کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ آنکھ اوپر نہیں اُٹھتی تھی۔ بدن پر رعشہ طاری تھا۔ محمود نے اُس پر ایک نظر ڈالی اور کہا:

"جے پال اب تم ایک قیدی کی حیثیت سے ہمارے سامنے حاضر ہو!"

جے پال نے کوئی جواب نہ دیا۔

محمود نے کہا: "تمہارا یہ عبرت انگیز انجام کسی اور کا نہیں، خود تمہارا لایا ہوا ہے۔ اپنے راستے میں تم نے خود کانٹے بوئے۔ ہمیں تم سے کوئی دشمنی نہ تھی۔ ہم تمہارے ملک پر قبضہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ہمیں تمہاری حکومت اور طرزِ حکومت سے بھی کوئی سروکار نہ تھا لیکن تم نے ہمیں چھیڑا۔ تم نے اپنی طاقت کا غلط اندازہ لگایا۔ ہر مرتبہ پہل تمہاری طرف سے ہوئی۔ پیش قدمی تم نے کی۔ ہر مرتبہ تم نے شکست کھائی۔ ہر مرتبہ ہماری طرف سے تمہارا قصور معاف کیا گیا۔ ہر مرتبہ جو تاجِ شاہی ہم نے تم سے چھینا، وہ پھر تمہارے سر پر رکھ دیا۔ جو علاقہ

تمہارے قبضہ سے نکل گیا تھا، وہ پھر تمہیں سونپ دی۔ جس عزت سے تم محروم ہو گئے تھے وہ پھر تمہیں لوٹا دی۔"

جے پال کے لبوں کو جنبش ہوئی۔ اس نے کہا: "مانتا ہوں آپ نے ہر مرتبہ مجھ پر احسان کیا!"

محمود: "نہیں، یہ کہو ہم نے تمہارے ساتھ وہ رعایت کی جو کوئی نہیں کر سکتا۔ کسی ہندو راجہ کے ساتھ بھی اگر تم نے وہ کیا ہوتا جو ہمارے ساتھ کیا، تو وہ تمہارا تاج چھین کر ہرگز واپس نہ کرتا ——— لیکن ہم دو مرتبہ یہی کر چکے ہیں۔"

جے پال: "سلطان عالم پناہ نے بالکل بجا اور درست ارشاد فرمایا۔ میں نے ہر مرتبہ غلطی کی اور ہر مرتبہ نوازشِ سلطانی سے بہرہ یاب ہوا۔"

محمود: "اس مرتبہ بھی تم نے یہی کیا۔ والدِ مرحوم کے انتقال کے بعد تم نے بدعہدی کی۔ خراج بھیجنا بند کر دیا۔"

جے پال: "بہت نادم ہوں لیکن اعتراف کے بغیر چارہ نہیں۔ واقعی یہ غلطی مجھ سے ہوئی۔"

محمود: "یہی نہیں کہ تم نے خراج دینا بند کر دیا۔ تم نے ہم سے لڑنے کا پروگرام بنایا۔ تم نے غزنی کو فتح کر لینے کی اسکیم تیار کی۔ تم نے ہمیں حکومت اور زندگی سے محروم کر دینے کا منصوبہ تیار کیا ——— کیا تم انکار کر سکتے ہو؟"

جے پال: "نہیں عالی جاہ!"

محمود: "جے پال سچ بتاؤ، اگر یہی طرزِ عمل تم نے کسی ہندو راجہ کے ساتھ اختیار کیا ہوتا، تو وہ تم سے کیا برتاؤ کرتا؟"

جے پال: "وہ مجھے ذلیل کرتا، قید کر لیتا، ممکن ہے سُولی پر چڑھا دیتا۔"

محمود: "یہی برتاؤ اگر کسی ہندو راجہ نے تم سے کیا ہوتا تو تم کیا کرتے؟"

جے پال: "میں بھی اسے ذلیل کرتا، قید کرتا، ممکن تھا سُولی پر چڑھا دیتا۔"

محمود:" اب یہ بتاؤ، تم ہم سے کیا توقع رکھتے ہو؟"

جے پال نے کوئی جواب نہیں دیا۔

محمود نے پھر پوچھا۔ "بتاؤ ——— ہم تم سے مشورہ لیتے ہیں۔ تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کریں؟"

جے پال کی زبان اب بھی نہیں کھلی۔

محمود:" جے پال خاموش کیوں ہو، جواب کیوں نہیں دیتے ——— ہمیں مشورہ دو۔ ہم اس پر عمل کریں گے۔ مان لیں گے۔"

جے پال:" سلطان عالم پناہ ——— میں پاپی ہوں، مجرم ہوں، خطا کار ہوں، گنہگار ہوں ———"

محمود:" یہ تو ہم بھی جانتے ہیں۔"

جے پال:" میں ہر سزا کا مستحق ہوں۔"

محمود:" یہ بھی ہمیں معلوم ہے۔"

جے پال:" میں کسی رعایت اور رحم کا مستحق نہیں ——— میں بدعہد ہوں، غدار ہوں، فریب کار ہوں ———"

محمود:" یہ سب باتیں ہم جانتے ہیں۔ یہ ہمارے علم میں ہیں۔ ان میں کوئی بات ایسی نہیں، جو نئی ہو۔"

جے پال:" سلطان عالم پناہ!"

محمود:" یہ بھی تم نے کوئی انوکھی بات نہیں کہی ——— دنیا ہمیں سلطان کے لقب سے پکارتی اور یاد کرتی ہے۔"

جے پال:" آپ مجھ پر بہت سے احسانات کر چکے ہیں۔ بار احسان سے میری گردن نہیں اٹھتی۔"

محمود:" ان باتوں کو چھوڑو، یہ بتاؤ، اب تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ ——— تم نے ابھی کہا تھا تم پاپی ہو۔"

جے پال:" کہا تھا اور ———"

محمود:" تم نے اس کا اعتراف بھی کیا تھا کہ تم غدار اور فریب کار ہو۔"

جے پال:" بجا، درست!"

محمود:" تم نے ابھی یہ مانا تھا کہ تم مسلسل بدعہدی کا ارتکاب کرتے چلے آئے ہو!"

جے پال:" مانا تھا سلطان عالم پناہ ——— اور اب بھی مانتا ہوں۔"

محمود۔ (بلند آواز سے) "تو بتاؤ ——— ایک غدار، ایک فریب کار، ایک گنہگار اور ایک پاپی کی سزا کیا ہو سکتی ہے؟"

جے پال:" عالم پناہ! عالی جاہ!"

محمود:" ہم اپنے القاب اور خطابات تمہاری زبان سے نہیں سننا چاہتے۔ تمہیں کیا سزا دی جائے، خود تمہاری رائے کیا ہے؟"

جے پال:" رحم!"

محمود:" رحم! ——— کیا رحم بھی کوئی سزا ہے؟"

جے پال:" بہت بڑی ——— عالم پناہ بہت بڑی۔"

محمود:" اگر مان لیا جائے کہ رحم بھی کوئی سزا ہے، تو یہ سزا تمہیں دو مرتبہ اس سے پہلے بھی مل چکی ہے۔ اب کب تک یہی سزا ملتی رہے گی؟"

جے پال:" جب تک سلطان کے رحم کا خزانہ خالی نہ ہو جائے۔"

محمود:" اور اگر ہم کہیں کہ خالی ہو گیا؟"

جے پال:" تو میں اس کے ماننے سے انکار کر دوں گا۔"

محمود:" کیوں؟"

جے پال:- "اس لیے کہ محمود کے رحم کا خزانہ اگر واقعی خالی ہو چکا ہوتا تو جے پال آج زندہ نہ ہوتا وہ اب تک زندہ ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ محمود کے خزانۂ رحم و عطا میں کوئی کمی نہیں آئی۔"

محمود:- (ہنس کر) "تم بڑے ضدی ہو۔ معلوم ہوتا ہے منہ مانگی سزا لے کر رہو گے۔"

جے پال:- "کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ۔"

محمود:- "اچھا ہم تم پر رحم کرتے ہیں ——— تمہیں کوئی سزا نہیں دیتے، نہ سولی کی، نہ قید کی۔"

جے پال:- "سلطان عالم پناہ، الفاظ نہیں ملتے کہ آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

محمود:- "تمہاری ضد پوری ہو گئی۔ اب اور کچھ تو نہیں چاہئے؟"

جے پال:- "اب اس کے بعد باقی کیا ہے جو میں چاہوں گا؟"

محمود:- "نہیں، ابھی ایک چیز باقی ہے ——— حکومت! ——— ہم نے تمہاری جان بخشی کی ہے سزا سے تمہیں معاف کیا ہے لیکن تمہارا تاج ابھی تک ہمارے قبضہ میں ہے۔ بتاؤ کیسے دیں؟"

جے پال:- "وہ تو آپ کا ہو چکا۔"

محمود:- "یعنی؟ ——— کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

جے پال:- "اب کچھ کہتے مجھے شرم آتی ہے اب کچھ مانگنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا۔ آپ نے خطا معاف کر کے بہت بڑا انعام دے دیا مجھے۔ اب تاج و تخت سلطنت کس منہ سے مانگوں۔"

محمود:- "اور اگر ہم دے دیں؟"

جے پال:- "شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را!" بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا سلطان عالم پناہ!"

محمود:- "تو اب ہم تمہیں کچھ کہنے کی زحمت نہیں دیں گے۔ جاؤ تم اپنے ملک پر حکومت کرو ہم نہ تمہارے اختیارات غصب کرنا چاہتے ہیں، نہ حکومت[ف] لیکن ——— ایک بات یاد رکھو!"

ف تاریخ فرشتہ

جے پال:- "عالم پناہ!"

محمود:- "ہمارے خزانہ میں رحم کا تاج بھی ہے اور انتقام کی تلوار بھی۔ ہمارے خزانہ کو بار بار جھنجھوڑو۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر مرتبہ رحم ہی اس میں سے نکلے۔"

جے پال:- "نہیں اب ایسا موقع نہیں آئے گا۔ اب جے پال اس رحم کی قدر کرے گا۔ اب کبھی وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ جو انسانیت اور شرافت کے خلاف ہو۔"

محمود:- "ہم پھر تمہاری بات کا یقین کرتے ہیں!"

محمود نے ایک مرتبہ پھر جے پال کو بادشاہ بنا دیا۔ اس نے ——— زرکثیر اور اطاعت گذاری کا عہد و پیمان کر کے اپنی جان بچائی۔ محمود نے ننددنہ پر جو دریائے جہلم کے کنارے مضبوط پہاڑی قلعہ تھا قبضہ کر لیا اور ملک پنجاب کی پہلی گھاٹی اس معرکہ میں سر ہو گئی[ف]

جے پال ناکام و نامراد پھر لاہور پہنچا، اور حسب معمول حکومت کرنے لگا۔ وہ شاہی محل میں رہتا۔ تخت حکومت پر جلوس کرتا۔ سر پر تاج شہریاری رکھتا۔ فوج اس کا ادب کرتی۔ سرکاری ملازمین اس کے وفادار تھے۔ رعایا اب بھی اسے اپنا ان داتا کہتی اور مانتی تھی۔ لیکن اس مرتبہ شکست کھا کے وہ جب سے آیا تھا، اس کا دل بجھا بجھا سا رہتا تھا۔

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

لوگوں کے سامنے جاتے ہوئے شرم سی آتی تھی۔ ضمیر بار بار ملامت کرتا۔ مسلسل تین دفعہ شکست کھا چکا تھا۔ اس پے بہ پے شکست نے اس کی امنگوں کو ختم کر دیا تھا۔ اس کے حوصلے مجروح کر دیئے تھے۔ اب کبھی بھولے سے بھی اس کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ وہ غزنی کو فتح کرے گا۔ محمود کو شکست دے گا اور اسے قتل کر دے گا۔ اب وہ ہر لمحہ یہ محسوس کرتا تھا، اگرچہ وہ بادشاہ ہے

ف تاریخ بھارت و پاکستان

لیکن غلام! اس کی شخصیت ختم ہوچکی، اب وہ کبھی نہیں اُبھر سکتا! اب وہ کبھی اپنی آرزوؤں کی تکمیل نہیں کرسکتا!"

ایک روز اس نے اپنے بیٹے انند پال کو بلایا اور کہا: "بیٹے میں تھک چکا، بوڑھا ہوچکا۔ یہ حکومت کا بار مجھ سے نہیں اُٹھتا، تو جوان ہے، یہ بوجھ سنبھال ——!"

اور دوسرے روز انند پال تخت نشین ہوگیا!

انند پال کی تخت نشینی کے چند روز بعد اس نے جیونت کو بلایا اور کہا: "محل کے سامنے ایک بڑی سی چتا تیار کرو!"

جیونت سہم گیا۔

"ان داتا! چتا کیا ہوگی؟"

جے پال: "میرا حکم —— ہاں اب میں راجہ نہیں رہا، اب تم میرا حکم کیوں ماننے لگے؟ معاف کرو، مجھ سے غلطی ہوئی!"

جیونت کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اس نے کہا: "ان داتا! آپ اگر سولی بھی دے دیتے تو مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی جتنی ان باتوں سے ہوئی!"

جے پال: "سچ کہتے ہو؟ کاش اپنی بات میں تم سچے ہوتے۔"

جیونت: "بالکل سچ ان داتا! غلام اپنے آقا کے سامنے جھوٹ بولنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔"

جے پال: "تو پھر میرا حکم ماننے میں تامل کیوں ہے؟"

جیونت: "ان داتا! ذرا بھی تامل نہیں!"

پھر جیونت کچھ زیادہ پوچھ گچھ نہ کرسکا۔ آن کی آن میں چتا تیار ہوگئی۔ شعلے بھڑکنے لگے اور بہت جلد وہ آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

اور —— دفعتاً جے پال نے اپنے آپ کو جلتی آگ میں ڈال دیا۔ اُس نے خودکشی کرلی۔[1]

---

[1] تاریخ فرشتہ ۱۸

(۱۷)

محمود کے خلاف قرامطہ کی سازش

اور جس زمانہ میں محمود غزنوی جوشِ جہاد سے چُور اور نشۂ شہادت سے مخمور پے بہ پے ہندوستان پر حملے کر رہا تھا، ملتان پر ایک خالص عرب (قریشی) خاندان کی حکومت تھی۔ محمد بن قاسم کے وقت سے لے کر اب تک ملتان مسلمانوں ہی کے تصرف میں رہا۔

ملتان پر اب جو خاندان حکمران تھا، یہ مذہباً اسمٰعیلی[1] تھا۔

حضرت امام جعفر صادق کے انتقال کے بعد شیعہ دو فرقوں میں بٹ گئے تھے، ایک نے حضرت موسیٰ کاظم (ابن امام جعفر صادق) کو اپنا امام مانا، دوسرے نے حضرت اسمٰعیل (ابن امام جعفر صادق) کو امام تسلیم کرلیا، چونکہ حضرت اسمٰعیل کا انتقال ہوچکا تھا، اس لئے ان کے صاحبزادے حضرت محمد کے ہاتھ پر امامت کی بیعت کرلی گئی، یہیں سے یہ فرقہ اسمٰعیلیہ[2] کہلایا۔ جب امام عبیداللہ المہدی نے مغرب اقصیٰ (افریقہ) میں خلافت بنو فاطمیہ کی بنیاد ڈالی[3] تو المہدی کے داعیوں کا ایک طویل سلسلہ دنیائے اسلام میں پھیل گیا۔ یہ داعی کہیں کامیاب ہوئے کہیں ناکام۔ سندھ میں دو جداگانہ اسلامی حکومتیں منصورہ اور ملتان کی موجود تھیں[4]

---

[1] تاریخ سندھ ۲۵۳۔

[2] ۳۷۵ھ میں بشاری مقدسی جب سندھ آیا تو منصورہ کے بجائے اسمٰعیلی یہاں حکمران تھے۔

[3] تاریخ مغرب اقصیٰ۔ [4] تاریخ سندھ ۲۵۶۔

منصورہ کے لوگوں نے ابھی تک اس دعوت کو نہیں قبول کیا تھا لیکن اہل ملتان نے یہ دعوت قبول کر لی۔ چنانچہ ملتان میں فاطمی خلیفہ کا سکہ اور خطبہ جاری ہوگیا۔ ملتان کا پہلا فاطمی حاکم حلم بن شیبان (۳۷۳ھ) تھا۔ اس نے ایک جامع مسجد بنائی۔ اور محمد بن قاسم کے زمانہ کی جو جامع مسجد موجود تھی اس پر تالا لگا دیا۔ اس لئے کہ وہ فساق بنو اُمیہ کے عہد کی یادگار تھی۔ محمود کے زمانہ میں ملتان کا حاکم ابوالفتوح داؤد بن نصر تھا۔ یہ بھی قرامطی (اسمٰعیلی) تھا، اور اپنے مسلک میں بہت زیادہ متشدد تھا۔ قرامطہ اپنے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے عام مسلمانوں کے ساتھ ان کا برتاؤ اچھا نہیں تھا۔ چونکہ وہ مسلمانوں کو کافر سمجھتے تھے اس لئے ان کے ساتھ وہی برتاؤ بھی کرتے تھے جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

ابوالفتوح بہت چالاک اور زیرک آدمی تھا۔ اس نے محمود کی ترکتازیوں سے سمجھ لیا تھا کہ ابھی فتنہ ہے، کوئی دن میں قیامت ہوگا۔ وہ اپنے مفاد اور اپنی سلطنت کے مفاد کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچا تھا، کہ کسی حالت میں بھی محمود کا ساتھ نہیں دینا چاہئے جس طرح وہ خلافتِ اسلامیہ بغداد سے منحرف تھا۔ اسی طرح وہ سلطنت غزنی کی رفاقت اور دوستی سے بھی بیزار تھا۔ جس طرح وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ خلافتِ اسلامیہ بغداد پھلے پھولے۔ اس کا سکہ اور خطبہ جاری ہو۔ اس کے وقار اور عظمت میں اضافہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی نہیں پسند کرتا تھا کہ ترکی کی ایک نئی حکومت ——— جس کا فرمانروا اس کے عقیدہ کے لحاظ سے کافر تھا اور جس کی قوم کافروں کی قوم تھی ——— اُبھرے، بڑھے اور پھلے پھولے۔

سبکتگین اور محمود غزنوی کی لڑائیوں کو جو راجگانِ ہند سے بالعموم اور راجہ جے پال سے بالخصوص ہوئیں۔ وہ بہت زیادہ تشویش کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس معاملہ میں کسی طرح راجہ جے پال سے کم پریشان اور مضطرب نہیں تھا۔ پھر جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ تیسری جنگ میں بھی جے پال ہار گیا اور شکست کی ذلت سے متاثر ہو کر اس نے خودکشی کر لی تو وہ اور زیادہ پریشان

۱؎ کتاب الہند بیرونی (تاریخ سندھ) ۲؎ بعض تاریخوں میں اس کا نام ابوالفتح ہے۔

ہوگیا۔ اُس نے سوچا اگر محمود کے فتنہ کو نہ روکا گیا تو آگے چل کر یہ ایک ایسا طوفان بن جائے گا۔ جس کا روکنا بس سے باہر ہو جائے گا۔

یہ سوچ کر اُس نے فیصلہ کیا کہ راجہ نندپال سے "امدادِ باہمی" کا ایک معاہدہ کر لیا جائے تاکہ نندپال کو ملتان کی مسلمان حکومت کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہے۔ اور لاہور کی ہندو حکومت ملتان کی اسلامی حکومت پر پورا پورا بھروسہ کر سکے۔

چنانچہ اس نے سعد بن سہل کی قیادت میں ایک سفارت نندپال کے پاس بھیجی۔ نندپال نے اس سفارت کی بڑی آؤ بھگت کی۔ بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ وہ تو دل سے یہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہو، وہ آپس میں لڑیں اور ان کی قوت و شوکت زوال آشنا ہو۔ اس نے ایک روز دربار میں سعد بن سہل کو طلب کیا۔ اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آیا۔ اُس نے اپنے برابر داہنی طرف سعد بن سہل کو بٹھایا۔ اور پیکرِ لطف و کرم بن کر کہا: "آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

سعد: "ہم نے یہاں وہی آسودگی محسوس کی جو اپنے گھر میں محسوس کرتے تھے۔"

نندپال: "ہم آپ کو غیر نہیں سمجھتے۔ سلطان ابوالفتوح نے آپ کی معرفت جو خط ہمیں بھیجا ہے، ہم نے اُسے پڑھا اور بار بار پڑھا، اور ہر مرتبہ یہ محسوس کیا کہ یہ خط ایک اجنبی بادشاہ کا نہیں، ایک عزیز دوست اور ایک عزیز بھائی کا ہے۔"

سعد: "اور بالکل یہی جذبہ ہمارے فرمانروا اور آقا سلطان ابوالفتوح بھی آپ کے لئے رکھتے ہیں۔"

نندپال: "سلطان ابوالفتوح نے لکھا ہے کہ وہ "امدادِ باہمی" کے اصول پر ایک معاہدہ ہم سے کرنا چاہتے ہیں۔"

سعد: "بے شک یہ اُن کی دلی آرزو ہے۔"

نندپال: "ہم معاہدے کے لئے دل و جان سے تیار ہیں لیکن قبل اس کے کہ معاہدہ عمل میں آئے

ے۔"
ـــ ہمارا اس سے کوئی دینی رشتہ نہیں۔ یہ دو
یکساں ہیں۔"
معلوم نہ تھی۔"
ملک کا فیصلہ مذہب سے ہٹ کر کیا ہے۔ ہمارے
وحقائق پر ہے۔"
ی اعتبار سے بھی اسے خلافِ مذہب نہیں
ب ہے۔"
طرہ ہو، تو پھر ہم ایک سوال کرنا چاہتے ہیں
ئے۔"
کیا آپ کی قیمتی حسبیت بھی آپ کو محمود کی ادا
ہم واقعات سے آنکھیں کیسے بند کر لیں، ہم اد
تے ہیں، آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں، ہم
رے دُکھ درد میں حصہ لے سکتے ہیں۔ ہمیں
اسی سرزمین پر زندہ رہنا اور مرجانا ہے۔
ہم اگر برباد ہوں گے ممکن نہیں کہ آپ متاثر
ہے۔ ہم ان لوگوں کی طرف پُر امید نظروں
تے ہیں اور یہ محمود تو ایک لٹیرا ہے۔ آج
تو اس کے جانے کے بعد ہمارا ساتھ کون
ـــــــ ناممکن! پھر ہم جوش میں آ کر

نندپال: "محمود کافر ہے؟"

سعد: "کافرِ مطلق ـــــ ہمارا اس سے کوئی دینی رشتہ نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہمارے اور اس کے نام یکساں ہیں۔"

نندپال: "ہمیں یہ بات معلوم نہ تھی۔"

سعد: "ہم نے اس مسئلہ کا فیصلہ مذہب سے بحث کر کیا ہے۔ ہمارے فیصلہ کی بنیاد جذبات پر نہیں، واقعات و حقائق پر ہے۔"

نندپال: "یعنی آپ سیاسی اعتبار سے بھی اسے خلافِ مذہب نہیں سمجھتے کہ محمود پر ہم کو ترجیح دیں؟"

سعد: "جی ہاں، یہی مطلب ہے۔"

نندپال: "اگر ناگوار خاطر نہ ہو، تو پھر ہم ایک سوال کرنا چاہتے ہیں۔"

سعد: "شوق سے پوچھئے۔"

نندپال: "سوال یہ ہے کہ کیا آپ کی ملی عصبیت بھی آپ کو محمود کی امداد پر نہیں اکسائے گی؟"

سعد: "قطعاً نہیں ـــــ ہم واقعات سے آنکھیں کیسے بند کریں، ہم اور آپ ہمسائے ہیں۔ ہم آپ کی مدد کر سکتے ہیں، آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں، ہم آپ کے دکھ درد میں کام آ سکتے ہیں، آپ ہمارے دکھ درد میں حصہ لے سکتے ہیں۔ ہمیں بھی اسی سرزمین پر مرنا اور جینا ہے، آپ کو بھی اسی سرزمین پر زندہ رہنا اور مرجانا ہے۔ آپ اگر تباہ ہوں گے ہم پر ضرور اثر پڑے گا۔ ہم اگر برباد ہوں گے ممکن نہیں کہ آپ متاثر نہ ہوں۔ ہمارا آپ کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہم ان لوگوں کی طرف پُر امید نظروں سے نہیں دیکھ سکتے جو بغداد یا غزنی میں رہتے ہیں اور یہ محمود تو ایک لٹیرا ہے۔ آج آیا، کل گیا اسے ہمارا کیا خیال۔ اگر ہم اس کا ساتھ دیں تو اس کے جانے کے بعد ہمارا ساتھ کون دے گا؟ کیا یہ غزنی سے ہماری مدد کو پہنچے گا؟ ـــــ ناممکن! پھر ہم جوش میں آ کر ایسی احمقانہ حرکت

کیوں کر بیٹھیں، جو بعد میں ہمارے لئے مضر ہو۔

مردِ آخر بیں مبارک بندہ ایست!

ہم نے معاملہ فہمی اور دور اندیشی کو اپنا شعار بنایا ہے اور اسی مسلک پر قائم رہنا چاہتے ہیں۔"

نندپال انہماک اور استغراق کے عالم میں سعد بن سہل کی باتیں سنتا رہا۔ اس کے کان سعد کی باتیں سن رہے تھے اور دماغ دور دراز مقامات کی سیر کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا اگر ابوالفتوح نے واقعی میرا ساتھ دیا، تو پھر محمود کا فتنہ کچلنے میں بڑی آسانی ہوگی۔ بسندھ کا مورچہ بہت کامیاب رہے گا۔ اب تک یہ اندیشہ تھا کہیں ایسا نہ ہو ہم غزنی سے لڑ رہے ہوں اور عقب سے ملتان کی فوجیں ہم پر یورش کر دیں۔ اب یہ اندیشہ دور ہو گیا اب ہماری بازی نہیں ہر سکتی۔

یہ باتیں سوچنے کے بعد نندپال کا چہرہ وفورِ مسرت سے گلنار ہو گیا۔ اُس نے بڑے جوش اور بے ساختگی کے عالم میں کہا۔

"مجوزہ معاہدہ ہمیں منظور ہے۔"

سعد: "ہمیں مسرت ہے، کہ محنت رائیگاں نہیں گئی۔ ہمیں خوشی ہے کہ آپ نے ہمیں سمجھنے کی کوشش کی۔ ہمیں اُمید ہے ہمارا یہ اتحاد پائدار اور مستحکم ثابت ہوگا۔"

نندپال۔ (جوش کے عالم میں) "ہاں ہمارا یہ معاہدہ پائدار اور مستحکم ثابت ہوگا، اتنا ہی پائدار جتنا ہمالیہ ہے اتنا ہی مستحکم جتنا ہمارا اخلاص ہے!"

پھر نندپال نے ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "آپ انہیں پہچانتے ہیں؟"

سعد بن سہل نے اس شخص پر ایک نظر ڈالی۔ اور کہا: "نہیں ـــــ میں نہیں پہچانتا!"

نندپال: "یہ راجہ نبھے رائے ہیں آپ کے بالکل پڑوسی بھاٹنہ کے راجہ ـــــ بھاٹنہ اگرچہ لاہور کا تابع اور باج گزار ہے۔ لیکن میرے اور نبھے رائے کے تعلقات برابر کے ہیں ـــــ کیوں نبھے رائے تمہاری کیا رائے ہے اس معاہدے کے بارے میں ـــــ؟"

بجے رائے: "میں تو اسے ایک نعمت سمجھتا ہوں، واقعی سلطان ابوالفتوح نے اس معاہدے کی پیش کش کر کے بڑے تدبّر اور دانشمندی کا ثبوت دیا ہے!"

نند پال: "یقیناً ——— ایک محمود ہے جو خواہ مخواہ ہم سے اُلجھتا ہے۔ ایک ابوالفتوح کی ہستی ہے جو اس کشمکش سے فائدہ اُٹھا سکتی تھی۔ لیکن اس نے ایثار کیا، اور عارضی فائدے پر مستقل دوستی کو ترجیح دی۔"

بجے رائے: "لیکن یہ معاہدہ صرف لاہور ہی کے ساتھ کیوں ہو؟ ہندوستان کی دوسری حکومتیں بھی اتحادیوں کی اس صف میں کیوں نہ شریک ہوں؟"

نند پال: "ہمیں یقین ہے ہمارے عزیز دوست سلطان ابوالفتوح کے نمائندے اس پر معترض نہ ہوں گے؟"

سعد: "قطعاً نہیں، سلطان کی تو یہ واضح ہدایت ہے۔ کہ ہر اس حکومت سے امداد باہمی کا معاہدہ کر لیا جائے، جو غیر ملکی نہیں بلکہ دیسی ہے ——— میں بڑی مسرت کے ساتھ راجہ بجے رائے کی اس پیشکش کو قبول کرتا ہوں۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اجین، گوالیار، کالنجر، قنوج، اجمیر، گجرات، دہلی ہر حکومت کے ساتھ ہم اس قسم کا معاہدہ کرنے کو تیار ہیں۔"

نند پال: "تو پھر کب؟ یہ بھی بتا دیجئے۔"

سعد: "جب آپ چاہیں ——— ہم اس دن کے منتظر ہیں۔ کہ ملتان واپس جا کر اپنے سلطان اور آقا کو یہ خوشخبری سنائیں کہ جس مقصد سے ہم نے یہ سفر اختیار کیا تھا، اس میں کامیاب و کامران واپس آئے۔"

نند پال نے جسونت سنگھ سے مخاطب ہو کر کہا:

"یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ شاہانہ تزک و احتشام اور دھوم دھام کے ساتھ معاہدہ کی تقریب منعقد کی جائے۔ اس روز ہماری حکومت کے ایک ایک چپہ پر چراغاں

کیا جائے۔ سارے شہر میں جشن منایا جائے۔ غریبوں کو کھانا کھلایا جائے۔ محتاجوں کو روپے تقسیم کئے جائیں۔ بچوں کو مٹھائی بانٹی جائے۔ ناچ اور گانے کی سبھائیں برپا ہوں اور ہماری رعایا کا ہر فرد جوش و خروش کے ساتھ اس تقریب میں حصّہ لے۔"

جسونت سنگھ: "ان داتا کی یہ مرضی پوری ہوگی۔"

نند پال: "کل ہم معاہدے پر دستخط کریں گے۔ اور کل سے لے کر ایک ہفتہ تک مسلسل ساری ریاست میں جشن منایا جائے!"

جسونت سنگھ: "ان داتا۔ یہی ہوگا!"

نند پال نے اس گفتگو کے بعد سفیروں کو رخصت کر کے دربار برخاست کر دیا۔ دربار برخاست ہونے کے بعد بجے رائے بھی اُٹھنے لگا۔ نند پال نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

"کہاں چلے؟ بیٹھو۔ کچھ کام ہے تم سے۔"

وہ بولا: "نہیں بھائی۔ شاہی مہمان خانے میں جا کر اب آرام کروں گا۔ اور کل معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد بجانب روانہ ہو جاؤں گا!" "مجھے بھی بڑا ضروری کام ہے۔"

نند پال نے کہا: "جی نہیں، آپ معاہدے کے جشن تک یہیں رونق افروز رہیں گے اور اس وقت شاہی مہمان خانے کے بجائے آپ ہمارے خاص محل میں چلیں گے۔ وہاں کچھ اہم معاملات پر صلاح و مشورہ کرنا ہے۔"

---

(۱۸)

نندپال اور بجے رائے کا مشورہ

نندپال اور بجے رائے خاص محل کے ایک پُرتکلف اور آراستہ پیراستہ ہال میں آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔ اس وقت دونوں پر مسرت اور انبساط کی کیفیت طاری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بہت بڑی نعمت مل گئی ہے ان دونوں کو۔

بجے رائے نے کہا: "فرمایئے وہ کون سی خاص بات ہے جس کے لئے آپ مجھے اپنے ساتھ لائے ہیں؟"

نندپال نے جواب دیا: "کوئی خاص بات نہیں لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں جنہیں ہم آپس ہی میں کر سکتے ہیں۔ دوسروں کے سامنے نہیں ــــ"

بجے رائے: "اب تو یہاں کوئی نہیں ــــ فرمایئے!"

اتنے میں جسونت سنگھ بھی کسی کام سے آگیا۔ نندپال نے کہا: "بڑے اچھے وقت آئے۔ ہم تمہیں یاد ہی کر رہے تھے۔"

جسونت: "ان داتا غلام حاضر ہے!"

نندپال: "سوال یہ ہے کہ اس معاہدے میں کوئی چال تو نہیں؟"

جسونت: "بظاہر تو نہیں نظر آتی لیکن ہو بھی سکتی ہے۔"

نندپال: "ایسا نہ ہو کہ ہم کریں دوستی اور پائیں دشمنی۔"

بجے رائے: "یعنی آپ کا مطلب یہ ہے کہ سلطان ابوالفتوح کہیں ہمارے ساتھ دھوکا نہ کریں؟"

نندپال: "ان بھی مسلمان ہے ــــ ڈر لگتا ہے!"

جسونت: "بس یہی ایک بات میں بھی سوچتا ہوں ــــ مسلمانوں سے ذرا ہوشیار ہی رہنا چاہئے۔"

بجے رائے: "آپ دونوں غلط فہمی میں مبتلا ہیں ــــ"

نندپال: "گویا جناب کی رائے یہ ہے کہ اس معاہدے میں کوئی چال نہیں؟ ان سفیروں پر اور سلطان ابوالفتوح پر اعتماد کر لینا چاہیے۔"

بجے رائے: "اگر یہ رائے نہ ہوتی، تو میں خود اس معاہدے میں شریک ہونے پر کیوں آمادہ ہوتا؟"

نندپال: "ہمیں ان لوگوں کا کوئی تجربہ نہیں۔ آپ کے یہ پڑوسی ہیں۔ دونوں کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں۔ ہر وقت ایک کو دوسرے سے کسی نہ کسی صورت میں سابقہ رہتا ہی ہے۔"

بجے رائے: "اسی لئے تو آپ کے خیال کی مخالفت کر رہا ہوں! اسی لئے میری خواہش ہے کہ یہ معاہدہ ہو جائے۔"

نندپال: "معاہدہ تو ہو جائے گا۔ اس کے لئے ہم تاریخ اور دن بھی مقرر کر چکے ہیں خدا کرے کہ کامیاب ہو۔"

بجے رائے: "ضرور کامیاب ہوگا ــــ مجھے ان مسلمانوں کی ایک ہی بات تو پسند ہے۔"

نندپال: "ضرور سنیں گے ہم ــــ کونسی ہے وہ بات؟"

بجے رائے: "مسلمان قول کے پکے ہوتے ہیں۔ دغا باز اور فریب کار نہیں ہوتے۔ جو دل میں وہ زبان پر، جو زبان پر وہ دل میں۔ دھوکا، فریب، دغا۔ ان چیزوں کے نام سے بھی یہ ناواقف ہیں ــــ اگر ابوالفتوح کے دل میں کھوٹ ہوتی، تو سچ کہتا ہوں سفیروں کو بھیجنے کے بجائے وہ خود اپنے لشکر کی کمان کرتا ہوا آتا!"

جسونت: "آتا تو کئے کی سزا بھی پاتا۔"

بجے رائے: بیکار باتیں نہ کرو جسونت۔ باتیں بنانا آسان ہے اور کام کرنا مشکل۔ ایک وہ ہے جو دشمن کو دوست بنا رہا ہے۔ ارے بھئی ہم اس کے آج سے پہلے تک دشمن ہی تو تھے اور ایک ہمارے جسونت سنگھ ہیں جو دوست کو دشمن سمجھ رہے ہیں!"

بجے رائے کی ان کھری کھری باتوں سے جسونت تو شرمندہ ہوا ہی۔ لیکن نندپال بھی کچھ کم نادم نہیں ہوا۔ اس نے کہا: "واقعی جسونت کی غلطی تھی بلکہ ہماری بھی۔ ہمیں بدظنی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ قنوج کا راجہ بڑی دوستی کا دم بھرتا تھا۔ لیکن ایک مرتبہ شکست کیا کھائی۔ اب ادھر کا رخ کرنا نہیں چاہتا۔ خطوں کا جواب نہیں دیتا۔ حالانکہ وہ ہم مذہب ہے۔ ہمارا اسی کا شتا ہے ——— آج ہم کل تمہاری باری ہے ——— اور ابوالفتوح ہم مذہب نہیں۔ بلکہ ہمیں کافر سمجھتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان بادشاہ سے مخالفت، دشمنی مول لے کر ہم سے دوستی قائم رکھنا چاہتا ہے:"

بجے رائے: "اور میں سچ کہتا ہوں۔ اگر محمود کو یہ معلوم ہو گیا کہ ابوالفتوح اسے چھوڑ کر ہم سے معاہدہ کر چکا ہے تو وہ اس کا جانی دشمن ہو جائے گا۔ ہمارا جے پال کو اس نے دو مرتبہ گرفتار کیا اور چھوڑ دیا۔ بلکہ حکومت بھی بخش دی۔ لیکن اگر ابوالفتوح پر وہ قابو پا گیا تو اس کی بوٹیاں چیل کوؤں کو کھلائے گا:"

نندپال: "ہاں ٹھیک کہتے ہیں آپ ——— بس اب آرام فرمائیے۔ کل کا جشن قابل دید ہو گا اس کی تیاریاں کیجئے ——— کیوں جسونت سب انتظام ٹھیک ہے نا؟"

جسونت: "بالکل ٹھیک ہے ان داتا!"

---

(19)

محمود کا جذبۂ اسلامی

محمود بڑا دور اندیش اور زیرک فرماں روا تھا۔ اس کے مخبر اور جاسوس ایک ایک بات کی خبر پہنچاتے تھے۔ وہ غزنی میں رہتا تھا۔ لیکن ہندوستان کی تمام خبریں پہنچتی رہتی تھیں! اسے غزنی میں بیٹھے بیٹھے معلوم ہو جاتا تھا۔ نندپال کیا کر رہا ہے۔ ابوالفتوح کیا منصوبہ بنا رہا ہے! بجے رائے کیا سوچ رہا ہے؟ دوسرے راجگان ہند کس قسم کی اسکیمیں تیار کر رہے ہیں؟ اسے جو خبریں ملتی تھیں؛ وہ ٹھنڈے دل سے ان پر غور کرتا تھا پھر ایک راہِ عمل متعین کرتا تھا اور اس پر کام شروع ہو جاتا تھا۔ وہ "أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کی عملی تفسیر تھا۔ وہ خدا کے دشمنوں اور دین و مذہب کے بدخواہوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتا تھا بشرطیکہ وہ دینِ حق کے راستے میں مزاحم ہوں۔ ورنہ سیاسی جنگوں میں وہ کافروں اور غیر مسلموں کے ساتھ بھی زیادہ سے زیادہ رواداری، وسعتِ قلب اور عالی ظرفی کا ثبوت دیتا تھا۔

مسلمانوں کا معاملہ قطعاً الگ تھا۔ ان سے جب تک وہ بالکل مجبور نہیں ہو جاتا تھا۔ جنگ و پیکار کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رعایت کرتا تھا بڑی سے بڑی غلطی سے درگزر کرتا تھا۔ خطاؤں پر چشم پوشی سے کام لیتا تھا ——— کیسی ہی کج رائی سامنے آئے طرح دے جاتا تھا۔ مایوس ہونے کے بعد کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر وہ تلوار سنبھالتا تھا ——— اور پھر تلوار کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوتا تھا۔

محمود غزنی میں مقیم تھا۔ فی الحال اس کا ارادہ ہندوستان پر حملہ کرنے کا نہیں تھا۔ یہ ضرور تھا کہ وہ آئندہ کے لئے اپنی راہِ عمل متعین کرنے پر غور کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں اس کے پاس ہندوستان سے چلا ہوا ایک معتمد مخبر پہنچا۔ آج تک اس مخبر کی کوئی اطلاع غلط نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے محمود اس کی فراہم کردہ اطلاعات پر خاص توجہ کرتا تھا۔ محمود کو جب مخبر کے آنے کی اطلاع ملی تو اس نے بالکل تخلیہ میں اُسے شرفِ باریابی عطا کیا۔ ایسے مواقع پر وہ صرف تنہا گفتگو کرتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ اگر کسی کو حاضری کی اجازت تھی تو وہ سلطان کا مقربِ بارگاہ اور وفادار غلام ایاز تھا۔ ایاز ہی مخبر کو لے کر آیا۔ خود ایک گوشہ میں مؤدب ہو کر دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ محمود اور مخبر میں بات چیت ہونے لگی۔

محمود نے پوچھا "تم نے ہندوستان کو کس حال میں چھوڑا؟"

وہ بولا ــــ "سلطان عالم پناہ! ہندوستان کا ذرہ ذرہ آپ کو بلا رہا ہے۔"

محمود: "ہم بھی، وہ کونسی بات ہے کہ ہندوستان کا ذرہ ذرہ بلا رہا ہے؟ ــــ شاید تم نہیں جانتے، ہم مدح و ستائش میں مبالغہ کو کچھ زیادہ پسند نہیں کرتے۔"

مخبر: "سلطان عالم پناہ! غلام ذرا بھی مبالغہ سے کام نہیں لیتا۔ امرِ واقعہ اور حقیقت عرض کر رہا ہے۔ ہندوستان کے حالات بہت ابتر ہو چکے ہیں۔ بت پرستی عام ہے۔ اقدارِ انسانی کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ عورت کی تو کوئی عزت و حرمت ہے ہی نہیں۔ بیٹی کی حیثیت سے وہ گھر بھر کی خادمہ ہے۔ بہن کی حیثیت سے وہ سارے خاندان کی کنیز ہے۔ بیوی کی حیثیت سے وہ صرف ایک لونڈی ہے۔ اور اگر کہیں شوہر مر جائے تو وہ اس کے ساتھ ستی ہونے یعنی آگ میں جل جانے پر مجبور ہے۔"

محمود: "استغفراللہ! اتنا بڑا ظلم؟ ــــ کیا ستی کی رسم وہاں عام ہے؟"

مخبر: "بہت زیادہ عام ہے سلطان عالم پناہ۔ اگر کوئی عورت ستی نہ ہونا چاہے تو اسے مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ آگ میں جل کر جان دے دے۔ اور صرف یہی نہیں سلطان ذی الشان!

اور بھی بہت سی لرزہ خیز کیفیتیں وہاں کی ایسی ہیں جنہیں سننے کے لئے پتھر کا کلیجہ چاہئے۔"

محمود: "مثلاً ــــ کچھ تو ــــ"

مخبر: "وہاں اونچ نیچ کا امتیاز سب سے زیادہ ہے۔"

سلطان: "یہ کہاں نہیں؟ کچھ نہ کچھ ہر جگہ موجود ہے۔"

مخبر: "سلطان عالم پناہ وہاں بہت زیادہ ہے۔ وہاں ایک مستقل قوم جو کروڑوں افراد پر مشتمل ہے "اچھوت" قرار دے دی گئی ہے۔ اس میں اور اعلیٰ خاندان کے ہندوؤں میں اگر کوئی چیز مشترک ہے تو صرف مذہب لیکن اس اشتراک کے باوجود حالت یہ ہے کہ اچھوت مندر میں قدم نہیں رکھ سکتے، بتوں کا دیدار نہیں کر سکتے، علم نہیں حاصل کر سکتے، مذہبی اشلوک نہیں سُن سکتے اور اگر سُن لیں تو اُن کے کانوں میں سیسہ پلا دیا جاتا ہے ــــ"

محمود: "اب مجھ میں سننے کی تاب نہیں ــــ لیکن کہو، میں سنوں گا۔"

مخبر: "وہ عام کنوؤں سے پانی نہیں بھر سکتے، عام شاہراہوں پر چل پھر نہیں سکتے، برہمن خدا کا چہیتا بیٹا بنا ہوا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے سامنے دم مار سکے۔"

محمود۔ (برہم ہو کر) "میں برہمن کا طلسم توڑ کر رکھ دوں گا۔"

مخبر: "اسی لئے غلام نے عرض کیا تھا کہ بھارت کا ذرہ ذرہ آپ کو بلا رہا ہے۔ وہاں کی اصلاح اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک وہاں کا نظام نہ بدل دیا جائے۔ وہاں انقلاب نہ برپا ہو، وہاں کی دنیا زیر و زبر نہ کر دی جائے ــــ ہندوستان پر حملہ کرنا انسانیت کی خدمت ہے۔ بہت بڑی خدمت۔ وہاں کے حالات اس وقت تک سدھر نہیں سکتے جب تک ایک ایسا طوفان نہ آئے، جو ان سب باتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے۔"

محمود: "ہوں ــــ تمہاری باتوں میں وزن ہے، زور ہے، حقیقت ہے، اثر ہے۔ ہمارا بھی جی چاہتا ہے کہ ہم ایک فاتح کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مبلغ کی حیثیت سے جائیں۔

اسلام کا پیام وہاں کے ذرّے ذرّے تک پہنچا دیں۔ اسلام صحیح معنی میں دینِ فطرت ہے
وہ ایک ایسا مذہب ہے جو اس کائنات کے ہر دُکھ درد کا علاج ہے۔ اسلام میں اونچ نیچ کا امتیاز
نہیں۔ یہ دیکھو ایاز سامنے کھڑا ہے، یہ ہمارا غلام ہے۔ لیکن ہمارے ساتھ ایک صف
میں نماز پڑھتا ہے۔ ہمارے ساتھ بالکل پہلو بہ پہلو بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے۔ محض اس لئے کہ
یہ غلام ہے ہم اسے حقیر نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس لئے کہ یہ وفادار ہے۔ ہم اس کی قدر کرتے ہیں۔
عزت کرتے ہیں۔ اسے بہت سے نجیب الطرفین اور خاندانی اعیان و امراء پر ترجیح دیتے ہیں۔"

مخبر: عالی جاہ! ان حقائق سے کون انکار کر سکتا ہے؟"

محمود: اسلام نے عورتوں کو وہ حقوق دیئے ہیں جو دُنیا کے کسی مذہب اور سوسائٹی نے
نہیں دیئے۔ اسلام بُت پرستی کا قائل نہیں۔ وہ ہمیں صرف ایک خدا کی پرستش کی تعلیم دیتا
ہے۔ اور جانتے ہو ایک خدا کو ماننے اور پوجنے کے معنی کیا ہیں؟"

مخبر: عالی جاہ کے علم کا کون حریف ہو سکتا ہے؟"

محمود: ایک خدا کو پوجنے اور ماننے کے معنی یہ ہیں کہ وہ جو ایک خدا کو مانتا ہے ایک عالمگیر
برادری کا رکن بن گیا۔ جس میں کامل مساوات ہے۔ ایک خدا کو ماننے کے بعد ہر غیر خدائی
وجود کی غلامی سے وہ منحرف ہو گیا، آزاد ہو گیا!"

مخبر: عالی جاہ! بجا و درست:

محمود: کاش حکومت کا بوجھ ہمارے سر پر نہ ہوتا، ہم صرف تبلیغ ہی میں اپنی ساری عمر صرف
کر دیتے:

مخبر: ہمارے پاس علماء اور صلحا اور صوفیا کی کمی نہیں وہ اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں اور کرینگے
سلطانِ عالم پناہ کو خدا نے اس لئے یہ قوت و طاقت دی ہے کہ وہ ظالم کا ہاتھ توڑ دیں
اور مظلوم کی دادرسی کریں:

محمود: ٹھیک کہتے ہو، لیکن ہمارا اسلام ہمیں ایک اور بات کا بھی تو حکم دیتا ہے۔ کسی کو ہم اسلام

قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ دوسری قوموں اور ملّتوں کے معاملات میں ہم خواہ مخواہ مداخلت
بھی نہیں کر سکتے۔ والد مرحوم ہرگز جے پال کی مملکت پر حملہ نہ کرتے۔ اگر وہ خود اپنی فوج لے
کر لمغان تک نہ چڑھ آتا۔ میں ہرگز جے پال کا زور نہ توڑتا۔ اگر وہ خود مجھے قتل کرنے اور غزنی
فتح کرنے کے لئے لاہور سے چل کر پشاور نہ پہنچ چکا ہوتا۔ ہم پہل نہیں کر سکتے۔ ہم ابتدا نہیں
کر سکتے۔ ہم ہرگز جنگ اور پیکار میں زیادتی نہیں کر سکتے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے بڑی
گراں بار ذمہ داریاں عائد ہیں ہم پر۔ انہیں نظر انداز کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔ اگر ہم
اپنے تئیں مسلمان کہتے ہیں تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اسلام کے احکام سے سرتابی کریں:

مخبر: عالی جاہ بجا ارشاد ہوا لیکن ——"

محمود: کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

مخبر: آپ اسلام کی تعلیمات کا اتنا پاس و لحاظ کرتے ہیں۔ لیکن دشمن تو نہیں کرتا ——"

محمود: لیکن وہ مسلمان کب ہے؟"

مخبر: مسلمان نہیں ہے۔ یہ صحیح ارشاد ہوا لیکن اپنے تئیں مسلمان کہتا تو ہے۔ اس کے نام
تو مسلمانوں ہی کے سے ہیں۔ آخر اسے کب تک ڈھیل دی جائے گی؟

محمود: ہم نہیں سمجھے تم کس کا ذکر کر رہے ہو؟ وہ کون مسلمان ہے جو ہمارا دشمن ہے؟ کیا
ایلک خان فرمانروائے ترکستان؟ کیا ابو العباس خان فرمانروائے خوارزم؟ کس کی
طرف اشارہ ہے تمہارا؟"

مخبر: غلام ایلک خان اور ابو العباس سے بھی پورے طور پر مطمئن نہیں۔ لیکن اس وقت تو حضرت
سلطانِ ملتان ابو الفتوح کا ذکر کر رہا تھا —— کیا وہ مسلمان نہیں!"

محمود: ہے —— کون اسے کافر کہتا ہے؟"

مخبر: اگر وہ مسلمان ہے تو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے پیمان وفا کیوں استوار کرتا ہے؟

محمود: ہم نہیں سمجھے تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

مخبر: "سلطان، ابوالفتوح نے بھاٹنڈہ کے تاجدار بجے رائے سے اور لاہور کے فرمانروا انند پال سے ایک معاہدہ کیا ہے، جس کا نام اس نے معاہدہ امداد باہمی رکھا ہے!"

محمود: "اس معاہدے کا مقصد؟"

مخبر: "اس معاہدے کا مقصد یہ ہے کہ اگر اب کبھی سلطان عالم پناہ نے ہندوستان پر چڑھائی کی تو ابوالفتوح بجے رائے اور انند پال کا ساتھ دے گا۔ وہ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو قتل کرے گا۔ مسلمانوں کی شیرازہ بندی کو نقصان پہنچائے گا۔"

محمود: "لیکن ایسا کیوں؟"

مخبر: "رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند۔"

محمود: "ہم نے تو ابوالفتوح پر کبھی کوئی زیادتی نہیں کی۔ اسے اپنا تابع اور محکوم بنانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اس سے خراج بھی نہیں وصول کیا۔ اس کے معاملاتِ سلطنت میں مداخلت بھی نہیں کی۔ جے پال سے لڑائی کے زمانہ میں اس کے حدودِ سلطنت کی طرف سے گزرے بھی نہیں۔ پھر آخر اس روش کا سبب؟"

مخبر: "بالکل یہی سوال معاہدے پر دستخط کرنے سے پہلے انند پال نے بھی کیا تھا!"

محمود: "پھر ابوالفتوح نے کیا جواب دیا؟"

مخبر: "اس نے کہا، دوسرے غیر مسلم تو ہماری نظر میں کافر ہیں۔ لیکن محمود اور عامۃ المسلمین تو کافرِ مطلق ہیں۔"

محمود: (برہم ہو کر) "یہ کہا اس نے؟"

مخبر: "عالی جاہ! یہی الفاظ تھے اس کے!"

محمود: "لیکن کس بنیاد پر؟ وہ ہم سب کو کافر کیوں سمجھتا ہے؟ کیا ہم نماز نہیں پڑھتے؟ روزہ نہیں رکھتے؟ حج نہیں کرتے؟ زکوٰۃ نہیں دیتے؟ قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرتے؟ حدیث نبوی پر اعتقاد نہیں رکھتے؟ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز نہیں پڑھتے؟ —— آخر کس بنیاد پر وہ ہمیں کافر سمجھتا ہے؟"

مخبر: "وہ اسمٰعیلی مذہب اختیار کر چکا ہے۔ اور قرامطہ کا یہ اصل اصول ہے کہ وہ اپنے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے۔"

محمود: "ابوالفتوح اسمٰعیلی بن گیا ہے؟"

مخبر: "عالی جاہ!"

محمود: "نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے؟"

مخبر: "عالی جاہ! حالات بہت ابتر ہو چکے ہیں۔ فوری توجہ کی ضرورت ہے۔"

محمود: "پھر تمہاری رائے کیا ہے؟"

مخبر: "جب تک دشمن کی قرار واقعی تادیب نہیں کی جائے گی۔ اس کے حوصلے بڑھتے رہیں گے وہ خطرناک سے خطرناک تر منصوبے تیار کرتا رہے گا۔"

محمود: "ہاں —— ہمارا بھی یہی خیال ہے۔"

مخبر: "اسی لیے غلام عرض کرتا ہے کہ دشمن کو مہلت نہ دی جائے۔"

محمود: "دشمن کو ہرگز مہلت نہیں دی جائے گی۔ ہم سب سے پہلے بھاٹنڈہ پر حملہ کریں گے —— بہت جلد، بہت جلد!"

مخبر: "لیکن سلطان عالم پناہ، بھاٹنڈہ پر کیوں؟"

محمود: "اور اس کے بعد انند پال کی خبر لیں گے۔"

مخبر: "لیکن سلطان عالم پناہ صرف بجے رائے اور انند پال کی خبر کیوں لی جائے گی؟ —— ابوالفتوح ——؟"

محمود: "تمہاری باتوں پر ہم یقین کرتے ہیں، تمہاری اطلاعات پر ہمیں بھروسہ ہے۔ بتائے کہ ہم کفار کی سرکوبی تو کر سکتے ہیں، مسلمان کی نہیں۔ جب تک ہمیں خود یقین نہ ہو جائے کہ واقعی ابوالفتوح ملحد ہو گیا ہے اور اس نے انند پال اور بجے رائے سے معاہدہ امداد باہمی کر لیا ہے۔ ہم

نہیں چھیڑیں گے۔ وہ نہیں کافر سمجھتا ہے۔ سمجھے لیکن ہماری نظروں میں وہ ابھی تک مسلمان ہے اور مسلمان کے لئے ہمارے سامنے اسلام نے جو مثال پیش کی ہے "اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا" ایک مسلمان دوسرے مسلمان کیلئے ایک عمارت کی طرح ہوتا ہے کہ اس کے ایک حصّہ سے دوسرا حصّہ تقویت پاتا ہے ——— ہم تو اس فکر میں تھے کہ اگر ابوالفتوح کو ضرورت ہوگی تو آنند پال اور بجے رائے کے مقابلہ میں اس کی مدد کریں گے ——— بہر حال ابھی ابوالفتوح پر حملہ نہیں کر سکتے۔

مخبر: عالی جاہ کی رائے بہت مناسب ہے۔

محمود: لیکن ایک بات تو سوچو، بجاٹنہ پر حملہ کرنے سے بھی وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ جو تم چاہتے ہو ——— ہے نا؟

مخبر: کیونکر عالی جاہ؟

محمود: اگر تمہاری اطلاع صحیح ہے تو بجاٹنہ پر حملہ آور ہونے کے بعد ابوالفتوح اس کی مدد کرے گا۔ اور ہمارے راستہ میں مشکلات پیدا کرے گا۔ اگر ایسا ہوا تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے اور پھر دوسرا قدم اٹھائیں گے اور اگر برعکس ہوا یعنی بجاٹنہ پر ہمارے حملہ آور ہونے کے بعد ابوالفتوح نے ہماری مدد کی یا کم از کم غیر جانبدار رہا تو ہم سمجھ لیں گے تمہاری اطلاع صحیح نہیں ہے پھر ہم اس سے کوئی تعرض نہیں کریں گے اور بجاٹنہ فتح کر کے چلے آئیں گے۔ اس طرح سانپ بھی مر جائے گا اور خون مسلم کی ذمہ داری بھی ہم پر عائد نہیں ہوگی۔

مخبر کا بکا سلطان کی طرف دیکھنے لگا۔ اسکے وہم وگمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ محمود کی اسلامیت ایک بہت بڑے دشمن ——— ابوالفتوح ——— کو پنپنے اور ابھرنے کا یوں موقع دے گی لیکن خاموش بیٹھنے کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا وہ سلطان کے بحث وگفتگو تو نہیں کر سکتا تھا جتنی باتیں اس نے سلطان سے کرلی تھیں، یہی بہت تھیں!

اس گفتگو کے بعد محمود کے چہرے پر تنفّس کے آثار پیدا ہو گئے اور وہ خاموشی کے ساتھ دوسرے ہال میں چلا گیا!

---

(۲۰)

بجے رائے کی شکست

بجے رائے بجاٹنہ کا راجہ بڑا مغرور، سرکش اور متمرد تھا۔ وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اگرچہ وہ آنند پال کا تابع اور ماتحت تھا۔ لیکن اس کی پرواہ بھی نہیں کرتا تھا[1]۔ اس کے تمرد اور سرکشی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ——— "بجاٹنہ کے کئی طرف بڑے بڑے صحرا اور جنگلوں کی فصیلیں کھڑی تھیں جنہیں کسی غنیم کا طے کرنا دشوار تھا[2]" ———

——— "بجاٹنہ کی شہر پناہ بے حد بلند اور مضبوط تھی۔ اس کے گرد ایک خندق تھی جس کی تھاہ کا پتہ نہ تھا۔ بجے رائے کثرت فوج اور ہاتھیوں کی طاقت پر بہت مغرور تھا[3]" بجے رائے کو یقین تھا کہ دشمن اس کی سرحد تک نہیں پہنچ سکتا، اور اگر کسی طرح پہنچ بھی جائے تو صحیح سلامت واپس نہیں جا سکتا۔ اسے اطمینان تھا وہ ناقابل فتح ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی۔ وہ اپنی مجلسوں اور صحبتوں میں محمود کی قوت و شوکت کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ ایک روز اپنے ندیموں اور مصاحبوں کی مجلس میں بیٹھا وہ اسی قسم کی باتیں کر رہا تھا محمود کے ذکر پر اس نے کہا۔

---

[1] تاریخ فرشتہ ۴۷۔

[2] تاریخ پاکستان و بھارت (رشید اختر)، ۱۱۹

[3] تاریخ فرشتہ ۴۷۔

"اگر واقعی بڑا بہادر اور جیالا ہے تو بھاٹنہ کا رُخ کیوں نہیں کرتا؟ ہم چاہتے ہیں کہ وہ یہاں آئے تاکہ ہم اس کی مہمانداری کی عزت حاصل کریں۔"

ایک صاحب نے کہا: "بھاٹنہ بھاٹنہ ہے، لاہور یا پشاور نہیں۔ یہاں آتے ہوئے محمود کا کلیجہ کانپتا ہے۔ وہ کسی طرح اس طرف کا رُخ نہیں کر سکتا۔"

بجے رائے ہنسنے لگا: "نہیں یہ نہ کہو، وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ بڑا اولوالعزم بادشاہ ہے وہ جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ ہاں ——— لیکن بھاٹنہ کی طرف آتے ہوئے ذرا اُسے اختلاجِ قلب کی شکایت ہونے لگتی ہے۔ کہاں ہیں ہمارے وید جی مہاراج، ان سے کہو کوئی ایسا رسائن تیار کریں کہ بیچارے کا دل مضبوط ہو جائے اور وہ یہاں آسکے ———!"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک فوجی سردار سہما اور گھبرایا ہوا آیا۔ بجے رائے اس وقت ترنگ میں تھا اُسے دیکھ کر کہنے لگا:

"تم تو ایسے گھبرائے ہوئے آئے ہو جیسے محمود چڑھ آیا ہماری راجدھانی پر؟"

وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا: "ان داتا، وہ سچ مچ آگیا!"

بجے رائے نے کڑک کر پوچھا: "کون آگیا؟"

لرزتی ہوئی آواز میں سردار نے کہا: "محمود!"

محمود کا نام سن کر بجے رائے چکرا گیا۔ ابھی وہ بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہا تھا، لیکن جب یہ خبر ملی کہ محمود آگیا اور فصیل کے سامنے اپنا لشکر لئے پہنچا ہی چاہتا ہے تو دم بخود ہو گیا۔ خود اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ لیکن اس نے اپنی کمزوری ظاہر نہ ہونے دی۔ بڑے جیالے پن سے کہا: "آگیا تو آنے دو، ہم اس سے مقابلہ کریں گے ——— یہیں تو مزہ آئے گا لڑائی کا!"

اور یہ محمود واقعی بڑا عجیب و غریب شخص تھا۔ یہ بڑے بڑے صحراؤں اور خوفناک جنگلوں

اور وادیوں اور پُرخطر جھاڑ جھنکار سے ہوا کی طرح گزرتا[1] اور منزلِ مقصود کی طرف بڑھتا رہا۔

ابوالفتوح کو یہ ہمت تو نہیں ہوئی کہ وہ آمنے سامنے آکر محمود کو روکنے کی کوشش کرتا۔ اس لئے کہ محمود کا یہ حملہ آناً بے سان و گمان تھا کہ پہلے سے اس کی مدافعت کی تیاری ممکن ہی نہیں تھی نیز ساز و سامانِ جنگ، تعدادِ فوج اور رسل و رسائل کے اعتبار سے بھی وہ بجے رائے کے مقابلہ میں کہیں فروتر تھا لیکن اپنے معاہدے کا پاس تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ محمود صحیح سلامت بھاٹنہ کی سرحد پر پہنچ جائے۔ اگرچہ محمود نے اتنی احتیاط کی تھی کہ وہ ملتان کی سرحد کے پاس سے ہوتا ہوا بھاٹنہ روانہ ہوا تھا۔ اگر چاہتا تو آسانی سے ابوالفتوح کی سرکوبی سب سے پہلے کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ ابوالفتوح کو بالکل نہیں چھیڑا۔ البتہ ابوالفتوح بھاٹنہ کی درپردہ مدد کرتا رہا[2] ———"

بہرحال محمود غزنی سے طوفانِ آب و گیاہ کی طرح چلا۔ راستے کے تمام موانع اور مشکلات کو روندتا، پامال کرتا، ایک تیز دھارے کی طرح بہتا، بل کھاتا آخر بھاٹنہ پہنچ گیا۔

بجے رائے کی تیاریاں مکمل تھیں، وہ اپنی فوجوں کی خود کمان کرتا ہوا قلعہ سے باہر نکلا۔ محمود اگرچہ بجے رائے کی سرکوبی کے لئے آیا تھا۔ لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ وہ خود دشمن کی سرزمین پر پہنچا تھا۔ جنگ کا اعلان اس کی طرف سے ہو رہا تھا۔ اس لئے اس نے اتمامِ حجت ضروری سمجھی۔ اس نے اپنا ایک قاصد بجے رائے کے پاس بھیجا اور کہلایا:

"ہمیں تمہاری تیاریوں کا حال معلوم ہے۔ تمہاری سازشیں بھی ہم سے پوشیدہ نہیں۔ تمہارا جرم بہت بڑا ہے لیکن ہم درگزر کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر اپنی غلطی کا اعتراف کر لو، اپنی خطاؤں کا آئندہ کے لئے وعدہ کرو کہ نہ سازش کرو گے نہ شرارت۔ تمہاری حکومت تمہارے پاس رہے گی۔ تمہارا تاج نہیں چھینا جائے گا۔ تمہاری فوج منتشر نہیں کی جائے گی۔ تمہارا

---

[1] تاریخ پاکستان و بھارت ۱۱۹۔

نبات ماش تو گفتی کہ کرد و ماندے — گرہ گرہ شدہ خار ہا برو نشتر

بروں گزشتہ بروشہ شہریار چو باد — بہ زور ویں، و دیرہ آثار عذیب آذر

[2] تاریخ پاکستان و بھارت ۱۱۹۔

خزانہ نہیں لُوٹا جائے گا۔ تمہاری آبادی میں کسی قسم کا خلل نہیں آئے گا۔"

لیکن بجے رائے پر جو نشہ طاری تھا، وہ انعام و تفہیم اور فہمائش سے اُترنے والا نہیں تھا۔ وہ نہ صرف محمود کو سزا دینا چاہتا تھا بلکہ جے پال کی شکست کا انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا ابوالفتوح نے معاہدہ امداد باہمی کے ماتحت محمود کے راستہ میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس نے بجے رائے کو مدد پہنچانے کی کوشش کی، مگر اس مقصد میں بھی پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکا۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ وہ کر سکا۔ وہ صرف یہ کہ اس نے رسد کی فراہمی میں حصہ لیا، کچھ سپاہی بھی بھیج دئے، سامانِ جنگ کی کچھ مقدار بھی روانہ کر دی دولت بے اندازہ کا مالک تھا، اشرفیوں کے بہت سے توڑے بھی بھیج دئے۔ لیکن ان میں سے کسی چیز کی بجے رائے کو کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ اللہ کا دیا ہوا اس کے پاس سب کچھ تھا اور بہت بڑی مقدار میں تھا، اسے یقین تھا، فتح اس کے قدم چومے گی اور محمود کو بھاٹیہ میں ایسا سبق ملے گا کہ پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گھر سے باہر قدم نکالنے سے توبہ کرے گا۔"

محمود کے قاصد نے بڑی نرمی اور ملاطفت کے ساتھ اپنے آقا کا پیام پہنچایا، بجے رائے اتنا برہم تھا کہ اس کے لئے پورا پیام سُننا مشکل ہو گیا۔ بڑی مشکل سے یہ وقت اس نے کاٹا، جب پیام ختم ہو چکا تو حقارت کی نظر قاصد پر ڈالی اور کہا۔

"اپنے آقا سے کہہ دینا۔ بجے رائے رحم دل ہے۔ لیکن بہت زیادہ نہیں۔ وہ صرف اتنے رحم کا مظاہرہ کر سکتا ہے کہ قاصد کو قتل نہ کرے۔ حالانکہ وہ قتل کا مستحق ہے اور محمود کو جان اور آبرو صحیح سلامت لے کر نکل جانے دے، حالانکہ وہ اس کا استحقاق بھی کھو چکا ہے ——— بس یہ ہے تمہارے آقا کے پیام کا جواب ——— میں تمہاری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا، فوراً دور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔"

قاصد آخر محمود کا قاصد تھا، اس نے کہا۔

"میرا آقا، آپ سے بہت زیادہ رحم دل ہے، وہ آپ کو شکست دینے کے بعد بھی رحم کا مظاہرہ کرے گا!"

بجے رائے بھڑک گیا، اس نے کہا!

"تمہاری صرف اس لئے جان بخشی کی جاتی ہے کہ تم قاصد ہو!"

قاصد واپس چلا گیا اور بجے رائے کا جواب اپنے آقا کو سُنا دیا۔

محمود نے کہا: "دیکھا جائے گا!"

لڑائی شروع ہو گئی، پورے زور شور کے ساتھ ———!

مسلمان اور ہندو، دونوں بڑے جوش و خروش کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ ایک جذبہ تھا جو دونوں کو اُبھار رہا تھا، کسی کو اس کی فکر نہیں تھی، کون مارا گیا؟ ہر شخص کو صرف یہ فکر تھی کہ اس نے کتنے دشمنوں کو ہلاک کیا؟

تین روز تک متواتر شدت اور انہماک کے ساتھ یہ خون ریز اور ہولناک جنگ جاری رہی۔ لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ بظاہر ایسا معلوم ہونے لگا کہ لشکرِ کفار غالب آ جائے گا، یہ رنگ دیکھ کر محمود نے اپنے لشکر میں منادی کرا دی کہ آج ——— جنگ سلطانی ہوگی، لشکر کا ہر شخص جان دینے کے لئے تیار ہو جائے، جب بجے رائے کو مسلمانوں کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو پریشان ہو کر بت خانہ میں آیا اور اپنے معبودوں سے مدد مانگی، مسلمانوں نے میمنہ و میسرہ دونوں جانب سے یکبارگی ہندوؤں پر حملہ کر دیا۔ اور چاشت کے وقت سے لے کر آفتاب ڈھلے تک مردانگی اور شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ محمود نے خدا سے گڑگڑا کر دعا کی پھر قلب پر حملہ کر دیا، اس حملے سے ہندو فوج کا شیرازہ بکھر گیا۔ بجے راؤ قلعہ بند ہو گیا۔ محمود نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، بجے رائے نے دیکھا اب حریف سے چھٹکارا محال ہے۔ تو بدحواسی کے عالم

لے تاریخ فرشتہ

میں قلعہ سے بھاگ[1] ——— اور ——— جنگلوں میں جا چھپا، مگر تعاقب کرنے والے (مسلمان) شکاریوں کی طرح پیچھے لگے رہے۔ راجہ نے مایوس ہوکر خودکشی کرلی، اور یہ علاقہ براہِ راست غزنی کے ماتحت کر دیا گیا[2] ———! "اس فتح میں دو سو اسی ہاتھی اور بیش قیمت چیزیں بطورِ مالِ غنیمت حاصل ہوئیں[3] ——— :

محمود نے بھاٹنہ فتح کرنے کے بعد غزنی کا راستہ لیا[4] ——— وہ ابوالفتوح کو ایک موقعہ اور دینا چاہتا تھا!"

---

[1] تاریخ فرشتہ، ۳۰
[2] تاریخ پاکستان و بھارت، ۱۱۹
[3] تاریخ فرشتہ، ۳۰
[4] تاریخ فرشتہ۔

(۱۲)

نند پال اور ابوالفتوح کی سازش

بھاٹنہ کی تباہی ایک بہت بڑا سانحہ تھی!

اس سانحہ نے نند پال اور ابوالفتوح دونوں کو حواس باختہ کر دیا تھا۔ اس مرتبہ تو محمود بھاٹنہ کو زیر و زبر کر کے چلا گیا۔ لیکن کیا وہ خاموش بیٹھے گا؟ کیا اب کی وہ ملتان اور لاہور کی خبر نہیں لے گا؟ دونوں کو یہ معلوم تھا کہ محمود معاہدہ امدادِ باہمی سے واقف ہو چکا ہے، دونوں یہ بھی جانتے تھے کہ اسی معاہدۂ امدادِ باہمی کے باعث بھاٹنہ والے کی شامت آئی،

پھر اب؟ ——— کیا ہوگا؟

محمود کی سبک روی نے غزنی اور ہندوستان کی مسافت وہ نہیں رکھی تھی، جو دو دور دراز ممالک میں ہوتی ہے۔ بلکہ وہ تھی، جو ایک محلّہ کے دو مکانوں میں ہوتی ہے۔ قدم اُٹھایا اور پہنچے۔ ارادہ کرتے ہی محمود لاہور یا ملتان پہنچ سکتا تھا ——— اگر واقعی وہ آگیا تو؟

یہ سوالات تھے جو نند پال اور ابوالفتوح کے دل و دماغ پر مسلّط تھے، اور ان کا کوئی حل سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

آخر ابوالفتوح نے ہمت کی، وہ شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ لاہور پہنچا، نند پال اس سے ملنے کے لئے ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اگر ابوالفتوح پیش قدمی نہ کرتا

توشاید وہ خود ملتان پہنچتا۔ لیکن وہ زحمتِ سفر سے بچ گیا۔ خود ابوالفتوح اس کے دروازے پر آگیا۔ کئی روز تک جشن کی سی کیفیت رہی۔ نندپال نے اپنے معزز مہمان کی خاطر داشت میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔ وہ ابوالفتوح کو اپنی شان و شوکتِ شاہانہ سے مرعوب بھی کرنا چاہتا تھا۔ وہ بتا دینا چاہتا تھا کہ وہ خود بھی بہت بڑی طاقت ہے۔ اور ملتان کی ہمت و سلامتی کا واحد طریقہ یہی ہے کہ وہ لاہور سے ربط و تعلق رکھے بغیر اس کے وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور ابوالفتوح نندپال کو یہ باور کرانے گیا تھا۔ اگر چہ لاہور بہت کچھ ہے لیکن ملتان کی موت لاہور کے سکرات کا پیش خیمہ ہوگی۔ اگر ملتان کا آفتاب عظمت و اقبال غروب ہوگیا، تو لاہور بھی موت کے پنجہ سے نہیں بچ سکے گا۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔

ابوالفتوح سلطان محمود سے دور رہنے اور نندپال سے قربت کا رشتہ پیدا کرنے پر یوں بھی مجبور تھا۔ کیونکہ اسمٰعیلی مذہب قبول کرنے کے بعد وہ اپنی مسلمان رعایا کی تائید و حمایت سے تقریباً محروم ہوگیا تھا۔ وہ اپنا ٹھاٹھ اسی طرح قائم رکھ سکتا تھا۔ کہ رعایا پر یہ دھونس بھی رہے کہ لاہور اس کا پشت پناہ ہے۔ ذرا بھی اگر بغاوت یا سرکشی کا مظاہرہ ہوا تو لاہور کی فوجیں ان کی آن میں پہنچ جائیں گی اور ہر مخالفانہ قوت کو کچل کر رکھ دیں گی۔ وہ جانتا تھا اسمٰعیلی مذہب قبول کرنے کے بعد وہ کسی حالت میں اس کی توقع نہیں کرسکتا۔ کہ محمود اس کی ذرہ برابر بھی مدد کرے گا۔ محمود ہی سے نہیں۔ وہ کسی اسلامی سلطنت سے بھی امداد و اعانت کی توقع نہیں کرسکتا تھا۔ لہٰذا اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار بھی نہیں تھا کہ وہ نندپال سے ساز باز کرے۔ اس کی بادشاہت صرف اسی طرح قائم رہ سکتی تھی۔ اور خود نندپال کا بھی اسی میں بھلا تھا۔

نندپال کے لئے یہ بہت تھا کہ ایک مسلمان بادشاہ اس کی "تائید و حمایت پر ہے۔ اس سے قطعاً بحث نہیں تھی۔ کہ وہ بادشاہ خود اپنی رعایا کی نظر میں کتنی وقعت رکھتا ہے؟

[illegible] پاکستان و بھارت۔ ۱۱۹

اور اس کی عظمت و عزت خود اپنے ملک میں کیا ہے؟
کئی دن جشن کی تقریبوں میں گزر گئے۔ جب اس گہما گہمی سے ذرا فراغت ہوئی تو نندپال نے ایک روز تخلیہ میں ابوالفتوح کو دعوتِ ملاقات دی۔
دونوں فرماں روا آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ نندپال کی طرف سے لطف و مدارات کا بڑے مبالغہ کے ساتھ اظہار ہو رہا تھا۔ ابوالفتوح نے بھی نیازمندی اور فروتنی ظاہر کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔
نندپال نے کہا: "ہمارا دل فخر و مسرت سے معمور ہے کہ آپ نے یہاں تک آنے کی زحمت گوارا کی۔"
ابوالفتوح نے جواب دیا: "دنیا نندپال کی شجاعت، سخاوت، دلیری اور قوت و شوکت کی ثناخواں ہے۔ ملتان اور لاہور کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے ہیں! اب بھی ہیں اور ——"
نندپال۔ "اور ہمیشہ رہیں گے۔"
ابوالفتوح: "میری بھی یہی تمنا ہے۔ اسی تمنا کو لے کر یہاں آیا ہوں۔ اس سے پہلے سہل کو میں نے اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ اس مرتبہ خود آگیا۔"
نندپال: "آپ کے اس اخلاص اور تپاکِ خاطر کا ہمارے دل پر بہت گہرا اثر ہے۔"
بے شک نندپال کے دل پر ابوالفتوح کے اخلاص کا بڑا گہرا اثر تھا۔ لیکن اس کے دلِ ناتواں پر محمود کی دہشت بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ نیچے باپ کا انجام دیکھ کر وہ دہل گیا تھا۔ ہم اور ابوالفتوح اس کی اس کیفیت کو اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔
نندپال نے کہا: "ہماری خواہش ہے کہ ملتان اور لاہور کے تعلقات میں زیادہ زیادہ استحکام پیدا ہو جائے۔"
ابوالفتوح: "یہ استحکام صرف سیاسی اور فوجی اتحاد ہی سے پیدا ہو سکتا ہے!"

نندپال: "وہ تو ہے!"

ابوالفتوح: "لیکن اس کی تجدید و توثیق کی ضرورت ہے۔ بغیر اس کے کام نہیں چل سکتا!"

نندپال: "اگر تجدید و توثیق مطلوب ہے تو وہ بھی ہو جائے گی۔ ہمیں کوئی تامل نہیں۔"

ابوالفتوح: "اور تجدید و توثیق یہ سمجھ کر ہونی چاہئے کہ ہم دونوں ساتھ ساتھ ڈوبیں گے، اور ساتھ ساتھ تیریں گے:"

پہلو بدلتے ہوئے نندپال نے کہا: "وہ تو بنی ہے، بیشک!"

ابوالفتوح: "خوب سمجھ لیجئے حالات کی نزاکت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔"

نندپال: "حالات کی نزاکت ہم پورے طور پر محسوس کر رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ایک نہ ایک روز ہمیں محمود سے نپٹنا پڑے گا!"

ابوالفتوح: "ایک نہ ایک روز کی الجھن میں نہ رہئے۔ میرا خیال ہے کہ بہت جلد ہمیں محمود سے کھلم کھلا جنگ کرنی پڑے گی، بہت جلد!"

نندپال: "ہاں یہ ہو سکتا ہے!"

ابوالفتوح: "یہ ہو گا اور ضرور ہو گا۔ محمود ہمارے معاہدۂ امدادِ باہمی سے واقف ہو چکا ہے کھلی ہوئی بات ہے، وہ اس معاہدہ کو پسند نہیں کر سکتا۔ وہ اسے گوارا نہیں کر سکتا کہ یہ معاہدہ قائم رہے۔ وہ اسے بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ یہ معاہدہ کرنے والے فرماں روا زندہ رہیں:"

نندپال ——————— کیا وہ

خدا ہے! کیا زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے؟ کیا لوگوں کو جلانا اور مارنا وہی ہے؟"

ابوالفتوح: "واقعہ یہ ہو یا نہ ہو، کم از کم وہ تو یہی سمجھ رہا ہے۔ آپ مجھے بتائیے بیچے راے نے محمود کی کیا خطا کی تھی؟ ان دونوں میں کونسی دشمنی تھی؟ کس بات پر اختلاف تھا؟ جے پال سے محمود کی جتنی جنگیں ہوئیں، ان میں سے ایک میں بھی تو وہ بے چارہ شریک نہیں ہوا۔"

نندپال: "ہاں ٹھیک ہے، وہ کسی جنگ میں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہوا!"

ابوالفتوح: "پھر وہ کیوں مارا گیا؟ آخر کس خطا پر؟ کس قصور پر؟ ——— کیا یہ بات نہ تھی کہ ——— اس خطا پر مجھے مار کر گنہگار نہ تھا! ——— ارشاد فرمائیے، میں غلط تو نہیں کہتا؟"

نندپال: "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ بیچے راے واقعی مظلوم تھا!"

ابوالفتوح: "لیکن آپ نے سوچا، وہ مظلوم کیوں خودکشی پر مجبور کیا گیا؟ کیوں اس کی حکومت پارہ پارہ کی گئی؟ کیوں اس کا علاقہ غصب کر کے غزنی کے ساتھ ملحق کر لیا گیا؟"

نندپال: "نہیں ——— آپ ہی بتائیے۔"

ابوالفتوح: "صرف اس لئے کہ وہ معاہدۂ امدادِ باہمی پر دستخط کر چکا تھا، اور محمود اپنی فطرت اور طینت کے لحاظ سے ہر خطا معاف کر سکتا تھا لیکن اس جرم سے ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔"

نندپال: "بات قرینِ قیاس ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ پھر آپ کیوں بچ گئے؟"

ابوالفتوح: "اس لئے کہ بیچے راے کی بے گور و کفن لاش پکار پکار کر مجھ سے کہہ رہی تھی ؎

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہو"

نندپال: "اور میری طرف محمود نے توجہ کیوں نہیں کی؟"

ابوالفتوح: "تاکہ وہ جنگ کی تیاری کرے پھر حملہ کرے۔ وہ اگر خاموش ہے، یا جائنہ کو تاراج کر کے چپ چاپ چلا گیا۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ڈرا صلح کل، مرنجاں مرنج اور عافیت کوش ہے۔ نہیں یہ بات نہیں، وہ بڑا ہوشیار اور زیرک ہے، وہ اتنا ہی کام کرتا ہے جتنا آسانی سے کر سکے۔ اس نے جائنہ کو تاراج کیا۔ وہاں کا خزانہ لوٹ لیا۔ ان اضلاع پر قبضہ کر لیا۔ اس سارے علاقہ کا الحاق کر لیا۔ یہ سب کچھ ہضم کرنے میں کچھ دیر لگے گی۔ لیکن یقین کیجئے ہضم کرنے کے بعد تو کارِ ملتان یا لاہور ہی میں آ کر ے گا۔"

نندپال: "واقعی آپ نے بڑا اچھا تجزیہ کیا محمود کا!"

ابوالفتوح: "بندہ پرور! میں اپنی دُور بینی اور مآل اندیشی کی داد لینے نہیں حفظ و دفاع کی تدابیر پر صلاح و مشورہ کرنے آیا ہوں!"

نندپال: "تو بتلایئے پھر کیا راہِ عمل ہونی چاہیئے، ہماری اور آپ کی؟"

ابوالفتوح: "وہ تو بالکل صاف اور واضح ہے۔"

نندپال: "بتایئے، فرمایئے!"

ابوالفتوح: "یہ کہ ہر حالت میں ہم ایک دوسرے کے معاون اور مددگار رہیں گے!"

نندپال: "یہ بات تو طے شدہ ہے، دہرانے سے کیا حاصل۔ سوال یہ ہے کہ ہمارے تحفظ و دفاع کی لائن کیا ہونی چاہیئے؟"

ابوالفتوح: "یہی تو میں عرض کر رہا تھا —— ہمیں یہ طے کر لینا چاہیئے اور اس فیصلہ پر چٹان کی طرح قائم اور استوار رہنا چاہیئے کہ ہم طاقت کے آگے سر نہیں جھکائیں گے!"

نندپال: "طاقت کے آگے خوشی سے کوئی بھی سر نہیں جھکاتا، جھکانا پڑتا ہے!"

ابوالفتوح: "میں سمجھتا ہوں لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ جو سر خود جھکنا نہ چاہے اُسے توڑا جا سکتا ہے۔ جھکایا نہیں جا سکتا —— ہمیں ٹوٹنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ جھکنے کے لئے نہیں!"

یہ باتیں سُن کر نندپال سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے سامنے ان جنگوں کے مناظر آ گئے جو جے پال نے سبکتگین اور محمود سے لڑی تھیں۔ ابوالفتوح بڑا چلتا ہوا آدمی تھا، تاڑ گیا، چال بازی مر رہا ہے۔ اُس نے کہا: "میں اصرار نہیں کرتا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے سابقہ معاہدے کو فسخ کر دیں!"

نندپال چونک پڑا۔

"کیا کہا آپ نے؟ —— اپنے سابقہ معاہدے کو فسخ کر دیں —— کیوں؟"

ابوالفتوح: "اگر آپ اکیلے مرنا چاہتے ہیں تو میں ساتھ دینے پر اصرار نہیں کرنا چاہتا۔!"

نندپال: "مرنے جینے کا کیا سوال ہے اس موقع پر؟"

ابوالفتوح: "فقط یہی تو ایک سوال ہے، باقی —— مذاق ہے!"

نندپال: "کیونکر؟ کیسے؟ عجیب باتیں ہیں آپ کی۔"

ابوالفتوح: "مرنے سے تو مفر نہیں، یہ بات تو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے!"

نندپال: "یہی تو پوچھتا ہوں، کیونکر؟ کیسے؟"

ابوالفتوح: "وہ ایسے کہ میرے مخبروں نے اطلاع دی ہے کہ محمود جنگی تیاریوں میں شب و روز مشغول ہے!"

یہ سنکر نندپال کانپ گیا۔ اُس نے کہا: "کم بخت نے پھر جنگی تیاریاں شروع کر دیں؟"

ابوالفتوح: "جناب —— اور وہ بھی بڑے زور شور سے!"

نندپال: "لیکن کیوں اور کس کے خلاف —— میرا جہاں تک تعلق ہے مجھ سے اب تک اُس کا وہی معاہدہ چل رہا ہے، جو میرے والد مہاراجہ جے پال سے ہوا تھا اور اگرچہ میرا ارادہ ہے لیکن اب تک میں نے اسے شکایت کا موقع نہیں دیا ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ آپ سے کیوں خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ کرے گا؟ آخر کوئی سبب بھی تو ہونا چاہیئے جنگ و پیکار کا؟"

ابوالفتوح: "سبب کو نہ پوچھئے۔ وہ تو حسبِ موقع پیدا کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے شیر و بکری کے بچے کی وہ کہانی تو سنی ہوگی۔ جب ایک بکری کا بچہ نشیب میں کھڑا پانی پی رہا تھا اور شیر نے اسے دیکھا اور پانی پیتے پیتے کہا: تو پانی گدلا کیوں کر رہا ہے؟ بچے نے کہا: جہاں پناہ! میں نیچے ہوں آپ اوپر! آپکے پاس سے جو پانی آ رہا ہے اسے استعمال کر رہا ہوں: میرا استعمال کیا ہوا پانی حضور تک پہنچ ہی نہیں سکتا! شیر نے کہا: تو پھر یہ حرکت تیرے باپ نے کی ہوگی! یہ کہہ کر وہ نیچے اترا اور چیر پھاڑ کر رکھ دیا بچے کو۔

محمود جب لڑنا چاہے گا تو ہمیں ہزار بہانے پیدا کرے گا ——— اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ———"

نند پال: "وہ لڑنا چاہتا ہے۔ لڑائی کی تیاریاں کر رہا ہے!"

ابوالفتوح: "جناب!"

نند پال: "لیکن یہ بھی تو معلوم ہونا چاہئے، کس سے لڑنا چاہتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر کرے!"

ابوالفتوح: "فرض کیجئے۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک سے یا ہم دونوں سے! ——— کوئی تیسری طاقت ایسی نہیں ہے جس سے وہ لڑے! اس لئے کہ وہ عقاب بن کر اڑانا چاہتا ہے۔ سونے کی چڑیا ہے ہے۔ وہ جانتا ہے۔ لاہور بھی سونے سے چاپڑ ہے اور ملتان کو تو سونے کا گھر کہتے ہیں!"

نند پال: "اب یہ بھی بتا دیجئے، ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

ابوالفتوح: "ایک ایسا معاہدہ جس کی رو سے ہم ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند ہو جائیں۔ میں پھر کہتا ہوں اس حقیقت کو ہرگز فراموش نہ کیجئے کہ اگر محمود نے ملتان کو فتح کر لیا تو لاہور کی خیر نہیں اور اگر لاہور کو فتح کر لیا تو ملتان کی خیر نہیں۔ جب یہ بات طے شدہ ہے تو پھر ہم ایک دوسرے کا آخر وقت تک ساتھ دینے میں تامل کیوں کریں!"

ابوالفتوح کے دلائل نے نند پال کو قائل کر دیا۔ اس نے محسوس کر لیا، واقعی اب مرحلہ ایسا آ گیا ہے کہ ملتان اور لاہور کی زندگی ایک دوسرے سے وابستہ ہو گئی ہے۔ نند پال نے فیصلہ کن انداز میں کہا: "میں اس معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

اور دوسرے روز ابوالفتوح اور نند پال نے ایک معاہدے پر دستخط کر دیئے!

ﺷﮧ لانہا فتحت فی اول الاسلام وکان بالمسلمین قحط وضیق فوجد وافیہا ذھبا کثیرا - (ابن حوقل)

(۲۲)

ابوالفتوح کی توبہ

بھاٹیہ کو تاراج کرنے کے بعد محمود غزنی پہنچا! ——— اس لئے نہیں کہ آرام کرے اور ستائے، اس لئے کہ تیاریاں کرے اور ملتان کو فتح کرے۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ ابوالفتوح ملحد بھی ہے اور کافروں سے اسلام کے دشمنوں سے سلطنت غزنی کے بدخواہوں سے سازباز بھی کر چکا ہے اب اس کے ساتھ رعایت کے کوئی معنی نہیں، اب اس کے ساتھ رعایت اسلام کے ساتھ غداری تھی۔ محمود سب کچھ کر سکتا تھا۔ مگر اسلام کے ساتھ غداری نہیں کر سکتا تھا وہ اپنے دشمنوں کو معاف کر سکتا تھا، لیکن اسلام کے دشمنوں سے صلح نہیں کر سکتا تھا، اگر ابوالفتوح کا صرف یہ جرم ہوتا کہ محمود کی مدد نہ کرتا، یا محمود کی مخالفت کرتا اور بجے راے کا ساتھ دیتا تو ممکن تھا وہ اس سے درگزر کرتا، لیکن ابوالفتوح کے الحاد کو نظر انداز کرنا معصیت سمجھتا تھا۔ اس لئے کہ ابوالفتوح کوئی شخص کوئی فرد واحد نہیں تھا جو ملحد ہو گیا تھا۔ وہ ملتان کا فرماں روا تھا، ایک ملک کا بادشاہ تھا اور اپنی مسلمان رعایا پر اپنے گمراہ کن عقائد ٹھونسنے اور مسلط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا الحاد ایک متعدی مرض تھا جس سے دوسرے مسلمانوں کا متاثر ہونا قطعی اور یقینی تھا۔ اور اسے وہ کسی صورت میں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

ایک سال کی جنگی تیاریوں کے بعد ۳۹۶ھ میں وہ ایک لشکرِ جرار لے کر ملتان کی طرف بڑھا ——— "وہ خوب جانتا تھا، اگر میرے اس حملہ کی خبر داؤد (ابوالفتوح) کو ہو گئی تو وہ اپنے بچاؤ کی فوراً کوئی تدبیر کرے گا۔ اس نے درۂ بولان کے قریبی راستے کو چھوڑ کر درۂ خیبر کی طرف سے دریائے سندھ کے پار اترنا چاہا۔ لاہور کے تخت پر جے پال کا لڑکا نند پال متمکن تھا اور یہ علاقہ اسی کے ماتحت تھا[1]"

محمود نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ نند پال کے ملک میں اپنی فوجیں اتار دے۔ اسے اگرچہ معاہدۂ امداد باہمی کا پورا پورا علم تھا، اور یہ معاہدہ اس معاہدہ کے خلاف تھا جو اس کے اور لاہور کی حکومت کے مابین بہت پہلے ہو چکا تھا، لہٰذا بڑی آسانی سے وہ سابقہ معاہدے کو توڑ کر لاہور کے راستے ملتان جا سکتا تھا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اُس نے فیصلہ کیا جب تک خود نند پال اس معاہدے کو نہ توڑ دے، وہ بہر حال اس کا احترام کرے گا۔

چنانچہ محمود نے باقاعدہ نند پال سے اجازت طلب کی کہ ——— "مجھے ملتان جانے کا راستہ دے دو تاکہ آسانی کے ساتھ چلا جاؤں۔ مگر نند پال کسی صورت سے رضامند نہ ہوا[2]، بلکہ ——— "وہ بیچ میں حائل ہو کر محمود کی کامیابی میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگا[3] ———

کیونکہ ابوالفتوح کو اس حملہ کی ——— خبر ہو گئی تھی۔ وہ یہ سُن کر بہت گھبرایا۔ اس نے نند پال کو اطلاع دی۔ وہ حقِ ہمسائگی، سیاسی مصلحت اور معاہدے کی بنا پر ایک بڑی فوج لے کر محمود کو روکنے کے لئے پشاور جا پہنچا[4] ———!"

نند پال کی اس حرکت سے سلطان محمود ——— بہت غضبناک ہوا اور لشکر کو حکم دیا کر پہلے اس ناعاقبت اندیش کے مقابلے میں صف آرا ہو جائے[5] ——— اور اس

[1] تاریخِ سندھ، ۲۶۵
[2] تاریخِ فرشتہ، ۲۶۵
[3] تاریخِ سندھ، ۲۶۵
[4] تاریخِ سندھ بحوالہ تاریخ الفی، ۲۶۵

کی سرکوبی کر کے ملتان کی طرف پیش قدمی کی جائے:

محمود اور نند پال کی فوجوں میں زبردست ٹکر ہوئی۔ نند پال نے پورا زور لگا دیا، لیکن وہ محمود کے لشکر کی ٹکر نہ سہہ سکا۔ وہ اس کے سپاہی بڑی جانفروشی اور ہمت کے ساتھ لڑے لیکن آخر کار لڑتے لڑتے بچھڑ رہ گئے۔ محمود کی منظم اور باہمت فوج کا مقابلہ نہ کر سکے۔ محمود کے سپاہی ——— "ایسی جاں بازی اور سرفروشی سے لڑے کہ دشمن کی فوج کو بدحواس اور منتشر کر دیا[1] ——— راجہ نند پال شکست کھا کر بھاگا۔ ترکوں نے اس کا تعاقب دریائے چناب تک کیا[2] ——— جب نند پال نے کوئی مفر کی صورت نہ دیکھی تو کوہستان کشمیر میں جا کر پناہ گزیں ہو گیا[3]۔

محمود کے پیشِ نظر اس وقت نند پال کا قلع قمع نہیں تھا۔ اس نے نند پال کا زیادہ تعاقب نہیں کیا، سیدھا ملتان کی طرف بڑھ گیا۔

ابوالفتوح کو دم بدم خبریں مل رہی تھیں۔ اس نے نند پال کو محمود سے بھڑا دیا تھا، اور یہ سمجھ بیٹھا کہ وہ محمود کو روک سکے گا، لیکن جب یہ خبر ملی کہ نند پال کی ایک نہ چل سکی۔ اس کی فوج تباہ ہو گئی اور وہ خود کشمیر کے دروں میں جا کر روپوش ہو گیا، تو موت اپنے سامنے کھڑی نظر آئی۔ اُس نے سمجھ لیا، محمود اب پہنچا اور اب پہنچا۔ اب کسی طرح خیریت نہیں۔ محمود ——— "جلد ہی راہ سے ملتان پہنچا[4] ——— داؤد (ابوالفتوح) نے بچشمِ عبرت دیکھا کہ ——— "ہندکے سب بڑے راجہ کا محمود کے مقابلہ میں یہ حشر ہوا، تو خیریت اسی میں نظر آئی کہ قلعہ بند ہو جائے۔

اب محمود کی فاتح اور مظفر فوجیں ملتان کی سرحد میں داخل ہو چکی تھیں۔ اور قریب تھا کہ وہ ملتان کے اندر نعرۂ تکبیر بلند کرتی ہوئی پہنچ جائیں کہ ابوالفتوح نے اپنی حماقت اور غلطی محسوس کر لی ——— اس نے نہایت منت اور عاجزی کے ساتھ سلطان محمود کی خدمت

[1] تاریخِ فرشتہ، ۴۲
[2] تاریخِ فرشتہ، ۴۲
[3] تاریخِ سندھ، ۲۶۶

میں عفوِ تقصیر کی درخواست کی![۱]

محمود نے اس کے پیامبر سے کہا: "ہمیں عفوِ تقصیر میں کوئی عذر نہیں۔ لیکن ہم اسے گوارا نہیں کر سکتے کہ مسلمانوں پر ایک ایسا شخص حکومت کرے جس کے عقاید خراب ہیں، جو ملحد ہے، جو اپنے آبائی دین سے پھر چکا ہے، جو ایک گمراہ فرقہ سے تعلق رکھتا ہے ـــــ ابوالفتوح کو تختِ حکومت سے دست بردار ہونا پڑے گا!"

ابوالفتوح کے سامنے عقائد اور مسلک کی اتنی اہمیت نہ تھی جتنی حکومت کی۔ اس نے اپنے عقائد سے توبہ کر لی۔ اور پھر عفوِ تقصیر کی التجا کی۔ یہ التجا محمود تک اس وقت پہنچی، جب وہ قلعہ کا محاصرہ کر چکا تھا اور محاصرہ کو کئی دن کی مدت گزر چکی تھی[۲]۔

آخر آٹھویں دن[۳] سلطان محمود نے اس وقت محاصرہ اٹھانے کا حکم دیا جب ابوالفتوح نے اقرار کیا کہ ـــــ "وہ الحاد اور زندقہ سے تائب ہوتا ہے۔ شرعی احکام پر خود بھی عمل پیرا ہوگا۔ اور شرعی قوانین کو اپنے ملک میں بھی جاری کرے گا[۴] ـــــ"

نیز اس معاہدے کی رو سے یہ بھی طے پایا کہ ابوالفتوح ہر سال ـــــ دو لاکھ درہم[۵] غزنی بطور خراج بھیجا کرے گا، نیز یہ کہ ملتان کا ایک حصہ جو دریائے سندھ سے متصل تھا محمود کو دے دیا جائے گا تاکہ آئندہ اگر پھر اس قسم کی مہم کی ضرورت پیش آئے تو جگہ کاٹ کر دوسرے ملکوں سے آنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ چونکہ دونوں کی سرحدیں متصل ہو جائے گی، اس لئے حملہ کے وقت فوجی نقل و حرکت آسانی سے ہو سکے گی[۶] ـــــ"

---

۱ تاریخ فرشتہ

۲ تاریخ سندھ ۲۶۶

۳ تاریخ فرشتہ ص ۴۰

۴ تاریخ فرشتہ ص ۴۰

۵ زین الاخبار ص ۶۶) دو لاکھ، حبیبی نے دو کروڑ، ایلیٹ نے فرشتہ کے حوالے سے بیس ہزار لکھا ہے۔ تاریخ سندھ ۲۶۶

۶ تاریخ سندھ ۲۶۶

ابوالفتوح کی سپردگی نے محمود کا کام ختم کر دیا۔ وہ اس کے ملک پر قبضہ کرنے نہیں آیا تھا۔ ملتان کے مسلمانوں کو اس کے شر اور گمراہی سے بچانے آیا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے بعد وہ خوشی خوشی واپس جانے ہی والا تھا کہ ـــــ "ارسلان جاذب حاکم ہرات کے تیز رو قاصد خدمت سلطانی میں حاضر ہوئے اور ایلک خاں کی حملہ آوری اور غارت گری کی خبر دی۔ سلطان نے نظم مملکت ایک نو مسلم سکھ پال کے سپرد کیا اور خود جس تیزی سے آیا تھا، اسی تیزی سے واپس چلا گیا ـــــ!

---

(۲۳)

تُو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز!

نند پال کو اپنی قوت وطاقت پر بڑا زعم تھا، اپنی فوج اور اسلحہ پر بڑا ناز تھا۔ اپنے دبدبہ اور شوکت پر بڑا غرور تھا۔ وہ جے پال سے زیادہ برخود غلط تھا۔ اُس نے محمود کو ایک طفل ناداں سمجھ لیا تھا۔ اس کا خیال تھا محمود ہند و لشکر کی ایک ٹکر بھی نہ سہہ سکے گا۔ لیکن ع

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

محمود کی ایک ضرب نے اس کا سارا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔ اس کی موج در موج فوج بکھر کر رہ گئی۔ اس کی سلطنت کا نظام ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس کی عظمت و شوکت افسانۂ پارینہ بن گئی اور وہ کوہستان کشمیر میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔

لیکن اس شکستِ فاش نے اس میں انتقام کا مادہ اور زیادہ شدت کے ساتھ پیدا کر دیا۔ وہ مارِ دُم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا اس شکست کا جب تک بدلہ نہیں لے گا چین سے نہیں بیٹھے گا!

جب اُسے خبر ملی کہ محمود نے ابوالفتوح کی گوشمالی کر کے بہ تعداد وافر خراج وصول کر کے اور اس کی توبہ قبول کر کے غزنی کا راستہ لیا۔ تب وہ کوہستان کشمیر سے واپس [illegible] اس نے اپنی بکھری ہوئی فوج جمع کی، اپنی سلطنت کے بگڑے ہوئے نظام کو درست [illegible] راج سنگھاسن پر بیٹھ گیا۔ اس کی قوم بڑی سادہ لوح تھی۔ جب وہ راج سنگھ[illegible]

تھا تو بے چون و چرا اطاعت کرنے لگتی تھی اور جب شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کرتا تھا تو اُسے بھول جاتی تھی۔ لاہور واپس آ کر وہ سوچنے لگا، شکست کا داغ اپنے دامن سے کس طرح دھوئے، اور کس طرح کھویا ہوا وقار حاصل کرے؟

ایک روز وہ اسی فکر میں مستغرق بیٹھا تھا کہ جبونت آ گیا۔ بڑی دیر تک وہ ہاتھ باندھے کھڑا رہا، لیکن نند پال نے توجہ بھی نہ کی، کون آیا ہے؟ اور کیوں کھڑا ہے؟ جب بڑی دیر گزر گئی تو اس کے کانوں میں سسکیوں کی آواز آئی، سر اٹھا کر دیکھا تو جبونت کھڑا آنسو بہا رہا تھا۔

نند پال نے کہا: "ارے ——— تم کب آئے جبونت؟"

وہ روتا ہوا بولا: "بڑی دیر سے غلام موجود ہے!"

نند پال نے افسردہ لب و لہجہ میں پوچھا: "رو کیوں رہے ہو؟"

وہ باچشم پُرنم اور باگریہ گلوگیر گویا ہوا: "غلام سے اَن داتا کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی!" اور یہ کہہ کر وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس نے روتے روتے کہا:

"میں آپ کی یہ حالت نہیں دیکھ سکتا اَن داتا!"

نند پال کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے۔ اس نے دلگیر لہجہ میں پوچھا: "کیسی حالت دیکھ رہے ہو تم؟"

وہ بولا: "نہ آپ کو سیر و تفریح سے دلچسپی رہ گئی ہے، نہ شکار سے، نہ گانے والیوں اور ناچنے والیوں سے۔ طائفے کے طائفے روز آتے ہیں اور یونہی محروم و مایوس واپس چلے جاتے ہیں۔ نہ اب کھانے کا کوئی وقت مقرر ہے نہ آرام کا۔ میں دیکھتا ہوں رات رات بھر آپ جاگتے رہتے ہیں۔ حکومت کے کاموں سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔ کاغذات کا ڈھیر پڑا ہوا ہے مگر ان کے ملاحظہ کی نوبت اب تک نہیں آئی۔ نہ دربار خاص منعقد ہوتا ہے نہ دربار عام۔ سارا کام چوپٹ ہوا جا رہا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ لطافت [illegible] کہنے والوں، شعروں اور لطیفے بیان کرنے والوں کی جو سبھا ہوا کرتی تھی، اب وہ بھی نہیں ہوتی۔

میں اپنے آقا کی یہ حالت نہیں دیکھ سکتا۔ زندگی کا لطف جاتا رہا۔ جی چاہتا ہے کٹار مار لوں اپنے سینہ میں!"

نندپال نے بڑے مدھم لہجہ میں کہا: "بالکل یہی حالت میری ہے۔ ع

کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

میرا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ اس نامراد زندگی کو ختم کر ڈالوں اپنے ہاتھوں ——— اب زندہ رہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کیا فائدہ اس زندگی سے؟

جسونت: "آپ کو زندہ رہنا چاہئے۔ آپ کے دم سے ہندو دھرم کی عظمت قائم ہے۔"

نندپال: "بے نہیں ——— غلطی کہو۔ اب تو میں ایک لٹا ہوا مہرہ ہوں۔ اور بس ——— اس سے زیادہ میری کوئی حیثیت نہیں۔ ایک شکست نصیب آدمی کیا کر سکتا ہے جسونت؟"

جسونت: "انتقام لے سکتا ہے!"

نندپال: "ہاں یہی میں بھی سوچتا ہوں۔ لیکن جب اپنے آپ پر نظر ڈالتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں۔ انتقام بھی نہیں لے سکتا۔ انتقام لینے کی سکت اور ہمت مجھ میں نہیں ہے!"

جسونت: "کیوں اَن داتا؟"

نندپال: "میں ہار گیا۔ میری فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ میرے سردار قتل ہو گئے۔ میرے سپاہی غلام بنا لئے گئے۔ بتاؤ اب کس بستے پر میں محمود کا مقابلہ کر سکتا ہوں اور اگر کروں بھی تو شاید اس مرتبہ میدان جنگ سے صحیح سلامت واپس بھی نہ آ سکوں!"

جسونت: "لیکن محمود کا مقابلہ آپ تن تنہا کیوں کریں؟"

نندپال: "پھر ساتھ کون دے گا؟ ——— کیا ابوالفتوح؟ وہ تو بتاشہ کی طرح بیٹھ گیا۔ بڑے زور شور سے اٹھا تھا لیکن سر اطاعت خم کر کے خطرات کو ٹال گیا! توبہ کر لی!"

جسونت: "وہ تو میں جانتا تھا یہی ہوگا ——— آپ راجگان ہند سے امداد نہیں کرتے؟"

نندپال: "وہ آکر کون سے گڑھ جیت لیں گے؟ آ تو چکے ہیں۔ میرے باپ کے زمانہ میں وہ بھی اسی طرح ہارے جس طرح میرا باپ، جس طرح میں!"

جسونت: "نہیں یہ کہئے وہ بات دوسری تھی!"

نندپال: "کوئی بات نہ تھی۔ صرف قسمت خراب تھی۔ مقدر کے تارے گردش میں تھے!"

جسونت: "نہیں اَن داتا ——— میرا کہا مانئے، وہ بات دوسری تھی۔"

نندپال: "آخر کیا تھی وہ دوسری بات؟ صاف صاف کیوں نہیں کہتے؟"

جسونت: "بے شک ہندو راجہ مہاراجے پال کی مدد کو آئے، مگر کامیاب نہ ہوئے ہماری طرح ہارے اور چلے گئے۔ مگر اس کی وجہ کیا تھی، آپ جانتے ہیں؟"

نندپال: "وجہ یہ تھی کہ وہ کمزور تھے پٹ گئے۔"

جسونت: "نہیں اَن داتا! وہ کمزور نہیں تھے۔ انہوں نے محمود کی طاقت اور اپنی قوت کا غلط اندازہ لگایا تھا!"

نندپال: "یہ بات تو اس وقت قابل تسلیم تھی۔ جب محمود کا لشکر تعداد میں زیادہ ہوتا اور ہمارا ہر اعتبار سے کمزور ہوتا۔ لیکن معاملہ تو بالکل برعکس تھا۔ ہماری فوجیں بہت زیادہ تھیں، ان کے پاس سامان جنگ نہایت اعلیٰ قسم کا تھا اور بہ کثرت تھا۔ پھر بھی ہم ہارے اور وہ جیتا!"

جسونت: "ٹھیک ہے اَن داتا!"

نندپال: "جب ٹھیک ہے تو اب راجگان ہند کی فوجیں آ کر کیا کر لیں گی؟ کیا تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی نہیں؟"

جسونت: "بیشک ہماری فوجیں محمود کے مقابلہ میں زیادہ تھیں۔ لیکن اس مرتبہ تعداد اور زیادہ ہونی چاہئیں۔ پہلے اگر ایک اور پانچ کا فرق تھا تو اس مرتبہ ایک اور پچاس کا ہونا چاہئے۔ محمود کے جیالے سپاہی کہاں تک ہمارے آدمیوں کو کاٹیں گے! کاٹتے کاٹتے تھک

تھک جائیں گے تب ہم اُنہیں ماریں گے۔ ذرا سوچئے تو اَن داتا، محمود کا ایک سپاہی ہمارے پانچ سپاہیوں پر غالب آجاتا ہے لیکن پچاس پر تو غالب نہیں آسکتا۔ پچاس آدمی اگر ایک آدمی پر صرف گر پڑیں تو بھی خواہ وہ کتنا ہی بہادر ہو پِس کر رہ جائے گا ——"

نندپال: "گویا تمہارا مطلب ہے کہ اس مرتبہ اپنا سارا زور اس پر لگانا ہے کہ ہمارے لشکر میں سپاہی زیادہ سے زیادہ تعداد میں موجود رہیں!"

جسونت: "اَن داتا میرا یہی مطلب ہے —— ہمارا ملک آدمیوں کا جنگل ہے۔ یہاں آدمیوں کی کیا کمی؟ ہم بڑی آسانی کے ساتھ لاکھوں آدمی میدانِ جنگ میں جمع کر سکتے ہیں۔"

نندپال: "ہاں کہتے تو ٹھیک ہو، مگر کیا تم سمجھتے ہو کہ راجگان ہند آسانی سے راضی ہو جائیں گے یہاں آنے پر؟ —— میرا تو خیال ہے کہ یہ بات بھی ناممکن ہے!"

جسونت: "نہیں اَن داتا، وہ ضرور ہماری مدد کریں گے!"

نندپال: "آخر کس طرح؟ —— قنوج ہم سے خفا ہے۔ کالنجر لاؤبالی سا ہے۔ اجمیر کو جو مزہ گھر میں آتا ہے باہر نہیں آتا۔ یہی حال اجین کا ہے —— مشکل ہے ان سب کا جمع ہونا۔"

جسونت: "بے شک مشکل ہے۔ لیکن دھرم میں بڑی قوت ہے۔ دھرم کے نام پر یہ سب جمع ہونے پر مجبور ہوں گے ——"

نندپال: "دھرم کے نام پر! (کچھ سوچ کر) دھرم کے نام پر! ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ اس طرح عوام سے بھی کافی مدد مل سکتی ہے۔"

جسونت: "بے شک مل سکتی ہے —— تُو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز!"

---

(۲۴)

دھرم کے نام پر

دوسرے روز نندپال نے جسونت کو بلایا۔ وہ فوراً حاضر ہوا اور دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ آج فضا کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ نندپال اس دن جتنا ملول وافسردہ اور شکستہ خاطر نظر آرہا تھا، آج اتنا ہی ہشاش بشاش اور خوش و خرم دکھائی دے رہا تھا۔

جسونت کی طرف دیکھ کر نندپال نے کہا: "کچھ تمہیں اندازہ ہے۔ ہم نے تمہیں کیوں یاد کیا ہے اس وقت؟"

جسونت نے عرض کیا: "اَن داتا میں نہیں جانتا!"

نندپال خوشی اور مسرت سے بے خود ہو کر بولا: "میں نے سوچ لیا!"

جسونت: "کون سی بات اَن داتا؟"

نندپال: "میں نے فیصلہ کر لیا! میں نے رائے قائم کر لی۔"

جسونت: "لیکن کس بارے میں میرے آقا؟"

نندپال: "میں خود جاؤں گا! رختِ سفر باندھ کر۔"

جسونت: "کہاں اَن داتا؟ آپ کہاں تشریف لے جائیں گے؟"

نندپال: "میرا یہ تیر ضرور نشانہ پر بیٹھے گا! میرا دل گواہی دیتا ہے۔"

جسونت: "غلام بالکل نہیں سمجھا اَن داتا! کیسا تیر؟ کیسا نشانہ؟"

نند پال: "میرا یہ داؤں پٹ نہیں پڑ سکتا جبونت!"

جبونت: "کس طرح کا داؤں ان داتا؟ ایسی باتیں تو غلام نے کبھی نہیں سنی تھیں۔"

نند پال سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا "تم کچھ نہیں سمجھے؟"

جبونت: "نہیں اَن داتا۔ ابھی نہیں سمجھا۔"

نند پال۔ (قہقہہ لگا کر) "تم بے وقوف ہو بالکل!"

جبونت: "ان داتا!"

نند پال: "ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ محمود سے لڑیں گے۔ اور اس مرتبہ ضرور اسے شکست دیں گے ——!"

جبونت: "بہت خوب، بہت خوب!"

نند پال: "ہم نے یہ فیصلہ بھی کر لیا ہے کہ راجگانِ ہند سے استمداد کریں گے، اور انہیں ہماری مدد کرنی پڑے گی!"

جبونت: "بے شک وہ ہماری مدد کرنے سے انکار نہیں کر سکتے۔"

نند پال: "اور ہمارا یہ فیصلہ بھی ہے کہ ہم قنوج، اجین، گوالیار، کالنجر، اجمیر، دہلی، گجرات ان میں سے کسی کے پاس اپنا قاصد نہیں روانہ کریں گے، بلکہ —— سوچو تو سہی ہم کیا کہنے والے ہیں؟"

جبونت: "بلکہ ——"

نند پال: "بس اتنا ہی دماغ پایا ہے تم نے؟ اتنی معمولی سی بات بھی نہیں سوچ سکے؟"

جبونت: "ان داتا میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

نند پال: "ان تمام راجاؤں کے پاس امداد طلب کرنے کے لئے ہم خود جائیں گے —— ہم خود بہ نفسِ نفیس!"

جبونت یہ الفاظ سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے بڑے تعجب کے ساتھ دریافت کیا۔

"آپ خود تشریف لے جائیں گے؟"

نند پال: "ہاں اور تم ہمارے ساتھ چلو گے؟"

جبونت: "غلام کے لئے اس سے بڑھ کر فخر کی بات کیا ہو سکتی ہے۔ وہ ضرور ہمرکاب چلے گا۔ لیکن ——"

نند پال: "لیکن کیا؟"

جبونت: "ان داتا کا جانا، راج اور پرجا دونوں کے لئے نامناسب ہے۔"

نند پال: "کیوں ——"

جبونت: "یہاں افراتفری پھیل جائے گی۔"

نند پال: "نہیں، یہ نہیں ہونے پائے گا۔ اس کا ہم پورا پورا انتظام کر لیں گے —— تم نہیں جانتے جبونت ہمارا بذاتِ خود جانا بہت ضروری ہے۔ بغیر اس کے کام بن ہی نہیں سکتا کسی طرح!"

جبونت: "یہ سچ ہے ان داتا کے جانے کا اثر بہت زیادہ ہوگا، پھر کوئی بھی انکار نہیں کر سکے گا۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ مدد دینے پر مجبور ہو جائے گا ——!"

نند پال: "تم ہی سوچو —— کتنی اچھی تدبیر آئی ہے ہمارے ذہن رسا میں؟"

جبونت: "بہت اچھی ان داتا بہت اچھی!"

نند پال: "لیکن ہمارے جانے سے پہلے تمہیں ایک کام کرنا پڑے گا —— تم بڑے بڑے پنڈتوں اور مہا پرشوں کو بلاؤ۔ انہیں زیادہ سے زیادہ انعام دو۔ ان کی جھولیاں سونے چاندی سے بھر دو۔ جو وہ مانگیں انہیں دو، ان کی ہر خواہش پوری کرو۔ اور انہیں آمادہ کرو کہ وہ دیس دیس پہنچیں اور اس جنگ کو دھرم کی جنگ بتائیں۔ وہ عوام کو بھڑکائیں، اکسائیں یقین دلائیں کہ اگر یہ جنگ لڑی گئی تو ہندو دھرم اس دھرتی سے اور اس دنیا سے ختم ہو جائے گا۔ ہندو مٹ جائیں گے۔ ہندو تہذیب فنا ہو جائے گی

جب تک عوام میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہوگا، ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

جسونت۔ "واقعی بڑی اچھی تدبیر ہے۔"

نندپال۔ "یہ کہو، اتنی اچھی تدبیر ہے کہ پٹ ہی نہیں پڑ سکتی کسی طرح —— اور جانتے ہو عوام کی اس بیداری سے ہم کیا فائدہ اٹھائیں گے؟ —— نہیں تم نہیں جانتے۔ اس طرح راجگان ہند پر عوامی دباؤ پڑے گا اور وہ بادلِ نخواستہ بھی ہماری زیادہ سے زیادہ مدد کرنے پر مجبور ہوں گے!"

---

(۲۵)

آگ!

اور واقعی نندپال کی یہ تدبیر بڑی کامیاب ہوئی!

سارے ہندوستان میں پنڈتوں کا ایک جال پھیل گیا۔ ایک آگ سی لگ گئی۔ دیس بھر میں مندروں میں، پاٹھ شالاؤں میں، کارواں سراؤں میں، عام مجمعوں میں ایسی زہریلی اور دل ہلا دینے والی تقریریں ہونے لگیں کہ بھارت سنسار میں ایک قیامت برپا ہوگئی۔ ہر شخص کے دل میں یہ جذبہ بیدار ہوگیا کہ جب تک محمود غزنوی کا قلع قمع نہیں کیا جائے گا، دیوتاؤں کی بددعائیں ہندوؤں پر پڑتی رہیں گی۔ وہ بھارت ورش کے رہنے والوں سے خفا رہیں گے۔ اس لئے کہ محمود ہندو دھرم کا دشمن ہے۔ وہ نندپال کو اس لئے شکست دینا چاہتا ہے کہ وہ ہندو دھرم کا محافظ ہے۔ اس نے جے پال سے بدلے لئے ہیں اور نندپال سے اس لئے لڑائی لڑ رہا ہے کہ بغیر انہیں ہرائے ہوئے وہ ہندوستان کی پوتر سرزمین پر قدم نہیں رکھ سکتا!

نندپال جسونت کے ساتھ بھیس بدل کر ایک معمولی مسافر کی طرح نکلا اور ہر راجہ کے دروازے پر اس نے دستک دی۔

اس نے کہا: "میں تم سے بھیک مانگنے آیا ہوں —— اپنے لئے نہیں ہندو دھرم کے لئے اگر تم نے میری مدد نہ کی تو ہندو دھرم تباہ ہو جائے گا —— میں اگر برا ہوں مجھے مار ڈالو، قتل کر دو، تختِ حکومت سے اتار دو، معزول کر دو۔ جو تخت سے تخت نزلیا

دے دو لیکن میرے جرم کی سزا ہندو دھرم کو نہ دو۔ وہ بے قصور ہے۔ اسے مدد کی ضرورت ہے۔ اس کی سہائتا کرو۔ میں راج پاٹ سے دستبردار ہوتا ہوں جسے چاہو سونپ دو۔ یہ راج سنگھاسن۔ لیکن چلو میرے ساتھ چلو۔ بڑی سے بڑی فوج لے کر زیادہ سے زیادہ ہتھیار لے کر جتنی ممکن ہو سکے دولت لے کر۔ محمود کو شکست دینا آسان نہیں۔ اسے شکست دینے کے لئے آدمیوں کا سمندر چاہئے۔ تمہارے پاس یہ سمندر ہے اور اسے لے کر ہی میں جاؤں گا!"

یہی باتیں نند پال کے سکھائے ہوئے پنڈت 'وریراگی مندروں' پاٹھ شالاؤں کا دوان سراؤں اور عام جلسوں میں کہتے تھے۔ نند پال راجگانِ ہند کے دلوں پر دستک دے رہا تھا اور پنڈت عوام میں اشتعال پیدا کر رہے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ نند پال سے پہلے ہر جگہ پنڈت پہنچ کر فضا ہموار کر چکتے تھے۔ وہ جب آتا تو یہ دیکھتا کہ عوام میں جوش پھیلا ہوا ہے۔ وہ حد سے زیادہ مشتعل ہو چکے ہیں۔ وہ اپنی حکومت پر اپنے راجہ پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ انہیں فوج میں بھرتی کر لیا جائے اور جتنی بڑی فوج جمع ہو سکتی ہو۔ اسے جلد از جلد منظم کر کے لاہور کا راستہ لیا جائے۔ اور وہاں یہ کہہ کر محمود کو چیلنج دیا جائے کہ آؤ، ہو جائیں دو دو ہاتھ۔ یا تم نہیں یا ہم نہیں!

---

(۲۶)

سُکھ پال مُرتد ہو گیا!

نند پال اپنا طوفانی دورہ ختم کر کے لاہور واپس آ گیا اس ہونے والی جنگ کو قومی اور مذہبی رنگ دینے میں وہ پورے طور پر کامیاب ہوا۔ اس نے تمام شمالی ہند بلکہ مالوہ اور گجرات کے راجاؤں کو بھی جنگ میں شرکت کی دعوت دی اور یہ سب راجگانِ ہند اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے مدد کو پہنچ گئے۔ اس لئے کہ اب یہ ——— ملکی جنگ کے عوض مقدس جنگ قرار پائی۔ خواص سے لے کر عوام تک نے اس میں ہر طرح سے حصہ لیا یہاں تک کہ عورتوں نے اپنے زیور بیچ کر بوڑھی عورتوں نے چرخہ کات کر، غریبوں نے مزدوری کر کے اس کے سرمایہ میں چندہ دیا[1] ——— !

اب نند پال کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ اسے اطمینان تھا کہ جو کام جے پال نہ کر سکا، وہ کرے گا۔ راجگانِ ہند اپنی مور و ملخ کی سی فوجیں لے کر لاہور پہنچنے لگے تھے۔ قنوج، دہلی، گوالیار، کالنجر، اجین اور گجرات کے راجہ آ چکے تھے۔ دوسروں کے آنے کی خبر مل چکی تھی۔

جبونت سے نند پال نے کہا، "عنقریب ہم یہاں سے پشاور اور پشاور سے غزنی روانہ ہوں گے۔ محمود ایلک خاں سے الجھا ہوا ہے۔ ایک طرف سے ہمارا ٹڈی دل لشکر بڑھے

---

[1] تاریخ سندھ ۲۶۷ و تاریخ فرشتہ۔

دوسری جانب ایلک خان کی فوجیں اُسے کچلیں گی۔ بھاگنے کا راستہ نہ ملے گا اُس کو!"

اب جسونت جی ہوا کے گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس نے کہا: "اب مزہ آئے گا لڑائی لڑنے کا ——!"

جسونت کے جواب میں نندپال نے کہا: "لیکن ایک کھٹک اب تک ہمارے دل میں باقی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ایک خوشخبری بھی ہے۔ لیکن وہ کھٹک اس خوشخبری کے اثر کو کم کر دیتی ہے:"

جسونت نے پوچھا۔ "ان داتا وہ کون سی خوش خبری ہے؟ وہ کیسی کھٹک ہے جو آپ کے دل میں ہو رہی ہے؟"

نندپال بولا۔ "خوشخبری تو یہ کہ سلطان ابوالفتوح نے ہمیں اطلاع بھیجی ہے کہ وہ ہماری مدد کرے گا[1]۔ وہ بہت جلد لاہور آ رہا ہے۔ ہمارے ساتھ وہ بھی محمود کی لشکر سے لڑنے کے لئے چلے گا!"

جسونت:۔ "واقعی بڑی اچھی خبر ہے۔ بشرطیکہ پھر توبہ نہ کرے:"

نندپال۔ (ہنس کر) "نہیں اب ہر مرتبہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ خیر تکلیف وہ بات یہ ہے کہ سکھ پال بدستور مسلمانوں کے مذہب پر قائم ہے اور محمود کی طرف سے بٹھنڈہ وغیرہ پر حکومت کر رہا ہے۔ یہ ہماری قومی غیرت اور ملّی حمیت کو چیلنج ہے۔ سکھ پال کو پھر سے ہندو ہو جانا چاہئے۔ اسے محمود سے بغاوت کرنی چاہئے اور ہمارا ساتھ دینا چاہئے!"

جسونت:۔ "ہونا تو یہی چاہئے ان داتا!"

نندپال:۔ "تو اس کام پر ہم تمہیں مامور کرتے ہیں۔ تم جاؤ اور سکھ پال کو جس طرح بنے راہِ راست پر لاؤ۔ اسے ہماری تیاریوں کا حال بتا دو۔ اُسے یقین دلا دو، اس مرتبہ جیت ہماری ہو گی اس لئے کہ وہ کہ ہندوستان کے سارے مہاراجے اپنے اپنے لشکر کے ساتھ ہمارے ساتھ

[1] تاریخ ملتان ۔ ۲۹۰

ہیں۔ محمود اس ریلے کو نہیں روک سکے گا۔ وہ کیوں محمود کے پیچھے اپنی جان اور آبرو گنوا رہا ہے اگر اسے حکومت کا شوق ہے تو ہم اُسے کوئی چھوٹا سا ملک دے دیں گے۔ کر تا رہے اطمینان سے اور جی بھر کے وہاں حکومت۔ لیکن اُسے ہمارا ساتھ دینا چاہئے، ہمارے ساتھ رہنا چاہئے۔ وہ ہندو دھرم اور ہندو قوم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ بن چکا ہے ابھی وقت ہے۔ اگر سنبھل گیا تو جان بھی بچ جائے گی اور آبرو بھی! —— جسونت یہ کام تم کر سکتے ہو ——!"

جسونت:۔ "ان داتا، میں حاضر ہوں دل و جان سے اس کام کو انجام دینے کی کوشش کروں گا۔"

نندپال۔ "تو قبل اس کے کہ ہم پشاور کی طرف کوچ کریں تم اپنے مشن پر روانہ ہو جاؤ۔"

جسونت سیدھا سکھ پال کے پاس پہنچا۔ اُسے غیرت دلائی، نشیب و فراز سمجھائے سبز باغ دکھائے۔ نندپال کی قوت و سطوت کا افسانہ سنایا۔ راجگان ہند کی حشمت و جلال کا قصیدہ پڑھا اور کہا۔

"ان سب باتوں کو چھوڑو۔ کیا تمہیں یہ سن کر بھی غیرت نہیں آتی کہ سلطان ابوالفتوح مسلمان ہونے کے باوجود ہمارا ساتھ دے رہا ہے۔ وہ عہد کر چکا ہے کہ ہمارے ساتھ محمود سے لڑے گا۔ اس نے اطلاع دی ہے کہ اپنے لاؤ لشکر سمیت وہ لاہور پہنچ رہا ہے تا کہ محمود سے لڑے اور اس کے دانت کھٹے کر دے۔ تم ہندو ماں باپ کی اولاد ہونے کے باوجود مسلمانوں کا ساتھ دے رہے ہو۔ تم ہندو دھرم چھوڑ چکے ہو!"

سکھ پال جسونت کی باتیں غور سے سنتا رہا۔ پھر اُس نے کہا: "واقعی ابوالفتوح ادھر آ رہا ہے؟"

جسونت:۔ "ہاں —— تمہیں یقین نہیں آتا تو لو یہ دیکھو اس کا خط!"

سکھ پال نے ابوالفتوح کا خط لے لیا اور اسے غور سے پڑھا۔ پھر اُس نے کچھ تب

کے بعد کہا: "تو تم کیا چاہتے ہو؟"

جسونت بولا: "تم ہمارے ہو، ہمارے رہو ——— ہم تمہیں مسلمان نہیں بننے دیں گے نہ مسلمان رہنے دیں گے!"

سکھ پال مسکرایا: "اچھا بھئی تمہارا کہنا سہی۔ مَیں اپنے دھرم میں واپس آ جاتا ہوں۔ لیکن جس علاقے پر حکومت کر رہا ہوں یہ میرے ہی تصرف میں رہے گا۔ ذرا سوچو تو، محمود مجھے حکومت کا اہل سمجھتا ہے حالانکہ وہ مسلمان ہے۔ اور تم نہیں سمجھتے۔ انند پال نہیں سمجھتا!"

جسونت نے بڑی شان سے کہا: "ہاں ہاں بھئی، تم جہاں حکومت کر رہے ہو وہاں حکومت کرتے رہو گے، تمہاری بادشاہت کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ اب تو ہوئے خوش؟"

آخر کار نند پال کی چالائی ہوئی ——— مذہبی تحریک میں نو مسلم سکھ پال کا ایمان بگڑا، وہ محمود سے منحرف ہو گیا[1] ——— !

---

[1] تاریخ پاکستان و بھارت ۱۲۱ – دوسری مستند تاریخوں نے بھی سکھ پال کے مرتد ہو جانے کی تصدیق کی ہے۔

(۲۷)

ہر صبح سفر، ہر شام سفر!

محمود کی قسمت میں سکون و آرام نہ تھا۔ موج دریا کی طرح وہ ہر وقت رواں دواں رہتا تھا۔ ابھی غزنی میں ہے۔ ابھی خراسان میں، وہاں سے اُٹھا، تو پشاور، لاہور، ملتان۔ یہاں سے فارغ ہوا تو پھر غزنی۔ وہاں قدم ٹکانے کا موقع بھی نہ ملا تھا کہ کسی اور حریف تازہ دم سے معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔ غرض اس کی زندگی جنگ و پیکار اور معرکہ آرائی کے لئے وقف ہو کر رہ گئی تھی۔ نہ آرام ملتا تھا نہ سکون، نہ مہلت، نہ اطمینان۔ ایک مسافر کی طرح وہ ہر وقت چلا کرتا تھا۔ ایک سپاہی کی طرح اس کا ہاتھ ہر وقت تلوار کے قبضہ پر رہتا تھا۔ بادشاہوں اور کشور کشاؤں کو رنگ رلیوں، مجلس طرازیوں اور عیش و عشرت کے جو طویل لمحے مسلسل میسر آتے رہتے ہیں۔ وہ محمود کو حاصل نہ تھے۔ اس کی زندگی صرف اس لئے تھی کہ وہ ہر وقت حرکت میں رہے۔

نند پال کو بھگانے اور ملتان کو زیر کرنے کے بعد محمود نے کرشکنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ایلک خاں کی ہنگامہ آرائی کی اطلاع ملی۔ اور پھر اس مستعدی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ جیسے اب تک آرام ہی تو کر رہا تھا۔ آرام کرتے کرتے تھک گیا تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ وہ نقل مقام کرے۔

یہ ایلک خاں بھی عجیب و غریب بزرگ تھے، اگرچہ محمود کے ان کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ اپنی بیٹی تک اس کے نکاح میں دے چکے تھے۔ لیکن جب دیکھا وہ ہندوستان

یلغار کرنے میں مصروف ہے اور افواج خراسان کا بڑا حصہ بھی اس کے ساتھ گیا ہوا ہے تو طبیعت لڑائی اور خانہ خالی را دیو می گیرد کے اصول کے مطابق خراسان پر قبضہ کر لیا۔

یہ ایلک خاں ترکوں کا بہت بڑا سردار تھا۔ بخارا کے سامانی خاندان کی تباہی کے بعد بخارا اور تاتار کا تنہا مالک بن گیا۔ محمود بھی اس کی قوت و شوکت کا معترف تھا۔ اس نے رفع شر کے خیال سے اس کی لڑکی کا پیام دیا۔ اور شادی کر لی، اور مطمئن ہو گیا۔ کہ کم از کم بخارا کی طرف سے تو کوئی اندیشہ نہیں رہا۔ بلکہ اگر کبھی ضرورت ہوئی تو مدد بھی مل سکتی ہے لیکن ایلک خاں پر طمع غالب آئی اور بڑی آسانی سے وہ خراسان پر قابض ہو گیا۔

محمود کو اس کارنامہ کی اطلاع ملتان میں ملی۔ یہ سنتے ہی وہ بڑی سرعت کے ساتھ ملتان سے اٹھا اور غزنی پہنچ گیا۔

ایلک خاں خود بھی کچھ کم نہ تھا۔ لیکن جب محمود کو برسر مقابلہ دیکھا۔ تو احتیاطاً اپنے دوست بادشاہ چین سے بھی مدد طلب کر لی۔ وہ بھی تیار ہی بیٹھا تھا۔ فوراً پانچ ہزار سوار لے کر مدد کو پہنچ گیا۔[ش] ایلک خاں بادشاہ چین کے ساتھ دریائے جیحوں کے پار اترا اور بلخ سے چار کوس کے فاصلہ پر محمود کے مقابلہ میں خیمہ زن ہو گیا۔

محمود بڑا زبردست جرنیل تھا۔ بذاتِ خود ترتیبِ صفوف میں مصروف ہو گیا۔ سب سے آگے پانچسو جنگی ہاتھی کھڑے کئے۔ اس کے بعد سواروں کے پرے قلب میں اپنے چھوٹے بھائی امیر نصر اور عبداللہ طائی عرب سردار کو کھڑا کیا۔ محمود کے لشکر میں ہندو فوج بھی موجود تھی اور اس کی اتنی ہی وفادار تھی جتنی مسلمان فوج۔ اس لئے کہ وہ ان کے عقائد سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ ان کے مذہب میں مداخلت نہیں کرتا تھا۔ انہیں بجبر مسلمان نہیں بناتا تھا۔ انہیں اچھی تنخواہیں دیتا تھا، انعام و اکرام کی بارش کرتا رہتا تھا ان کے اوپر نوازشات شاہانہ سے نوازتا رہتا تھا۔ ان کے آرام کا خیال رکھتا تھا۔ لہٰذا وہ اس کے

لہ تاریخ فرشتہ ۵۵۔

ش ملاحظہ ہو تاریخ یمینی ۲۱۸۔

پسینہ پر جہاں چھڑک دینے کو تیار رہتے تھے۔ غزنی میں انہیں وہ اعزاز اور آرام حاصل تھا جو اصل وطن ہندوستان میں بھی میسر نہ تھا۔ ہندو فوج بھی کیل کانٹے سے لیس کھڑی تھی۔

میمنہ پر التونتاش اور میسرہ پر ارسلان جاذب کو مامور کیا۔ اور خود جان باز بہادروں کا دستہ لے کر الگ کھڑا ہو گیا۔ تاکہ ناگہانی وقت پر مدد کو پہنچ سکے۔

دوسری طرف ایلک خاں قلب میں کھڑا ہوا تھا۔ بادشاہ چین اپنے لشکر کے ساتھ میمنہ پر اور جعفر تگین میسرہ پر۔ لڑائی شروع ہوئی اور بڑے زور شور سے شروع ہوئی[لہ] دونوں لشکر سیلاب وار ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور ٹاپوں کی آواز نے ساری دنیا کو اپنے سر پر اٹھا لیا۔ گرد و غبار کی وجہ سے لڑائی کا میدان بالکل تیرہ و تار ہو گیا۔ اس شدت سے لڑائی کا میدان گرم تھا کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ تلواروں اور نیزوں کی ضرب سے میدان میں خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ ایلک خاں اپنے خاصے کے غلاموں کے ساتھ آگے بڑھ آیا تھا اور دادِ مردانگی دے رہا تھا۔

محمود ایک زبردست ہاتھی پر سوار ہوا۔ اور خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے دشمن کے لشکر پر حملہ آور ہوا۔ چونکہ رحمت الٰہی محمود کے سر پر سایہ فگن تھی۔ اس کے ہاتھی نے پہلے ہی حملہ میں ایلک خاں کے علم بردار کو سونڈ میں لپیٹ کر اوپر اچھالا اور اس کے بعد ترکوں کے لشکر کی طرف بڑھا اور بے شمار ترکوں کو ہلاک کر ڈالا۔ غزنوی فوج نے اپنے بادشاہ کی یہ دلیری دیکھ کر حریف پر یورش کر دی۔ تلواروں اور نیزوں کی ضرب سے ترکوں کا کچومر نکال لیا ترکوں کی فوج میں ایسی بدحواسی اور ابتری پھیلی کہ سپاہی سرداروں کو چھوڑ کر میدان جنگ

لہ اس جنگ کا ذکر کرتا ہوا فردوسی لکھتا ہے:

نہاں گشت خورشید گیتی فروز   تو گفتی ز شب بود پیدا روز

شد از سم اسپاں زمیں لالہ رنگ   ز نیزہ ہوا شد چو پشت پلنگ

ش تاریخ فرشتہ ۵۵-۵۶

سے بھاگے۔ ایلک خاں اس طرح بے تحاشہ فرار ہوا کہ دریائے جیحوں کے پار اتر کر ہی اپنے ملک میں جا کر دم لیا[1] ——۔

محمود ایلک خاں کی غداری اور بدنفسی سے اتنا برہم تھا کہ اس کے تعاقب کا فیصلہ کر لیا۔ کچھ دور بڑھا بھی، لیکن پھر پلٹ آیا کیونکہ سردی بہت زیادہ تھی سپاہیوں کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

اس مورچہ کو سر کرنے کے بعد غزنی جانا تو درکنار بے فکری اور یک سوئی کی ایک رات بھی محمود کو نہ ملی کہ وہ آرام سے پاؤں پھیلا کر سو سکتا۔ ایلک خاں کو جس روز ہزیمت ہوئی اسی رات ہندوستان سے یہ خبر پہنچی کہ سکھ پال نے مرتد ہو کر پھر اپنا آبائی دین اختیار کر لیا ہے اور میدان خالی دیکھ کر بادشاہ (محمود) کے عمّال کو شہر سے باہر نکال دیا ہے:

اتنی اشتعال انگیز خبر سن کر محمود خاموش نہیں رہ سکتا تھا، چین کی نیند نہیں سو سکتا تھا۔ غزنی جا کر لطف و تفریح میں وقت بسر نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اسی وقت فوج میں منادی کرا دی کہ صبح ہوتے ہی ہندوستان کی طرف روانہ ہونا ہے۔ ساری رات تیاریوں میں بسر کی اور —— صبح صبح ہندوستان کی طرف کوچ کیا، اور منزل بہ منزل سفر کرتا رہا[2]!

—

محمود کو سکھ پال کے پاس پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔ فوراً گرفتار کر کے حضورِ سلطانی میں پیش کیا گیا۔ محمود نے ایک حقارت بھری نظر اس پر ڈالی اور بادل کی طرح گرج کر کہا۔

"کیوں او نمک حرام، احسان فراموش؟ ——

یہی اقرار، یہی قول، یہی وعدہ تھا

او دغا باز، فسوں ساز، مکر نے والے

دولت سلطانی کا تیرے پاس یہی جواب تھا ——؟"

[1] تاریخ فرشتہ۔ [2] تاریخ فرشتہ ...

سکھ پال کی گھگھی بندھ گئی۔ وہ اپنی خطا پر نادم اور اپنے جرم سے دہشت زدہ تھا۔ زبان یاری نہیں دیتی تھی، نطق کام نہیں کرتا تھا۔

محمود نے کہا —— "جی تو چاہتا ہے کہ تجھے قتل کر دوں۔ بلاشبہ تیرا جرم اتنا ہی بڑا ہے، لیکن ——!"

ایک سردار نے کہا "عالی جاہ! اس کی کم سے کم جو سزا ہو سکتی ہے وہ قتل ہے!"

محمود نے سردار کو تیکھی نظروں سے دیکھا اور حکم دیا۔

"سکھ پال کو قید کر لیا جائے[1]!"

سکھ پال قید کر لیا گیا۔

سکھ پال کے قید ہو جانے کے بعد محمود نے کہا،

"ہم اسی لئے آئے تھے کہ سکھ پال کی گوشمالی کریں۔ وہ مقصد حاصل ہو گیا۔ اب ہم غزنی واپس ——"

یہ جملہ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ ایک مخبر نے آکر اطلاع دی۔

"نند پال سلطان عالم پناہ سے مقابلہ کرنے کے لئے راجگانِ ہند کے ساتھ ایک بہت بڑا لشکر لے کر جس کی تعداد حدِ شمار سے خارج ہے نواحِ پشاور میں پہنچ چکا ہے[2]!"

یہ سن کر محمود کے ماتھے پر شکن پڑ گئی۔ اس نے کہا۔

"نند پال ——؟"

اور پھر بے چینی دور ہو گئی۔ وہ مسکرایا۔ اس نے کہا۔

"وہ کوہستانِ کشمیر کی پناہ گاہ سے واپس آ گیا؟"

مخبر نے عرض کیا؛

[1] تاریخ فرشتہ ...

[2] بعض مورخین نے مقامِ جنگ نوشہرہ کا میدان قرار دیا ہے بعض علاقہ حضرو (کیمبلپور) کے بارہ میں رائے ظاہر کرتے ہیں۔

"جہاں پناہ! نہ صرف وہ آیا ہے بلکہ اس کے ساتھ تمام بڑے بڑے راجگانِ ہند اپنی زیادہ سے زیادہ فوج لے کر آئے ہیں۔ بہت بڑا لشکر ہے عالی جاہ ——!"

محمود کو غصہ آگیا۔

"ہونے دو۔ ایسے بزدلوں سے میں خائف نہیں ہو سکتا۔ ساری دنیا کو بھی اپنے ساتھ لے آئے تو مجھے پروا نہیں۔ میں ضرور اس سے مقابلہ کروں گا۔ اس کی تمنا پوری ہو گی۔ —— یا ہم نہیں یا وہ نہیں!"

پھر اس نے اپنے فوجی سرداروں کی طرف دیکھا اور کہا:

"کیا آپ لوگ لڑنے کے لئے تیار ہیں؟"

سب نے بالاتفاق کہا:

"بسر و چشم!"

---

(۲۸)

راجگانِ ہند کی متحدہ یورش کا انجام!

ایلک خاں کو شکستِ فاش دینے کے بعد محمود نے ہندوستان کی سرزمین پر اس لئے قدم نہیں رکھا تھا کہ وہ نندپال یا راجگانِ ہند سے جنگ کرے، وہ صرف سکھ پال کی گوشمالی کیلئے آیا تھا۔ اور اس کام سے فارغ ہوتے ہی واپس چلا جانا چاہتا تھا۔

اس کی فوج تھک کر چور ہو چکی تھی۔ مسلسل معرکہ آرائی کرتے کرتے اس پر تکان غالب آگئی تھی۔ یہی فوج تھی۔ جس نے نندپال کو کشمیر میں بھگایا، ابوالفتوح سے توبہ کرائی، اور پھر بغیر ستائے اور آرام لئے بلخ پہنچی۔ ایلک خاں کی فوج ظفر موج سے لڑی۔ اُسے اور بادشاہ چین کو ایسی شکست دی کہ دونوں راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور جب ہتھیار رکھے اور کمر کھولنے کا وقت آیا، تو اطلاع ملی کہ سکھ پال نے دغابازی کی۔ وہ مرتد ہو گیا۔ اس نے شاہی عمال کو اپنے ممالکِ محروسہ سے نکال باہر کر دیا۔ اس خبر کے ملتے ہی یہ تھکی ہوئی فوج پھر عقاب کی سی تیزی سے سکھ پال کے سر پر پہنچی، اور اچھی طرح اس کی سرکوبی کر ڈالی۔ اور جب اس مہم سے فارغ ہو کر اس نے اطمینان کا سانس لیا، اور سوچا کہ اب وطن چل کر کچھ دن آسودگی اور عافیت سے گزریں گے، تو یہ خوش خبری ملی کہ نندپال، تمام بڑے بڑے راجگانِ ہند کے ساتھ ٹڈی دل لشکر لئے سامنے راستہ روکے کھڑا ہے۔

محمود کے علاوہ کوئی اور سپہ سالار ہوتا تو ان پیہم معرکہ آرائیوں سے اس کے حوصلے

آتا اور پڑتا کہ یا تو وہ پاگل ہو جاتا یا خودکشی کر لیتا۔ محمودی فوج کے سوا اگر کوئی اور فوج ہوتی تو بغاوت کر دیتی یا پھر بغیر لڑے ہوئے ہتھیار ڈال دیتی۔ لیکن نہ محمود پر سراسیمگی طاری ہوئی نہ محمود کی فوج میں بے چینی پیدا ہوئی۔

محمود نے کہا: "ہم لڑیں گے؟"

سپاہیوں نے ہتھیار اٹھائے اور عرض کیا: "چلئے —— ہم آپ کے پسینے پر اپنا خون بہائیں گے!"

محمود اور اسکی فوج کی یہ مستعدی اس امر کا ثبوت تھی کہ ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

—

محمود کی فوج یوں بھی کچھ بہت زیادہ نہیں تھی۔ لیکن ان مسلسل جنگوں میں حصہ لیتے لیتے اور تنظیم جدید کا موقع نہ ملنے کے باعث تعداد کے لحاظ سے اور کم ہو گئی تھی مگر محمود کے ایک ایک سپاہی تک سب کا دم خم وہی تھا! —— ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ ایک تازہ دم فوج ہے جسے بڑے اشتیاق و انتظار کے بعد جنگ کا موقع ملا ہے!

—

ہندوؤں اور مسلمانوں کی فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں ؎

گھنگھور گھٹا تُلی کھڑی تھی،
پر بوند ابھی نہیں پڑی تھی

محمود اس فکر میں تھا کہ زیادہ سے زیادہ احتیاطی اور دفاعی انتظامات مکمل کرلے اور نندپال اس لئے دیدہ و دانستہ جنگ شروع کرنے سے اجتناب و اعراض کر رہا تھا کہ ابھی گوالیار، کالنجر، قنوج، دہلی، گجرات کے راجہ مہاراجہ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ آہی گئے ہیں مگر

جو اور آنے والے ہیں، وہ بھی آ جائیں۔ جیوت کے مشورے کے مطابق نندپال اتنے زیادہ سپاہی جمع کر لینا چاہتا، کہ پھر اگر یہ سب مل کر محمود کے لشکر پر لیٹ جاتے تو سارے مسلمان سپاہی پس کر سرمہ بن جاتے۔

ہندوؤں کی —— جتنی فوج امیر سبکتگین کے وقت میں جمع ہوئی تھی، اس سے کہیں زیادہ فوج اس مرتبہ موجود تھی۔ تقریباً چالیس روز دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابلہ میں خیمہ زن رہے۔ لیکن لڑائی کی ابتدا کسی طرف سے بھی نہ ہوئی۔ ہندوؤں کا لشکر دن بدن بڑھتا جاتا تھا۔ اور چار طرف سے لسے تازہ مدد پہنچتی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ کھوکھر ہندو بھی نندپال سے جا ملے۔ؔ محمود کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہندو اس مرتبہ بالکل سرفروشی کے لئے تیار ہیں تو اس نے بھی لڑائی شروع کرنے میں بے حد احتیاط سے کام لیا اور لشکر کے دونوں طرف خندق کھودنے کا حکم دیا، تاکہ کسی طرف سے بھی ہندوؤں کا بس نہ چلے ——!

محمود نے نمازِ عصر کے بعد اپنے تمام سرداروں کو بلایا۔ اور ان کے سامنے ایک مختصر سی تقریر کی۔ اس نے کہا:

"ہم یہاں اس لئے نہیں آئے تھے کہ ہندوؤں سے لڑیں۔ ہم صرف اپنے ایک دغاباز عامل کی سرکوبی کے لئے آئے تھے، اسی لئے کوئی بڑی فوج بھی اپنے ساتھ نہیں لائے۔ لیکن یہاں آکر معلوم ہوا، کہ جنگ ہم پر مسلط کر دی گئی۔ ہم اگر اس سے بچنا بھی چاہیں تو نہیں بچ سکتے۔ دنیا کے بہادروں کا ایک ہی وطیرہ رہا ہے کہ وہ عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں۔ میرا اپنے متعلق بھی یہ خیال ہے کہ بہادر ہوں اور آپ

ؔ دشمن کی متحدہ افواج میں کھوکھر قوم کی شرکت نے ایک خطرناک عنصر کا اضافہ کر دیا تھا۔ یہ جنگجو ننگے پاؤں، دیوانوں کی طرح حملے کرتے تھے!

حضرات کے بارے میں بھی تجربہ اب تک یہی رہا ہے کہ آپ کی دلیری اور شجاعت شک وشبہ سے بالاتر رہی ہے۔ لہٰذا میرا خیال ہے کہ ہم سب اس پر متفق ہیں کہ عزت کی موت ذلّت کی زندگی پر ترجیح رکھتی ہے ——— اگر میرا خیال غلط ہو تو ٹوک دیجئے!——"

متفقہ آواز بلند ہوئی؛

"عالی جاہ سچ فرماتے ہیں۔ ہمیں ذلّت کی زندگی نہیں چاہئے۔ ہم عزت کی موت کو ترجیح دیتے ہیں ——!

محمود نے تقریر کا سلسلہ روک کر یہ الفاظ سُنے اور پھر بڑے جوش سے کہا۔

"لیکن یہ ذہن میں نے ایک بات کہی تھی۔ ہم یہ فرض کیوں کرلیں کہ مریں گے ہمیں زندہ رہنا ہے، حق کا کلمہ بلند کرنا ہے، سچائی کا بول بالا کرنا ہے۔ خدا کا پیام ہر ہر کان تک پہنچانا ہے، خدا کے لئے جہاد کرنا ہے —— نہیں ہم مریں گے نہیں، دشمن کو ماریں گے، ہم اس وقت تک نہیں مریں گے، جب تک اپنا مشن پورا نہ کرلیں۔ جب تک اپنا مقصد نہ حاصل کرلیں۔ جب تک اسلام سے اس دیس کو روشناس نہ کرالیں۔

اب تک جنگ شروع کرنے سے میں اجتناب کر رہا تھا۔ لیکن اب کہ جنگ ہم پر ڈال دی گئی ہے ہم اسے قبول کرتے ہیں۔ کل صبح ہماری طرف سے حملہ کا آغاز ہوگا ——— ہم دشمن کو اس کا موقع نہیں دے سکتے کہ وہ اپنی تعداد میں اضافہ کرتا رہے۔ ہم پہلے حملہ میں اُسے کچل دیں گے۔ وہ ہمارے سامنے نہیں ٹِک سکتا۔ آج پہلی مرتبہ ہم اس کے مقابلہ میں صف آرا نہیں ہو رہے ہیں، اس سے قبل بھی ہمارے اس کے دو دو ہاتھ ہو چکے ہیں۔ وہ جب ہمارے سامنے آیا، بُری طرح ہارا۔ وہ جب ہم سے لڑنے کے لئے میدان

جنگ میں آتا۔ اس کی تعداد ہمارے مقابلہ میں ہمیشہ بہت زیادہ رہی پھر آج نئی بات کون سی ہے؟

آب چو سر ز سر گذشت چہ یک نیزہ وچہ یک دست

مسلمان کی شان یہی ہے کہ وہ اپنے سے کئی گنا زیادہ دشمنوں سے لڑا ہے اور جیتا ہے۔ تم غازیانِ بدر کی یادگار رہو۔ تمہارے ہی اسلاف نے یرموک کی جنگ لڑی تھی، وہ تمہارے ہی بزرگ تھے۔ جن کے پاس ہتھیار نہ تھے نہ مال و دولت لیکن اپنے وقت کی بہت بڑی بہت زیادہ ——— بہت زیادہ طاقت ور اور فنونِ جنگ میں ماہر قوموں ——— ایرانیوں اور رومیوں ——— سے لڑے اور کامیاب ہوئے۔ پھر اگر تم میں وہی ایمان باقی ہے تو میں پیشینگوئی کرتا ہوں۔ تم جیتو گے، ضرور جیتو گے، دشمن ہارے گا، ضرور ہارے گا!"

محمود کی اس تقریر نے ان دلوں میں بھی ہمت اور استقامت پیدا کر دی جو دشمن کی کثرتِ تعداد سے خائف ہو رہے تھے۔

اس تقریر کے بعد سردار اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے اور محمود جب تن تنہا رہ گیا تو بے ساختہ سجدے میں گر پڑا اور اپنے خدائے حیّ و قیوم سے گڑگڑا کر فتح و نصرت کی دعا مانگنے لگا۔

دوسرے دن صبح!

——— محمود نے لڑائی شروع کر دی اور فوراً جنگ نے خوفناک اور مہیب صورت اختیار کرلی، ایک ہزار تیر انداز سلطان کے حکم سے آگے بڑھے اور ہندوؤں پر تیر برساتے ہوئے ان کو اپنے لشکر کے قریب سپاہیانہ چال سے لے آئے جنگ زور و شور سے جاری تھی کہ کئی ہزار کھوکھر ننگے سر اور ننگے پاؤں ایک ہی جانگدار حربہ ہاتھوں میں لئے عین بھڑکتی ہوئی لڑائی میں دوڑ

دریے یورش کرکے خندق کو پھاند گئے اور مسلمانوں کے لشکر میں گھس آئے۔ اور مسلمان سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے اور تلواروں نیزوں اور بھالوں کی ضرب سے راکب و مرکب دونوں کو تہ تیغ کرنے لگے۔ ان کھوکھروں نے تین چار ہزار مسلمانوں کو شہید کیا اور ایسی سرفروشی دکھائی کہ سلطان محمود نے ارادہ کر لیا کہ آج لڑائی موقوف کرکے قیام گاہ کو واپس چلے کہ دفعتہً نند پال کا ہاتھی گولے اور بارود کی آوازوں سے بھڑک کر معرکہ جنگ سے بھاگا۔ اس کے سپاہی یہ سمجھے کہ مسلمانوں کی تیغ زنی سے خائف ہو کر نند پال کے پاؤں میدان جنگ سے اکھڑ گئے۔ جب انہوں نے ہندوستان کے سب سے بڑے راجہ کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو خود بھی لڑائی سے منہ موڑ کر فرار ہوئے۔ عبداللہ طائی پانچ ہزار سواروں کے ساتھ اور ارسلان جاذب دو ہزار ترکی افغانی اور خلجی سپاہیوں کے ساتھ دو دن اور دو رات بھاگنے والوں کا پیچھا کرتے رہے اور آٹھ ہزار ہندوؤں کو ان دونوں نے قتل کیا۔ بہت سے ہاتھی اور بے شمار مال غنیمت ایک جا کرکے دونوں سردار سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوئے[1]!

یہ دونوں جب سلطان کے پاس پہنچے تو اس نے انہیں گلے سے لگایا اور کہا: دیکھا تم نے عین اس وقت جب سرفروش کھوکھروں کے حملوں نے ہمارے لشکر کا حال ابتر کر دیا تھا اور ہم جنگ ملتوی کرنے کا تقریباً فیصلہ کر چکے تھے نند پال کے ہاتھی نے اسے ہرا دیا۔ اس کی فتحیاب فوج کو ذلت اور نامرادی کے ساتھ بھاگنے پر مجبور کر دیا ——— اور ہم جیت گئے۔ اسے کہتے ہیں نصرت الٰہی تائیدِ غیبی۔ میرا ہمیشہ سے اس آیت پر ایمان تھا اور اب اور زیادہ پختہ ہو گیا ——— كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ——— خدا کے حکم سے ایسا بھی ہوتا ہے کہ قلیل تعداد رکھنے والی جماعتیں کثیر تعداد رکھنے والی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں ——— صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْم!"

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ ص ۶۹

(۲۹)

نگرکوٹ

محمود کی شمشیر خاراشگاف نے راجگانِ ہند کا سارا دم و مار ختم کر دیا، وہ جس شان و شوکت کے ساتھ آئے اس سے زیادہ شان و شوکت کے ساتھ پسپا ہو کر ایسے تتر بتر ہوئے کہ نشانِ راہ کا ملنا مشکل ہو گیا۔ محمود کو راجگانِ ہند سے اتنی پرخاش نہیں تھی جتنی نند پال سے۔ نند پال اور اس کے خاندان پر محمود کے بڑے احسانات تھے۔ پھر بھی اس نے غداری کی دھوکا دیا۔ اب وہ اُسے معاف کرنے اور اس کی خطا سے درگزر کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔

راجگانِ ہند اور نند پال کی خبر فرار سن کر محمود نے ارسلان جاذب سے کہا:

"نند پال کو تلاش کرو۔ ہم اسے ذرا واقعی سزا دیں گے۔ پچھلی مرتبہ اس نے کوہستان کشمیر میں پناہ لی تھی اور ہم نے چشم پوشی سے کام لیا تھا۔ لیکن اس مرتبہ ایسا نہیں ہو سکتا!"

ارسلان جاذب نے سرِ عقیدت جھکا کر عرض کیا: "غلام بھی اسی فکر میں ہے کہ اس کا سراغ مل جائے!"

محمود: "پھر کچھ پتہ چلا؟"

ارسلان جاذب: "صرف اتنا معلوم ہوا ہے جہاں پناہ کہ وہ نگرکوٹ کی طرف گیا ہے۔"

محمود: "نگرکوٹ؟ ——— یہ کون سی جگہ ہے؟"

ارسلان جاذب: "عالی جاہ! نگرکوٹ ہندوؤں کی بہت بڑی زیارت گاہ اور تیرتھ ہے"

یہ کوہستان ہمالیہ کی ایک جنوبی چوٹی پر وہاں کے بہت بڑے مندر کا حصار ہے جس کے اندر صد ہا بُت استھانوں پر بٹھائے گئے ہیں۔ لاکھوں روپے کا چڑھاوا چڑھتا ہے گردو نواح کے دیہات کی آمدنی مہنتوں اور پنڈتوں کے لئے وقف ہے۔ قریب کے جوالا مکھی پہاڑ سے اکثر شعلہ بھڑکتا اور مندر کے رعب و تقدس کو چمکاتا رہتا ہے۱؎!

محمود:- لیکن وہاں جانے سے اس کا مقصد؟ ——— کیا وہ پنڈتوں اور شاستریوں کی فوج لے کر ہم پر چڑھائی کرنا چاہتا ہے؟ جب اس کے بڑے بڑے راجہ مہاراجہ سورما اور سپاہی میدان میں نہ ٹک سکے تو یہ پنڈت اور پروہت کیا ٹکیں گے؟"

ارسلان:- عالی جاہ! غلام کو یہی اطلاع ملی ہے؟

محمود:- یہ بھی پتہ چلا کہ وہ وہاں کیوں گیا ہے؟

ارسلان:- میں نے پتہ چلا لیا عالی جاہ!"

محمود:- تو بتاؤ کیوں گیا ہے وہ نگرکوٹ؟"

ارسلان:- عالی جاہ! غلام نے ابھی عرض کیا تھا، وہاں چڑھاوے چڑھتے رہتے ہیں۔ لاکھوں روپے کی آمدنی ہے مندر کی۔

محمود:- ہاں تو ———؟"

ارسلان:- اس لئے گیا ہے کہ وہاں کی اچھوتی دولت کو سمیٹ لائے۔ اس مرتبہ اس نے راجوں مہاراجوں کو اپنے جلو میں لے کر جو جنگ کی تھی، اس میں بوڑھی عورتوں تک نے مزدوری اور محنت کر کے بڑی فراخدلی سے چندہ دیا تھا ———!

محمود:- ہاں ہم سن چکے ہیں ——— مگر اس سے مطلب؟

ارسلان:- لیکن اس مندر کے کروڑپتی اور ارب پتی پجاریوں اور پنڈتوں نے ایک پھوٹی کوڑی تک نہیں دی عالی جاہ ———۔

۱؎ تاریخ پاکستان و بھارت (سید ہاشمی) ۱۲۲

محمود:- (ہنس کر) کیوں دیتے؟ لینے والا ہاتھ دینے والا نہیں بن سکتا۔"

ارسلان:- تو وہ اسی لئے گیا ہے کہ یہ فن بھی وہاں کے مقدس لوگوں کو سکھا دے۔"

محمود:- یعنی وہ انہیں بتا دے کہ جمع کی ہوئی دولت خرچ کس طرح کی جاتی ہے؟"

ارسلان:- عالی جاہ، صرف اسی لئے!"

محمود:- تو ہم اس کا تعاقب جاری رکھیں گے ——— ہم نگرکوٹ چلیں گے!"

ارسلان:- رائے مہاپال بہت صاحب ہے۔ نگرکوٹ گئے بغیر کام نہیں بنے گا۔ ہر وہ دروازہ بند کر دینا چاہئے جو اسے پناہ دے سکتا ہے!"

محمود:- ہاں یہی ہوگا۔"

اور محمود کے یہ کہتے ہی زور شور سے نگرکوٹ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ محمود جو فیصلہ کر لیتا تھا، وہ اٹل ہوتا تھا۔ اب اس کے فیصلہ کو کسی طرح نہیں بدلا جا سکتا تھا۔

———

یہاں نگرکوٹ پر حملہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اور وہاں نگرکوٹ کے مندر میں جگ رلیاں منائی جا رہی تھیں۔ وہاں کے پنڈتوں اور شاستریوں کو اس سے کوئی بحث نہیں تھی کہ نند پال جیتا یا ہارا، راجگان ہند آگے بڑھے یا پیچھے ہٹے؟ یہاں تو بالکل وہی معاملہ تھا،

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

یہاں کے پنڈت عیش و عشرت میں مست تھے۔ انہوں نے نغمہ و رقص کو بھی عبادت میں داخل کر لیا تھا۔ ان کے دن اور ان کی رات کا بہترین مصرف یہ تھا کہ دیوداسیوں اور مُریلوں کو نہیں، ان کا ناچ دیکھیں۔ ان کی مذہبی عقیدت سے ناجائز فائدہ اُٹھائیں۔ انہیں حرم سبز باغ دکھائیں اور اُن کی دُنیا لوٹ لیں۔ انہیں کہیں کا نہ رکھیں۔ یہ مُریلیاں اور دیوداسیاں حسن و جمال میں بے نظیر تھیں۔ انداز و غمزے میں اپنا جواب

جواب نہیں رکھتی تھیں؛

بسا زشیوہ ہاست بتاں راکہ نام نیست

گانے کے فن میں طاق اور ناچنے کے فن میں برق تھیں۔ اُن کا گانا سُن کر در و دیوار جھومنے لگتے تھے۔ ان کا ناچ دیکھ کر زہرۂ فلک کو پسینہ آجاتا تھا۔ اُن کی معصومیت پر فرشتے ترس کھاتے تھے لیکن مندر کی دُنیا میں اُن پر ترس کھانے والا کوئی نہ تھا۔ یہ وہ بدقسمت ہستیاں تھیں، جن کے ماں باپ زندہ تھے، بھائی بہن موجود تھے۔ گھر میں کھانے کو بھی موجود تھا، اور پہننے کو بھی، دولت بھی تھی اور زیور بھی۔ لیکن قسمت گردش میں آچکی تھی۔ شوہر کی صورت دیکھنے سے پہلے بیوہ ہوئیں؛ اس زمانہ میں بیوہ ہوئیں جب یہ بھی نہیں معلوم تھا۔ شادی کسے کہتے ہیں؟ ——— یا پھران کے مدرسے زیادہ دھرماتما باپوں نے چڑھاوے کے طور پر انہیں مندر میں لاکر چھوڑ دیا۔ یہ اب کسی انسان کی نہیں رہ گئی تھیں۔ دیوتا کی ہو گئی تھیں، اور ——— اور مندر کے پجاری اور مہنت دیوتا ہی تو تھے۔ مندر کی محدود دنیا میں ان مہنتوں کو وہ سارے اختیارات حاصل تھے جو خدا کو دُنیا والوں پر حاصل ہیں ان کا گناہ گناہ نہیں تھا، ان کا پاپ ثواب تھا، جو دیوداسی یا مرلی نظر پر چڑھ جائے وہ زد سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔ یہ خدا کے تھے اور خدا نے انہیں ہر وہ نعمت دے دی تھی جس کی توقع صرف جنت میں کی جا سکتی ہے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ!

ان مرلیوں اور دیوداسیوں میں کچھ وہ تھیں جنہوں نے خوشی خوشی حالات کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھال لیا تھا۔ اور چند ایسی بھی تھیں۔ جن کی یہ فضا دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں اُنہوں نے حالات کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ ایسی سرکش اور شوریدہ پشت لڑکیوں کو کال کوٹھری میں قید کر دیا جاتا تھا۔ جہاں ان کا شباب ڈھلتا رہتا تھا۔ رعنائی خاک میں مل رہی تھی اور یہ جوان ہونے کے باوجود بہت جلد بوڑھی ہو جاتی تھیں۔

پھر ان سرکش اور شوریدہ پشت لڑکیوں میں بھی دو گروہ تھے۔ ایک وہ جو حوالۂ زندان ہونے

کے بعد تو بہ تلا کر کے رہائی حاصل کر لیتا تھا اور دوسرا وہ جو رہائی پر موت کو ترجیح دیتا تھا۔ ہر سختی پر اس کی استقامت کچھ اور بڑھ جاتی تھی۔

مندر کا بڑا پجاری اس وقت غصہ میں بھرا ہوا تھا۔ حاضر الوقت دیوداسیوں اور مرلیوں نے اپنے ناچ اور گانے، عشوہ و ادا اور ناز و انداز سے بہلانے اور پرچانے کی کوشش کی۔ مگر اس کی تیوری چڑھی رہی۔ اُس کی آنکھوں سے شعلے نکلتے رہے۔ اُس کے ماتھے پر غیظ و غضب کی جو شکنیں پڑگئی تھیں، وہ ناچ گانے سے محظوظ ہونے اور چشم سحر کار کی لگاوٹ کے باوجود قائم تھیں ——— شاید کوئی بڑا، بہت بڑا حادثہ ہو گیا تھا۔ ورنہ یہ بڑے پجاری تو ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے۔ بلکہ بات بے بات قہقہے لگاتے ہنستے ہنستے پہلے تھے۔ مگر آج گُم صُم بیٹھے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے اُن کے پندار کو مجروح کر دیا ہے۔

بڑے پجاری نے ایک دیوداسی کی طرف دیکھ کر کہا: "اب کیا حال ہے اس خودسر اور بے وقوف لڑکی سیتا کا؟"

دیوداسی: "وہی جو پہلے تھا مہاراج"

بڑا پجاری: "وہ اپنی ضد پر قائم ہے؟ اب تک؟"

دیوداسی: "اور زیادہ شدت کے ساتھ۔ وہ تو ضد کی پتلی ہے۔"

پجاری: "تم نے بتایا نہیں ہمارے مقابلہ میں جو ضد کرتا ہے اُس کا انجام کیا ہوتا ہے؟"

دیوداسی: "بتایا تھا مہاراج، مگر وہ سنتی کب ہے کسی کی؟"

پجاری: "پھر ——— ؟ پھر کیا کہا اُس نے؟"

دیوداسی: "وہ کہنے لگی، وہ کہنے لگی، وہ ———"

پجاری۔ (ڈانٹ کر) "کیا کہنے لگی وہ؟ ——— تیری زبان آگے کیوں نہیں چلتی؟ ——— ہاں کیا کہنے لگی وہ؟"

دیوداسی: "بڑی بری بات کہی اُس نے ———"

پجاری: "یہی تو سننا چاہتا ہوں، کیا کہہ رہی تھی وہ؟"

دیوداسی: "وہ کہنے لگی، میرا نام سیتا ہے، جس طرح سیتا پاک اور پوتر تھی۔ اسی طرح میرا ہردے (دل) بھی پاک ہے، میرا شریر (جسم) بھی پاک ہے، میری آتما (روح) بھی پاک ہے!"

پجاری: (بگڑ کر) "اور ہم ناپاک ہیں؟"

دیوداسی: "وہ یہی کہہ رہی تھی!"

پجاری: (اور زیادہ برہم ہو کر) "کیا کہا؟ وہ ہمیں ناپاک کہہ رہی تھی؟"

دیوداسی: "ہاں ——— وہ کہہ رہی تھی، یہ بڑا پجاری آدمی نہیں ———"

پجاری: "آدمی نہیں تو پھر کیا ہے؟"

دیوداسی: "وہ کہہ رہی تھی، یہ بڑا پجاری آدمی نہیں راکشس ہے ——— راون ہے یہ ———!"

پجاری: "مجھے راکشس کہا؟ راون کہا؟"

دیوداسی: "جی ——— اور بھی بہت کچھ کہا۔ مجھے تو صرف اتنا ہی یاد ہے!"

پجاری: "ہوں ——— اگر ہم راون ہیں تو اُس کا رام کہاں ہے ———؟"

دیوداسی: "وہ یہ بھی کہہ رہی تھی۔ میرا رام آئے گا اور اُس راون کو مار ڈالے گا۔ اس کی راجدھانی میں آگ لگا دے گا!"

پجاری: "یہ بھی کہہ رہی تھی وہ؟"

دیوداسی: "ہاں اور بھی بہت سی باتیں ——— مجھے تو یاد ہی نہیں رہیں جانے کیا کیا؟"

پجاری: "پیٹ بھرا رہتا ہے نا اس کا، اسی لئے یہ باتیں سوجھ رہی ہیں ——— آج سے ایک وقت کا کھانا بند کر دو!"

دیوداسی: "وہ تو دونوں وقت نہیں کھاتی!"

پجاری: (حیران ہو کر) "کیا کہا، وہ دونوں وقت نہیں کھاتی ——— ایں؟"

دیوداسی: "بالکل نہیں کھاتی۔ مہاراج ایک لقمہ بھی نہیں!"

پجاری: "وہ فاقے کر رہی ہے؟"

دیوداسی: "جی! فاقے ہی کئے جا رہی ہے۔"

پجاری: "کب سے یہ سلسلہ جاری ہے؟"

دیوداسی: "آج دوسرا دن ہو گیا!"

پجاری: "اور شیطان کی خالہ تو نے ہمیں بتایا بھی نہیں؟"

دیوداسی: "آپ نے پوچھا کب تھا جو بتاتی۔ آج پوچھا تو بتا دیا۔"

پجاری نے اس کے جھونٹے پکڑ کر زور سے دھکا دیا، وہ منہ کے بل گر پڑی۔ ماتھا زخمی ہوا، خون نکلنے لگا۔ پجاری نے سامنے کھڑی ہوئی مرلیوں اور دیوداسیوں سے کہا، "اس گنگا کو بھی لے جا کر سیتا کے پاس قید کر دو ——— لے جاؤ فوراً!"

حکم کی تعمیل میں ذرا بھی دیر نہیں لگی۔ فوراً کئی مرلیاں اور دیوداسیاں آگے بڑھیں انہوں نے گنگا کو گرفتار کر لیا۔ لے جا کر سیتا کے ساتھ اس کی کال کوٹھڑی میں قید کر دیا۔

---

(۳۰)

گنگا اور سیتا

اندھیرے کی وجہ سے بڑی دیر تک سیتا، گنگا کو پہچان نہ سکی۔ جب نگاہ ٹھہری اور نظر جمی، تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ یہ گنگا ہے۔ بے ساختہ اُس کے منہ سے نکلا:

"گنگا تم ہو؟"

وہ رونے لگی: "ہاں میں ہوں —— ابھاگنی، بدقسمت!"

سیتا: "کیا ہوا، تمہیں کیوں یہاں ڈال گئے یہ لوگ؟"

گنگا: "یہ تو میں بھی نہیں جانتی، مجھے مارا بھی —— دیکھو ماتھا لہولہان ہو گیا۔ اب تک خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں!"

اور وہ پھر رونے لگی۔ سیتا نے اپنی ساری کا ایک کونہ پھاڑ کر اس کی مرہم پٹی کی اور بڑے دلسوزی کے لہجہ میں کہا۔

"گنگا تم تو پجاری کی بڑی منہ چڑھی تھیں۔ تم نے تو کبھی اُن کی نافرمانی کا گناہ نہیں کیا، تم نے ہمیشہ انہیں دیوتاؤں کی طرح پوجا۔ ان کی کوئی خواہش رد نہیں کی۔ ان کی کسی بات کے ماننے سے انکار نہیں کیا۔ پھر کیا ہوا۔ کہ تم گرفتار کر کے کال کوٹھری میں بھیج دی گئیں؟"

گنگا: "یہ نہ پوچھو بہن —— قسمت ہی خراب ہے۔ جب تک گھر میں رہی، باپ

بھائی اور ماں کے جوتے کھاتی رہی۔ پھر سسرال گئی، ناسمجھ تھی، الھڑ تھی، نادان تھی، ساس نے وہ خبر لی کہ دن میں تارے نظر آنے لگے۔ پھر میرا ننھا سا شوہر اس دنیا سے سدھارا تو یہاں دیوتاؤں کی سیوا کے لئے دیوداسی بنا کر پہنچا دیا گیا —— اور یہاں آ کر کچھ دن سکھ سے رہی ہوں گی کہ بڑے پجاری کی نگاہِ التفات نگاہِ قہر میں بدل گئی۔ اب میں ہوں اور یہ کال کوٹھری۔"

سیتا: "واہ ری دُنیا، نہ یہاں چین ہے، نہ وہاں۔ پاپ کرو تو بھی سکھ نہیں، پاپ سے دُور رہو تو بھی آرام نہیں۔"

گنگا: "ہاں دیکھ لو، اِس کال کوٹھری میں پاپ اور پُن دونوں جمع ہیں۔"

سیتا: "کیسی باتیں کر رہی ہو گنگا؟"

گنگا: "کچھ جھوٹ تو نہیں کہتی، دیکھ لو —— میں پاپ ہوں —— وہ کون سا پاپ ہے جو اس مندر میں آ کر میں نے نہیں سیکھا یا مجھے سیکھنے پر مجبور نہیں کیا گیا، تم نہیں جانتیں، تم بھی تو جانتی ہو سب کچھ ——"

سیتا: "ہاں خوب جانتی ہوں، آنکھوں سے دیکھ چکی، مشاہدے کو کیسے جھٹلا سکتی ہوں!"

گنگا: "تو دیکھ لو، پاپ کرنے کے بعد بھی وہی موت کا بُلاوا ہاتھ میں!"

سیتا: "ہاں سچ کہتی ہو بہن!"

گنگا: "اور تم پُن ہو —— تم گناہ سے دُور رہیں، دُور رہنے کی کوشش کی، اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہوئیں، مگر ——"

سیتا: "ہم تم دونوں ایک ہی کشتی پر سوار ہیں۔ لیکن تم نے اتنی ساری باتیں کہہ ڈالیں، اصل بات نہ بتائی، کیا بات ہوئی؟ کیوں بھیجی گئیں تم یہاں؟ بتا دو گی تو کیا ... اچھا نہ بتاؤ۔"

گنگا: "تم سے کیا چوری، بھلا تم سے چھپاؤں گی، تمہاری ہی تو بات ہے۔"

سیتا ۔ "میری بات ؟"

گنگا ۔ "ہاں تمہاری بات' تمہاری ہی وجہ سے مجھے یہ دن دیکھنا پڑا!"

گنگا پھر رونے لگی۔ سیتا نے اس کے آنسو پونچھے اور بڑی محبت کے ساتھ کہا۔

"ہائے مجھے کیا معلوم تھا؟ کاش میں تمہارا دکھ بانٹ سکنے کے قابل ہوتی۔"

گنگا : "تمہارے یہ میٹھے بول بھی بہت ہیں!"

اور پھر گنگا نے از اوّل تا آخر ساری رام کہانی سنا دی۔ سب کچھ سن کر سیتا نے کہا۔

"نہیں یہ بات نہیں، صرف اتنی سی بات پر اتنی بڑی سزا نہیں مل سکتی۔ ضرور کوئی اور بات بھی ہے!"

وہ بڑی معصومیت کے ساتھ بولی: "ہو گی، مجھے نہیں معلوم ——— مجھے تو بھوک لگ رہی ہے بڑے زور سے!"

کمزوری اور نقاہت کے باوجود سیتا ہنس پڑی: "رام جانے بڑی شریر اور چنچل ہو تم گنگا!"

وہ بولی: "اس میں شرارت کی کیا بات ہے؟ واقعی آج میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا!"

سیتا: "تو کون سا غضب ہو گیا۔ ایک آدھ وقت کا فاقہ کر لینا مفید ہی ہوتا ہے۔ نقصان دہ نہیں ہوتا سمجھیں ———"

گنگا: "سمجھی کیا خاک؟ ——— تمہیں تو کھانا نہ کھانے کی عادت سی پڑ گئی ہے۔ پورے دو دن ہو گئے تمہارے منہ تک کھیل کا ایک دانہ بھی اڑ کر نہیں گیا۔"

سیتا: "نہ جائے گا۔ کیا مجال ہے جو چلا جائے؟"

گنگا: "کب تک آخر؟ کوئی حد بھی ہے؟"

سیتا: "جب تک دم میں دم ہے۔"

گنگا: "لیکن تکلیف تو تمہیں پہنچ رہی ہے، بچاری کا کیا بگڑا؟"

سیتا: "کچھ نہیں، میں اس کا بگاڑنے کے لئے تو کچھ نہیں کر رہی؟ اس نے تو جیسا کیا ہے اشور ویسا ہی اسے دیں گے!"

گنگا: "پھر یہ اُلٹی کھٹوائی کیوں لئے پڑی ہو؟"

سیتا: "نہیں، تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے۔ میں نے کسی کو دکھانے کے لئے فاقے کرنے کا ارادہ نہیں کیا ہے۔"

گنگا: "پھر ———؟"

سیتا: "میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس ناپاک ماحول اور فضا میں نہیں رہوں گی؟"

گنگا: "پھر کہاں رہو گی؟ اپنے رام کے پاس؟"

سیتا: "چھوڑو ان باتوں کو گنگا۔ ان سے تکلیف ہوتی ہے:"

گنگا: "اب اگر تم نے فاقہ جاری رکھا تو واقعی مر جاؤ گی:"

سیتا: "یہی تو میں چاہتی ہوں۔"

ان دونوں کے درمیان یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دو دیوداسیاں تھال میں کھانا لے کر آئیں اور بغیر زبان سے کچھ کہے سیتا اور گنگا کے سامنے رکھ دیا۔

سیتا نے کہا: "میں نہیں کھاؤں گی لے جاؤ!"

گنگا بولی: "میں کھاؤں گی، چھوڑے جاؤ!"

ان دونوں دیوداسیوں نے گنگا کی بات کا کوئی جواب دیا، چپ چاپ سیتا کا کھانا اٹھایا اور جانے لگیں۔ انہیں جاتا دیکھ کر گنگا سے پھر ضبط نہ ہو سکا: "ارے کیا تم دونوں بہری ہو؟ ——— کہہ تو رہی ہوں میں کھا لوں گی اسے بھی!" دیوداسیاں گنگا کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔ اپنی مشعل سنبھالی اور جدھر سے آئی تھیں اُدھر چلی گئیں۔ سیتا نے ہمدردی کرتے ہوئے کہا: "بہت کھلوپی لے گئیں نا آخر؟" گنگا نے لقمہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا: "ان سے زیادہ تم ہو کہ تم نے واپس کر دیا ——— بے وقوف کہیں کی!"

(٣١)

دیوتاؤں کا شہر

نگرکوٹ ـــــ دیوتاؤں کا شہر تھا۔ مندروں کی بستی تھی۔ صدیوں سے یہاں بُتوں پر چڑھاوے چڑھتے چلے آ رہے تھے۔ منوں سونے اور چاندی کی اینٹیں اور سلیں جمع تھیں۔ یہ ایک ایسی بستی تھی، جہاں سنکھ اور ناقوس کے سوا کوئی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ جہاں ہر وقت بھجن گائے جاتے تھے اور دیوتاؤں کی داسیاں اور مرلیاں ان کی آتما کو خوش کرنے کے لئے گایا اور ناچا کرتی تھیں۔ یہاں کسی راجہ اور مہاراجہ کی حکومت نہیں تھی۔ یہاں کے مہنت اور پنڈت پولیس بھی تھے اور فوج بھی اور اقتدارِ اعلیٰ بھی۔ جو کچھ کرتے تھے۔ دیوتاؤں کے نام پر کرتے تھے۔ دھرم ان کا قیدی تھا جس راستے پر چاہتے اسے لگا لیتے۔ خدمت کرتے کرتے یہ خود دھرم بن گئے تھے۔ بتوں کا تو نام تھا، اور نہ پوجا اُن کی ہوتی تھی۔ سر اُنہی کے آگے جھکتے تھے، بھجن اُنہی کے گائے جاتے تھے! یہ ترمال اڑاتے تھے، اچھی سے اچھی غذا ان کے تھال میں موجود رہتی تھی، نہ کوئی غم تھا، نہ فکر، نہ خوف نہ اندیشہ۔ پیٹ کی وہ ریل پیل تھی کہ چاندی کے برتنوں میں کھانا اور سونے کی مسہریوں پر آرام کرنا عام بات تھی۔ یہ شادی نہیں کرتے تھے، لیکن شادی کی اُنہیں ضرورت ہی کیا تھی؟ یہ عشق بھی نہیں کرتے تھے۔ اس لئے کہ حسن ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہتا تھا۔ پری چہرہ اور گلفام لڑکیاں ان کا دل بہلایا کرتی تھیں۔ ان کے پاؤں دابا کرتی تھیں۔ اُن کی سیوا کیا کرتی تھیں۔ وہ کون سی

خواہش تھی کہ یہ کریں اور وہ پوری نہ ہو۔ وہ کونسی آرزو تھی کہ ان کے دل میں مچلے اور حاصل نہ ہو جائے۔ یہ ہنستے تھے تو ان کے ساتھ ساتھ دنیا ہنسنے لگتی تھی۔ انہیں غصہ آتا تھا تو زمین آسمان کانپنے لگتے تھے۔

بڑے پجاری کا غصہ اب تک نہیں اُترا تھا۔ اس کی آنکھوں سے اب تک شعلے برس رہے تھے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ ـــــ نہیں، نگرکوٹ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک عورت نے نافرمانی اور گستاخی کی جرأت کی تھی۔ بڑا پجاری بڑا ہونے کے باوجود ابھی چھوٹا یعنی نوعمر تھا۔ یہ منصب اُسے باپ سے ورثے میں ملا تھا، اور جب سے وہ اس منصب پر فائز ہوا تھا، اس کی شان و شوکت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ خود راجہ نندپال اپنی مہارانیوں کے ساتھ دو مرتبہ یہاں آ چکا تھا۔ نندپال کی مجال نہ تھی کہ وہ بڑے پجاری کے سامنے بیٹھ سکتا۔ جب وہ آشیرباد لے کر رخصت ہونے لگا تو اُلٹے پاؤں واپس ہوا تھا۔ یہ گستاخی کیسے کر سکتا تھا کہ بڑا پجاری اس کی پیٹھ دیکھے لیکن یہ سیتا! یہ گمنام اور کم مایہ چھوکری، اُس نے بڑے پجاری کا غرور توڑ دیا تھا۔ اس نے بڑے پجاری کو ڈانٹا تھا، اور اس کے منہ پر طمانچہ بھی مار دیا تھا۔ بڑا پجاری چاہتا تو اتنی بڑی توہین پر اس چھوکری کا گلا گھونٹ سکتا تھا۔ اس کی گردن کاٹ سکتا تھا۔ اس کی بوٹیاں چیل کوؤں کو کھلا سکتا تھا۔ اس کے حسین و جمیل، خوبصورت اور نازنین جسم کا قیمہ قیمہ کر سکتا تھا، لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ صرف قید کرنے پر اکتفا کیا۔ شاید وہ محبت کرنے لگا تھا ـــــ محبت عشق ـــــ عشق خانہ خراب!

سنت کا فرتھا جن نے پہلے اَمیر
مذہبِ عشق اختیار کیا

نگرکوٹ کی مقدس بستی میں یہ گناہ بڑے پجاری سے پہلی مرتبہ سرزد ہوا۔ لیکن یہ گناہ یک طرفہ تھا۔ سیتا اس سے محبت نہیں کرتی تھی، نفرت کرتی تھی۔ اس کی صورت دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھی۔ جب بڑے پجاری نے اُس سے کہا تھا ـــــ "سیتا! ـــــ"

بھول کر تو ایک معمولی عورت ہے۔ اور میرے رحم و کرم پر ہے!"

تو شیرنی کی طرح بپھر کر سیتا نے جواب دیا تھا: "تو بھی نہ بھول کہ تو ایک آدمی ہے — بدصورت بھی اور بدکار بھی!"

اس پر بڑے پجاری نے جھلا کر کہا تھا: "تو کسے بدکار کہہ رہی ہے؟ اسے جو ہندو دھرم کا سب سے بڑا اور سب سے مقدس آدمی ہے، جس کے سامنے راجہ جھکتے ہیں، جس سے دیوتا خوش ہیں اور جس کی بھگوان سہائتا کرتے ہیں؟ اپنے شبد واپس لے۔ ورنہ تو نرک (جہنم) میں جلائی جائے گی!"

اور سیتا نے بڑے جوش و خروش سے کہا تھا:

"اگر تو ہندو دھرم کا سب سے بڑا آدمی ہے، تو میں ہندو دھرم سے بھی نفرت کرتی ہوں۔ اگر دیوتا تجھ سے خوش ہیں تو وہ بھی اس قابل نہیں کہ انہیں مانا جائے اگر بھگوان تیری سہائتا کرتے ہیں تو میں نے ایسے بھگوان کو بھی چھوڑا۔ تو پاپی ہے، تیری آتما پاپی ہے تیرے بول پاپی ہیں، تیرا شریر پاپی ہے۔ دھرم، دیوتا، بھگوان سب تجھ سے نفرت کرتے ہیں دھتکار بھیجتے ہیں تجھ پر —"

اور پھر قبل اس کے کہ سیتا کچھ اور کہتی، بڑے پجاری نے اسے کال کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ اس سے ہلکی سزا دینا بڑے پجاری کے اختیار میں نہ تھا!

بڑا پجاری خاموش اور مضمحل بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے کا ایک رنگ آتا تھا، ایک جاتا تھا۔ خوبصورت مرلیاں دائیں بائیں کھڑی مور کے پر کا پنکھا جھل رہی تھیں اور کئی حسین و جمیل دیوداسیاں سامنے دست بستہ مؤدب کھڑی تھیں، کہ حکم ملے اور تعمیل کریں۔ لیکن بڑا پجاری اپنے خیال میں کھویا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ چونکا۔ اس نے تالی بجائی اور فوراً ہی دو مہنت آ کر کھڑے ہو گئے

بڑے پجاری نے کہا "سیتا کو ہمارے حضور میں پیش کرو۔"

وہ دونوں فوراً غائب ہو گئے اور تھوڑی دیر میں سیتا کو لے کر آ گئے۔ سیتا کی گرفتاری کو آج تیسرا دن تھا۔ گزشتہ تین دن سے وہ مسلسل فاقے کر رہی تھی۔ اس کا پھول سا چہرہ کملا گیا تھا، اس کی رونق اور چمک دار آنکھوں کی رونق ختم ہو گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر پپڑیاں جمی تھیں۔ کمزوری اور نقاہت کے سبب وہ پاؤں رکھتی کہیں تھی، پڑتا کہیں تھا!

پجاری نے ایک نظر سیتا پر ڈالی اور گرجدار آواز میں کہا: "بٹھا دو!"

سامنے قالین کا فرش تھا۔ وہ اس پر بٹھا دی گئی۔ پھر بڑے پجاری نے منتوں کی طرف دیکھا، وہ جہاں سے آئے تھے، وہاں چلے گئے۔ ایک نظر دیوداسیوں پر ڈالی۔ وہ بھی اشارہ سمجھ گئیں اور رخصت ہو گئیں۔ پھر پنکھا جھلنے والی کو گھورا، انہوں نے پنکھا بغل میں دبایا اور دبے پاؤں کمرے سے نکل گئیں۔

اب کمرہ میں بڑا پجاری تھا یا سیتا!

کئی منٹ تک خاموشی طاری رہی۔ سیتا سر جھکائے چپ چاپ بیٹھی تھی، اور بڑا پجاری ٹکٹکی لگائے اسے گھور رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا، "جانتی ہو میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟"

وہ آنکھیں چار کئے بغیر بولی: "نہیں جانتی ——— اور نہ جاننا چاہتی ہوں!"

بڑا پجاری: "جانتا ہوں تم بہت خفا ہو اور مانتا ہوں تمہاری خفگی حق بجانب ہے۔"

یہ الفاظ سن کر سیتا چونک پڑی اسے بڑا اچنبھا ہوا۔ بڑا پجاری اپنی غلطی کا اعتراف کر رہا تھا ——— وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

بڑا پجاری: "شاید تمہیں حیرت ہو رہی ہے کہ میری آن کیسے ٹوٹی ——— لیکن سچ بات کہنے میں شرمانا نہ چاہئے، میں نے ایک غلطی کی اور اس غلطی پر نادم ہوں، شرمندہ ہوں!"

سیتا نے کوئی جواب نہ دیا۔

بڑے پجاری نے کہا: "کیا تم مجھے معاف نہ کرو گی سیتا ——— اپنے نام کی لاج رکھو اور معاف کر دو۔ میں واقعی پاپی تھا۔ لیکن تم نے مجھے پاپ کے دلدل سے نکال باہر کھڑا کر دیا۔ اب پاپی نہیں ہوں۔ اب پاپ مجھ سے اتنا ہی دُور ہے جتنا تم سے ——— سیتا سے!"

وہ بولی: "یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ آدمی ہی سے غلطی ہوتی ہے۔ جب وہ اپنی غلطی پا اصرار کرتا ہے تو پاپی اور راکھشس بن جاتا ہے۔ اور جب مان لیتا ہے تو آدمیت کے بڑے اونچے درجے پر پہنچ جاتا ہے ——— مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ نے غلطی مان لی۔ پہلے میں آپ سے نفرت کرتی تھی اب عزت کرتی ہوں!"

بڑا پجاری یہ الفاظ سُن کر خوشی سے بے خود ہوگیا۔ اُس نے جھومتے ہوئے کہا۔

"تم میری عزت کرتی ہو؟"

سیتا: "ہاں ——— عزت کرتی ہوں۔"

بڑا پجاری: "تم نے میری خطا معاف کر دی؟"

سیتا: "ہاں معاف کر دی۔ دل سے۔ سچے دل سے!"

پجاری: "بس اتنا ہی یا اس سے کچھ زیادہ بھی؟"

سیتا: "بس یہیں تک ———"

پجاری: "خوش رہو۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں ——— مجھ سے نفرت کرو، مجھے پاپی سمجھو، میری بات نہ پوچھو، میری صورت نہ دیکھو، جو چاہو کرو، خوش ہو۔ تم نے کئی دن سے کچھ نہیں کھایا۔ ذرا اپنی صورت تو دیکھو، کیا حال ہوگیا ہے تمہارا؟ نہ چہرے پر وہ رونق رہی، نہ آنکھوں میں وہ چمک ——— اور سیتا، ایک بات بتاؤں؟"

سیتا: "کہئے، کون سی بات؟"

پجاری: "میں نے جب سے یہ خبر سُنی ہے، اُس وقت سے نہ ایک لقمہ کھانا کھایا ہے، نہ ایک گھونٹ پانی پیا ہے۔ ضمیر ملامت کر رہا تھا کہ سیتا جیسی نیک عورت کو ستایا۔ اب تم خوش ہوئیں۔ تو جان میں جان آئی۔ اب بھوک لگی ہے!"

سیتا: "ضرور کھائیے ——— آپ تو کھانے کے عادی ہیں اور عادت بڑی مشکل سے چھوٹتی ہے۔ واقعی جان پر بن گئی ہوگی!"

یہ کہہ کر وہ مسکرا دی۔

بڑے پجاری نے کہا: "تمہیں حق ہے کہ میرا مذاق اڑاؤ لیکن اکیلا نہیں کھاؤں گا۔ تمہیں بھی میرا ساتھ دینا پڑے گا؟"

سیتا: "مجھے کوئی عذر نہیں۔ کھا لوں گی!"

پجاری: "لیکن میرے ساتھ کھانے میں اعتراض تو نہ ہوگا تمہیں؟"

سیتا: "کھا لوں گی حرج ہی کیا ہے؟"

بڑے پجاری کو امید نہیں تھی کہ سیتا ساتھ کھانے پر رضامند ہو جائے گی۔ اس خلافِ توقع جواب نے اس پر سرور و نشاط کی کیفیت طاری کر دی۔ اس نے فوراً تالی بجائی۔ دیو داسیوں اور خرلیوں کا جھرمٹ فوراً حاضر ہوگیا۔

اُس نے کہا: "تھال چنے جائیں۔ ہم کھانا کھائیں گے!"

اور فوراً ہی طرح طرح کے کھانے تھالوں میں سجا سجا کر سامنے ڈھیر کر دئے گئے۔

کھانے کے بعد جب سیتا جانے لگی تو بڑے پجاری نے کہا: "کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ اس وقت بہت نڈھال ہو رہی ہو۔ کیا شام کو یہاں تک آسکو گی؟"

وہ رکھائی سے بولی: "آجاؤں گی۔"

بڑے پجاری نے کہا: "آسکو تو ضرور آنا۔ بہت ضروری باتیں ہیں۔ ایسی باتیں جو ہمارے دھرم کی زندگی اور موت کا دار و مدار ہے!"

وہ جاتے جاتے ٹھٹک کر کھڑی ہوگئی۔

"دھرم کی زندگی اور موت ———!"

بڑے پجاری نے ایک آہِ سرد بھر کر کہا: "ہاں سیتا، دھرم کا معاملہ ہے، جس کی بات چیت کرنی ہے۔ بڑا اہم، بڑا کٹھن!"

وہ جاتے جاتے بیٹھ گئی۔

"نہیں جاتی۔ نڈھال ضرور ہو رہی ہوں، لیکن دھرم کے لئے جان بھی حاضر ہے۔ کہئے کیا کہنا ہے؟ میں کیا کر سکتی ہوں؟"

بڑا پجاری بولا:۔

"نہیں سیتا اس وقت نہیں، شام کو آنا —— ذرا مجھے بھی سوچ لینے دو!"

---

(۳۲)

دھرم کے لئے!

سیتا کے لئے وقت کاٹنا دوبھر ہو گیا۔ بڑی مشکل سے شام ہوئی۔ اُس نے یہ انتظار بھی نہیں کیا کہ بڑا پجاری بُلائے تب جائے۔ وہ خود ہی اس کے کمرے میں پہنچ گئی۔ اسے دیکھ کر وہ فوراً اضطراب سے وہ کھڑا ہو گیا۔ اُس نے کہا۔

"تم آگئیں سیتا؟"

وہ بولی: "ہاں آگئی —— جب سے اب تک کسی پہلو قرار نہیں آیا۔"

بڑے پجاری نے کہا: "واقعی تمہارے دل میں دھرم کا بڑا درد ہے۔ دھرم کا معاملہ نہ ہوتا اور میں مر بھی جاتا تو شاید تمہارے قدم یہاں نہ آتے۔"

پھر بڑے پجاری نے سب کو رخصت ہو جانے کا اشارہ کیا۔ جب بالکل تخلیہ ہو گیا تو اس نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا —— "نند پال کو شکست ہو گئی!"

وہ بے پروائی سے بولی —— "ہاں سن چکی ہوں —— وہ شکست ہی کا مستحق تھا۔ بہت اچھا ہوا!"

بڑے پجاری پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ کچھ دیر تو وہ کچھ نہ بول سکا۔ پھر اُس نے اپنے حواس مجتمع کر کے کہا:۔

"سیتا یہ کیا کہہ رہی ہو؟ —— نند پال ہندو دھرم کا بہت بڑا پُشت پناہ ——"

سیتا نے کہا: "آپ کی نظر میں ورنہ وہ کائر (بزدل) ہے کائر بزدل نہ ہوتا تو مر جاتا مگر اپنی راجدھانی نہ چھوڑتا۔ میدانِ جنگ سے نہ بھاگتا۔ ایسے بھگوڑوں سے مجھے کوئی ہمدردی نہیں!"

بڑے پجاری نے بات کا پہلو بدلا: "ہمدردی ہمیں بھی نہیں۔ واقعی وہ کائر ہے لیکن سوال نندپال کا نہیں، ہندو دھرم کا ہے!"

سیتا نے پوچھا: "وہ کیسے؟ جو ہندو دھرم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے وہ ہندو دھرم کا پشت پناہ کیسے بن گیا؟"

بڑے پجاری نے جواب دیا: "نہیں سیتا، تم غلط سمجھ رہی ہو ——— لاہور پہ محمود غزنوی نے قبضہ کر لیا ———"

سیتا: "یہ بھی سن چکی ہوں"

پجاری: "نندپال نگرکوٹ کی طرف بھاگا، محمود اس کا تعاقب کرتا ہوا نگرکوٹ آ رہا ہے۔ اگر وہ یہاں آگیا تو تم ہی بتاؤ ہندو دھرم زندہ رہ سکے گا؟ وہ ہمارے مندروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ ہمارے بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ ہمارے استھانوں کی بے عزتی کرے گا، اور پھر ——— وہ رکے گا نہیں، بڑھتا چلا جائے گا۔ سارے ہندوستان پر قبضہ کرے گا۔ سارا ملک اس کا غلام ہو جائے گا۔ ہمارا دیس، ہمارا دھرم، ہمارا نام مٹ جائے گا ——— سیتا کیا یہ سب کچھ تم گوارا کر لو گی؟ ——— بولو؟"

سیتا: "نہیں ——— نندپال جئے یا مرے، محمود کو روکنا چاہیے!"

پجاری: "بالکل ٹھیک ——— یہی میں کہہ رہا تھا۔ ہمیں نندپال سے بحث نہیں اس کے جیتنے اور ہارنے سے بھی کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ کل کا مرتا آج مر جائے لیکن جب تک ہم زندہ ہیں اپنے دیس کو تو نہیں مرنے دیں گے۔ اپنے دھرم پر آنچ نہیں آنے دیں گے!"

سیتا: "میں عورت ہوں۔ کمزور، بے سہارا، لیکن دھرم پر کٹ مرنے کے لئے میں بھی تیار ہوں"

بڑا پجاری: "سچ کہہ رہی ہو سیتا؟"

سیتا: "ہاں ——— بتائیے میں کیا کر سکتی ہوں؟ ——— ایک عورت کیا کر سکتی ہے؟"

بڑا پجاری: "عورت کیا کر سکتی ہے اور کیا نہیں کر سکتی اسے چھوڑو، باقی تم بہت کچھ کر سکتی ہو اگر تم چاہو تو ہمارے دیس اور دھرم کی لاج بچ سکتی ہے۔ محمود کے بڑھتے ہوئے قدم رک سکتے ہیں!"

سیتا: "کیونکر؟ کس طرح رک سکے؟"

بڑا پجاری: "تمہیں ایثار کرنا پڑے گا مرنے کے لئے تیار رہنا پڑے گا۔ دیس اور دھرم کے لئے سب کچھ قربان کر دینے کا عہد کرنا پڑے گا۔ حتیٰ کہ آبرو بھی، لاج بھی!"

سیتا: "میں تیار ہوں، عہد کرتی ہوں"

بڑا پجاری: "تو پھر ہم کامیاب ہیں۔ پھر ہمیں شکست نہیں ہو سکتی"

سیتا: "لیکن بتائیے کہ کس طرح؟"

بڑا پجاری: "تمہیں محمود غزنوی کے لشکر میں جانا پڑے گا۔ وہاں کی تمہیں ٹوہ لینی پڑے گی۔ تم وہاں جاسوس بن کر جاؤ گی، اور ایک ایک بات کی خبر ہمیں پہنچاؤ گی!"

سیتا: "لیکن اگر پہچان لی گئی؟"

بڑا پجاری: "تو کیا ہوگا؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ماری جاؤ گی۔ ہم جانتے ہیں تم نندپال کی طرح کائر نہیں۔ جواں ہمت ہو، مر جاؤ۔ جان دے دو ——— کیا اپنے دھرم اور دیس کے لئے تم اتنا بھی نہیں کر سکتیں؟"

کچھ دیر تک سیتا سوچتی رہی۔ پھر اس نے کہا: "میں اس کے لئے بھی تیار ہوں!"

بڑا پجاری: "(خوش ہو کر) سچ؟"

سیتا: "ہاں ——— میں محمود کے لشکر میں جاؤں گی۔ اور جس طرح بن پڑے گا، وہاں کے حالات کی ٹوہ لگاؤں گی!"

بڑا پجاری: "اگر یہ کام کر لیا، تو ہندو دھرم تمہیں کبھی نہیں بھولے گا۔ آنے والی نسلیں فخر

کے ساتھ تمہارا نام لیں گی، دیس کے چپہ چپہ پر تمہارا نام نقش ہو جائے گا۔ یہاں کے دریا، یہاں کے کھیت، یہاں کے مرد، عورتیں اور بچے سب تمہیں یاد رکھیں گے۔ سب کے دلوں پر تم حکومت کرو گی۔ سب کے دلوں پر تمہاری عظمت کا سکہ بیٹھ جائیگا اور نند پال تمہیں منہ مانگا انعام دے گا۔

سیتا: سر ہتھیلی پر رکھ کر نند پال کے لئے نہیں اپنے دھرم کے لئے جا رہی ہوں۔ مجھے نند پال سے کوئی انعام نہیں چاہئے۔ وہ جگوڑا ہے۔ وہ ہندو دھرم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے!

بڑا پجاری: نہیں ایسا نہ کہو۔ وہ کچھ بھی ہو، ہمارا مہمان ہے۔ ہمارے پاس پناہ لینے کیلئے آیا ہے ہمیں اس کی خاطر کرنی چاہئے۔ اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

سیتا: نند پال یہاں ہے؟

بڑا پجاری: ہاں ——— اسی مندر میں۔ وہ چاہتا ہے محمود کو ناکوں چنے چبوا دے۔ میدان کی جنگ اس نے جیت لی۔ لیکن کوہستان کی جنگ نہیں جیت سکتا۔ نگر کوٹ کے پہاڑ پر چڑھنا، اور پہاڑ پر کسی طرح چڑھ بھی جائے تو دوسرے پہاڑ یعنی ہمارے مندروں کے حصار پر چڑھنا ناممکن ہے۔ ہم اپنی فصیلوں سے اگر پتھر بھی لڑھکا دیں تو اس کے سپاہی لڑھک لڑھک کر یا تو غاروں میں گریں گے یا پس کر سرمہ ہو جائیں گے لیکن ضروری ہے کہ ہمیں دم بدم کی خبریں ملتی رہیں۔ محمود کے ارادوں کا پتہ چلتا رہے اس کے لشکر کی نقل و حرکت معلوم ہوتی رہے۔"

سیتا نے گویا یہ باتیں نہیں سنیں۔ کہا تو یہ کہا: "تو کیسے مہاراجہ نند پال یہاں براجمان ہیں ———؟"

بڑا پجاری: ہاں ——— لیکن تمہیں کیا؟"

سیتا: بہت کچھ ہے ——— اب میں نہیں جاؤں گی۔ نند پال سے کہئے، وہ خود بھیس بدل کر جائے اور خبریں لائے۔"

بڑا پجاری: "نہیں سیتا! غصہ نہ کرو، تم نے مجھ جیسے پاپی کو معاف کر دیا، نند پال کا قصور تو مجھ سے بہت کم ہے!"

سیتا: "آپ کو اس لئے معاف کر دیا کہ آپ نے صرف میرے ساتھ زیادتی کی تھی۔ اور نند پال کو اس لئے نہیں معاف کیا جا سکتا کہ اس نے دھرم کو دھوکہ دیا۔ دیس سے دغابازی کی۔ اس کی کارستانی نے ہندو قوم کو بدنام کیا۔ اس کے لئے کام کرنا میں اپنی توہین سمجھتی ہوں!"

"اوہو سیتا، تم تو بہت خفا ہو!"

"ہاں بہت زیادہ!"

"لیکن سنو تو ——— نند پال کو ہم اس لئے بچانا نہیں چاہتے، کہ وہ نند پال ہے۔ اس لئے بچانا چاہتے ہیں کہ وہ ہندو دھرم کا نمائندہ ہے۔ ذرا غور تو کرو کتنی عبرت کا مقام ہے۔ اتنا بڑا راجہ، ہم سے مدد لینے کے لئے ایک بھکاری کی طرح آیا ہے۔ ہم اس کی جو کچھ بھی مدد کریں گے وہ اس کی نہ ہوگی۔ ہندو دھرم کی ہوگی ——— ہندو دھرم جیت جائے۔ پھر ہم نند پال سے سمجھتے رہیں گے۔ بلکہ سمجھتے کیا رہیں گے، سزا دیں گے!"

سیتا چپ ہو گئی، گویا وہ بڑے پجاری کا کہنا مان گئی۔

بڑے پجاری نے کہا: "تو پھر کل روانہ ہو جاؤ۔ محمود تیزی سے تعاقب کرتا ہوا آ رہا ہے ایسا نہ ہو وہ آ جائے، تب تم باہر نکلو۔"

سیتا نے پوچھا: "میرے ساتھ کون جائے گا؟"

بڑے پجاری نے کہا: "جسے تم چاہو!"

---

(۳۳)

اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

سیتا مسلمانوں کی دشمن نہیں تھی۔ وہ اسلام کے مفہوم سے بھی ناواقف تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی مسلمان کیسے ہوتے ہیں؟ کیا کرتے ہیں؟ ان کا مذہب کس قسم کا ہے؟ وہ کس طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں؟ دوستوں کے ساتھ کیونکر رہتے ہیں؟ اور دشمنوں سے ان کا سلوک کیا ہوتا ہے؟ یہی وجہ تھی کہ وہ مسلمانوں سے نفرت نہیں کرتی تھی، ان کی دشمن نہیں تھی، ان کا نام سنتی تھی، ان کی بہادری کے کارنامے سنتی تھی تو اسے ایک قسم کی دلچسپی سی ہونے لگتی تھی اس قوم سے۔

لیکن بڑے پجاری کی تقریر نے اس دلچسپی کو نفرت حقارت اور بیزاری سے بدل دیا۔ جو لوگ بتوں کو توڑ ڈالتے ہوں۔ مندروں کو ڈھا دیتے ہوں۔ مہندوراجوں کو زیر کر لیتے ہوں وہ کتنے ہی اچھے ہوں مگر اچھے نہیں ہو سکتے۔ ایسا کم ہوتا ہے کہ حقیقت جذبہ پر غالب آجاتی ہے۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ جذبات حقائق پر غالب آجاتے ہیں۔ سیتا کے سامنے جب مسلمانوں کی یہ تصویر پیش کی گیا تو گھن کھانے لگی ان سے۔

دوسرے دن سویرے سویرے پھر بڑے پجاری نے اُسے بلایا۔ وہ بے تامل چلی گئی

اس نے پوچھا: "آج تیاری ہو گئی؟"

وہ بولی: "ہاں ——— سامان سفر تیار کر لیا۔"

بڑے پجاری نے آہستہ سے کہا: "مہاراجہ نند پال کی خواہش تھی کہ ———"

سیتا نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا: "ان کا نام نہ لیجئے۔ مجھے ان کی خواہش سے کوئی سروکار نہیں۔ مجھے دیس اور دھرم کے لئے جانے دیجئے۔ میری نیت میں کھوٹ نہ پیدا کیجئے۔"

بڑا پجاری ہنسنے لگا۔

"غلطی ہوئی بھئی۔ ہم اپنے الفاظ واپس لیتے ہیں ——— اچھا یہ تو بتاؤ، تمہارے ساتھ کون کون جائے گا؟"

سیتا نے جواب دیا: "گنگا تو ضرور جائے گی۔ دو تین سپاہی بھی ساتھ کر دیجئے، اور انہیں تاکید کر دیجئے کہ میرے اشارے پر چلیں اور مسلمانوں کا بھیس بدل لیں!"

بڑے پجاری نے یہ شرط منظور کر لی۔ فوراً گنگا کی رہائی کا حکم صادر کیا اور تین سپاہیوں کو سیتا کے ساتھ جانے پر مامور کر دیا۔ انہیں حکم دیا، "سیتا کے ایک اشارے پر گردن کٹا دینا۔ جہاں لے جائے۔ وہاں جانا، جو حکم دے اس کی تعمیل کرنا!"

سپاہیوں نے بسروچشم تعمیل ارشاد کا وعدہ کیا اور یہ پانچ آدمیوں کا مختصر سا قافلہ نگر کوٹ سے باہر نکل کر تیزی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگا۔ دوسرے دن ایک خوشگوار اور گھنے جنگل میں گزر ہوا۔ گنگا سہم سی گئی۔ یہاں کی فضا دیکھ کر سیتا کی طبیعت جولانی دکھانے لگی۔ وہ گھوڑے سے اتر پڑی۔ اپنے اور گنگا کے گھوڑے کو ایک درخت سے لگام کے ذریعہ لٹکا دیا اور خراماں خراماں چلنے لگی۔ گنگا نے سیتا کے قریب آکر کہا: "ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

سیتا نے جواب دیا: "مرنے ——— بڑا دوستی کا دم بھرتی تھیں، اب ساتھ جاؤ پیچھے!"

وہ تن کر بولی: "پیچھے ہٹنے والے کوئی اور ہوتے ہوں گے۔ ہم نہیں ———"

اور اس کے بعد گنگا کچھ نہ کہہ سکی۔ اس کی گھگھی بندھ گئی۔ سامنے ایک شیر کھڑا ہے رہا تھا۔ سیتا بڑی ہمت والی لڑکی تھی۔ لیکن اس کے بھی اوسان خطا ہو گئے۔ اس نے

پٹ کر دیکھا تو کوئی نہ تھا ——— بات یہ ہوئی کہ گنگا اور سیتا سرپٹ گھوڑے دوڑاتی بہت دور نکل آئیں، دو تین آدمی، جوان دونوں کے ساتھ تھے، بہت پیچھے رہ گئے۔ وہ بھی اپنی باتوں میں منہمک تھے۔ راستہ بڑا سنسان تھا۔ ہُو کا عالم، دشوار گزار جنگل، گنگا اور سیتا نظروں سے اوجھل ہو گئیں، وہ اپنے زعم میں ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ یہاں تک کہ دونوں کی منزل جدا ہو گئی۔ وہ کسی اور طرف جا نکلے اور یہ کہیں اور پہنچ گئیں۔ اگر وہ اس وقت ہوتے بھی تو شاید کچھ مدد نہ کر سکتے لیکن کم از کم ڈھارس تو رہتی۔ اپنے آپ کو بالکل تنہا اور بے سہارا پاکر بے ساختہ سیتا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے وہ کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ یہی حال گنگا کا بھی تھا۔ شیر اپنی جگہ بت کی طرح ساکت و صامت کھڑا تھا۔ لیکن کیا مجال کہ پلک جھپکا لے یا آنکھ ہٹا لے۔ سیتا اور گنگا میں سے کسی میں یہ سکت نہیں تھی کہ تیر چلاتیں یا تلوار سونت کر حملہ کر دیتیں۔ حالانکہ ترکش تیروں سے بھرا ہوا تھا اور میان میں دودھاری تلوار بجلی کی طرح چمک رہی تھی۔ اتنے میں شیر نے ایک بڑے زور کا دھڑکا لگایا۔ سارا جنگل اس کی آواز سے گونج گیا۔ گنگا اور سیتا دونوں ایک ایک بالشت اپنی جگہ سے اچھل پڑیں۔ پھر اس نے ایک جست لگائی اور گنگا کو جھاپ بیٹھا۔ سیتا پر سکتہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کا دماغ بیکار ہو چکا تھا۔ حواس غائب ہو چکے تھے۔ دفعتہً اس کی آنکھوں کے سامنے ایک بجلی سی چمکی، اور اب جو وہ دیکھتی ہے تو شیر کے دو ٹکڑے ہو چکے تھے۔ گنگا ایک طرف بے ہوش پڑی تھی۔ اس کے ماتھے، گال اور سینہ سے خون بہ رہا تھا۔ لیکن بہت زیادہ نہیں ——— سامنے ایک طرحدار اور خوب رُو ترک کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس تبسم میں ایک دنیا آباد تھی!

سیتا کی اور اس کی آنکھیں چار ہوئیں۔ دفعتہً سیتا کی آنکھیں جھک گئیں اور وہ تیزی سے گنگا کی طرف لپکی۔ اور اس کے پاس بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ترک آگے بڑھا۔ اس نے بڑی ملائمت کے ساتھ کہا "گھبرائیے نہیں۔ یہ صرف بیہوش ہوئی ہیں۔ زخم بہت معمولی ہیں۔ خواش سمجھئے۔ ابھی ذرا دیر میں ہوش آیا جاتا ہے۔ پانی ہے آپ کے پاس؟"

وہ لجاتی ہوئی بولی: "پانی کی چھاگل ہمارے آدمیوں کے پاس تھی، وہ نہ جانے پیچھے کہاں رہ گئے!"

ترک نے کہا "کوئی مضائقہ نہیں، وہ دیکھئے سامنے چشمہ ہے۔"

اور یہ کہہ کر بڑی پھرتی سے اس نے گنگا کو گود میں اٹھا لیا۔ لیکن اس ادب کے ساتھ جیسے کوئی سپاہی مندر کی گھنٹا جل اٹھاتا ہے۔ سیتا ترک کے پیچھے پیچھے چلی۔ چشمہ قریب ہی تھا۔ سبزہ زار پر اس نے گنگا کو لٹا دیا، اور چلو میں چشمہ کا ٹھنڈا پانی لے کر گنگا کے منہ پر چھینٹے مارنا شروع کئے۔ مگر گنگا نے جنبش تک نہ کی۔ سیتا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "آپ بیکار کوشش کر رہے ہیں، یہ مر چکی ہے!"

ترک نے جواب دیا "نبض چل رہی ہے، دل دھڑک رہا ہے۔ سانس کی آمد و شد جاری ہے آپ خواہ مخواہ مایوس ہوتی ہیں۔ ابھی ہوش آیا جاتا ہے۔"

اور پھر اس نے پانی کے چھینٹے مارنا شروع کئے۔ تھوڑی دیر میں گنگا نے جنبش کی۔ پھر آنکھیں کھول دیں۔ سیتا خوش ہو گئی۔ پھول کی طرح کھل اٹھی۔ کلی کی طرح مسکرانے لگی۔

"میری گنگا بچ گئی۔ بھگوان نے تجھے بچا لیا۔ رام اس سپاہی (ترک کی طرف اشارہ کرکے) کا بھلا کریں۔ اس نے ایسی تلوار ماری کہ دو ٹکڑے ہو گئے۔ شیر ڈھیر ہو گیا وہیں ڈھیر!"

گنگا نے سہمے ہوئے انداز میں کہا "نہیں، نہیں ——— وہ مرا نہیں، زندہ ہے پھر آ رہا ہے، دیکھو وہ آیا ہے!"

اور وہ دوڑ کر سیتا سے لپٹ گئی۔ سیتا نے اسے گلے سے لگا لیا "نہیں گنگا وہ تو نہیں، وہ تو مار ڈالا گیا۔ یہ دیکھو اس کی لاش پڑی ہے!"

گنگا چیخی: "رام کے لئے جھوٹ نہ بولو، شیر مرا نہیں، لیٹا ہوا ہے، وہ مرا نہیں

سکتا، اسے کوئی مار نہیں سکتا چلو بھاگ چلو جلدی سے نہیں تو پھر آ جائے گا!"

اور یہ کہہ کر وہ بھاگی۔ لیکن سیتا نے لپک کر اسے پکڑ لیا اور بولی: "اری پگلی! اب شیر دیر نہیں آتا۔ آ میں تجھے دکھاؤں (چند قدم چل کر) دیکھ یہ رہا تیرا شیر!"

گنگا نے ایک نظر اس پر ڈالی اور سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔

"ہائے رام!"

ترک بولنے لگا: "بہت کمزور ہے ان کا دل۔ آخر ایسے سنسان اور ویران اور خوفناک جنگل میں آپ انہیں لائیں کیوں؟ اور خود بھی کیوں آئیں؟"

سیتا اس سوال کا جواب کیا دیتی۔ چپ ہو رہی۔

ترک نے پوچھا: "اب آپ جائیے —— کیا آپ پا پیادہ آئی تھیں؟"

وہ کہنے لگی: "نہیں گھوڑے پر —— (ادھر اُدھر دیکھ کر) شاید شیر کی بو سونگھ کر وہ بھی بھاگ گئے!"

ترک نے پوچھا: "پھر کیسے جائیں گی آپ —— ؟ اور یہ آپ کی بہن تو زخمی ہیں۔ یہ دو قدم بھی پیدل نہیں چل سکتیں —— چلئے میں آپ کے گھر تک پہونچا آؤں کتنی دور ہے۔ یہاں سے آپ کا گھر؟"

اس سوال نے سیتا کو حواس باختہ کر دیا۔ وہ بولی: "ہم لوگ بڑی دور سے آ رہے ہیں۔ راستہ بھول چکے ہیں، یہ بھی نہیں معلوم کدھر جانا ہے —— بلکہ ہم جہاں سے آ رہے ہیں وہاں کے رہنے والے بھی نہیں! ——"

پھر ہمت کر کے سیتا نے پوچھا: "آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ آپ کہاں جائیں گے؟"

ترک نے کہا: "میں غزنی کا رہنے والا ہوں۔ میرا لشکر یہاں سے تھوڑے فاصلہ پہ ہے وہاں جاؤں گا!"

سیتا کانپ گئی: "آپ مسلمان ہیں؟"

وہ مسکرایا: "ہاں —— اعتراض ہے آپ کو کچھ؟"

ایک شیر سے نجات ملی تھی، دوسرا شیر ہر سامنے کھڑا تھا۔ وہ اپنے حواس مجتمع کر کے بولی: "نہیں اعتراض کیوں ہوتا؟ مسلمان تو بڑے اچھے ہوتے ہیں —— !"

اتنے میں گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سیتا کے کان میں آئی اور تھوڑی دیر میں چند ترک سوار اپنے ساتھی کو تلاش کرتے ہوئے پہنچ گئے۔ ان سواروں کو دیکھ کر سیتا کے حواس اور زیادہ پراں ہوئے۔ ان میں سے ایک نے گنگا اور سیتا کے نجات دہندہ ترک سے پوچھا۔

"تم کہاں رہ گئے تھے افضل؟ بڑی دیر میں اور بڑی مشکل سے ملے سارا جنگل چھان مارا ہم نے تمہاری تلاش میں؟"

افضل نے شیر کی طرف اشارہ کر کے اور سیتا کی طرف دیکھ کر کہا: "یہ ان کا شکار کر رہا تھا میں نے اس کا شکار کر لیا —— لیکن ابوالحسن یہ باتیں کرنے کا موقع نہیں۔ ان کی بہن زخمی ہے۔ اس کا علاج ہونا چاہئے۔ یہ راستہ گم کر چکی ہیں۔ تنہا نہیں جا سکتیں تم کسی دوسرے سوار کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ اپنا گھوڑا انہیں دے دو!"

ابوالحسن فوراً اپنے گھوڑے پر سے اتر پڑا۔ افضل نے سیتا سے کہا: "بیٹھ جائیے اس پر!"

وہ بیٹھ گئی!

پھر اس نے گنگا کو بڑی احتیاط سے اٹھا کر پیٹھ پر لادا —— وہ پھر بے ہوش ہو چکی تھی —— اور ابوالحسن کے سہارے اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر سیتا سے کہا۔

"آئیے چلئے!"

---

(۳۴)

سیتا اور گنگا میں جھڑپ

گنگا اب اچھی ہو رہی تھی۔ زخم بڑی حد تک بھر چکے تھے۔ کمزوری البتہ بہت تھی جب سے اسے ہوش آیا تھا، ہر وقت مسلمانوں کے گُن گایا کرتی تھی!

لیکن سیتا خاموش تھی! —— خاموش اور سنجیدہ! وہ جب سے مسلمانوں کے خیمہ میں آئی تھی، ایک ذہنی خلش اور سخت تر دماغی کشمکش میں مبتلا تھی۔ وہ گھر سے اس لئے نکلی تھی کہ کسی طرح مسلمانوں کے لشکر میں پہنچ جائے اور وہاں سے دم بدم کی خبریں برابر پجاری کو پہنچاتی رہے تاکہ وہ ان خبروں سے نند پال کو مطلع کریں اور نند پال ان اطلاعات کی بنیاد پر اپنے اقدام و عمل کا نقشہ تیار کرے۔ ایک بہت بڑا مقصد تو وہ حاصل کر چکی تھی یعنی مسلمانوں کے لشکر میں موجود تھی —— لیکن کیا اب وہ یہاں رہ کر جاسوسی بھی کر سکتی تھی؟

یہی سوال بار بار اس کے ذہن و دماغ سے ٹکراتا تھا، اور ناقابلِ برداشت ذہنی اذیت اور خلش میں مبتلا کر دیتا تھا۔

وہ دل سے سوال کرتی تھی —— "میں کس منہ سے مسلمانوں کو بُرا کہوں؟ میں کس طرح انہیں بُرا سمجھوں؟ یہ مسلمان ہی تو ہیں جنہوں نے میری زندگی بچائی جنہوں نے گنگا کو نیا جیون دیا۔ جو غیر جانتے ہوئے مجھے اس طرح ہماری خاطر مدارات کر رہے ہیں۔ جیسے کسی بڑے معزز مہمان

کی کی جاتی ہے۔ یہاں ایک ہندو کی حیثیت سے مجھے کیا تکلیف ہے؟ —— کوئی نہیں مسلمانوں کے بیچ میں رہ کر، ان کے اس لشکر کے ساتھ رہ کر جو ہندوؤں سے لڑنے نکلا ہے میں پوجا پاٹ کرتی ہوں، اشنان کرتی ہوں، میرا کھانا ایک ہندو پکاتا ہے۔ مجھے گوشت کھانے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ مجھ سے مسلمان بن جانے کی فرمائش نہیں کی جاتی۔[۱] اصرار نہیں کیا جاتا، حکم نہیں دیا جاتا، اس لشکر ہی میں ہندو سپاہی اور ہندو افسر موجود ہیں۔[۲] یہ بھی بڑے خوش اور بشاش نظر آتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کا ساتھ دے کر اپنے ہم مذہب ہندو بھائیوں سے لڑنے میں تامل نہیں کرتے۔ کیا اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہاں یہ اپنے دھرم کو محفوظ دیکھتے ہیں۔ اس پر قائم رہتے ہیں۔ جوش و خروش کے ساتھ اپنے آقا کے پسینہ پر خون بہاتے ہیں۔ اگر مسلمان اچھے نہ ہوتے تو کیا ہندو اس طرح انہیں مانتے۔ ان کے وفادار رہتے؟"

اور پھر وہ سوچنے لگتی۔ "اگر مسلمان اتنے اچھے ہیں تو پھر وہ ہندوؤں سے کیوں لڑتے ہیں۔ اور خود ہندو کیوں انہیں اپنا دشمن سمجھتے ہیں؟"

اور پھر وہ سوچنے لگتی: "اچھا فرض کیا مسلمان بُرے ہیں، بہت بُرے ہیں۔ لیکن ہر شخص کی اچھائی برائی اضافی ہوتی ہے۔ میں ایک آدمی سے پانچ روپیہ قرض مانگتی ہوں وہ انکار کر دیتا ہے، میں اُسے بُرا سمجھنے لگتی ہوں، وہی شخص ایک دوسرے شخص کو دس روپے

[۱] تاریخ پاکستان و بھارت (سید ہاشمی) ۱۱۷
الفنسٹن لکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں محمود نہایت دیانتدار اور سچا مسلمان تھا اور شاید کوئی بھی لڑائی ایسی نہ تھی جس میں سربسجود ہو کر اس نے خدا سے فتح و نصرت کی دعا نہ مانگی ہو لیکن ہم ایک مثال بھی نہیں پیش کر سکتے کہ اس نے کسی ہندو کو جبراً مسلمان کیا ہو اور ایک شہادت بھی ایسی نہیں ملتی کہ جنگ یا قلعہ گیری کے سوا اس نے کسی کو قتل کر دیا ہو۔ (تاریخ ہند ۲۳۹) نیز ملاحظہ ہو لین پول کی میڈیول انڈیا ۱۸-۳۲۔

[۲] تاریخ یمینی خود محمود کے دور کی لکھی ہوئی تاریخ ہے۔ اس میں محمود کی ہندو فوج اور ہندو جرنیلوں کا ذکر ہے دوسری مستند تاریخوں میں بھی ہندو فوج کے شواہد ملتے ہیں۔

یونہی دے دیتا ہے۔ اس کی نظر میں وہ اچھا ہی اچھا ہے۔ یہ مسلمان نند پال کے ساتھ چاہے جیسے ہوں، میرا کیا بگاڑا ہے انہوں نے؟ مجھے کون سا نقصان پہنچایا ہے؟ میرے ساتھ تو ان کا برتاؤ شروع سے اَب تک اچھا ہی اچھا ہے۔ پھر میں ان کی دشمن کیسے بن جاؤں؟ ان کی جاسوسی کیسے کرنے لگوں؟ —— یہ وہی تو ہیں جو مجھے ایک گھنے اور بھیانک جنگل سے صحیح سلامت لے آئے۔ میری گنگا کی انہوں نے دیکھ بھال کی۔ اس کی مرہم پٹی کی۔ اس کے لئے نہ جانے کہاں سے بڑا اچھا جرّاح بلوایا ہے۔ پھر رواداری اتنی کہ جب یہ معلوم ہوا کہ ہم کٹّر ہندو ہیں تو ہماری ٹہل کے لئے ہندو رسوئیا کا بھی انتظام کر دیا۔ ہمارے کھانے میں، پانی میں، برتن میں کسی مسلمان کی مجال نہیں کہ ہاتھ لگا دے۔

اور پھر اس کے ذہن میں ایک اور بات آئی۔ وہ سوچنے لگی —— "کہا جاتا ہے مسلمان بڑے خراب ہوتے ہیں، ان کا اخلاق بھی بہت گندا ہوتا ہے، پرائی عورتوں کو یہ قید کر لیتے ہیں انہیں لونڈی اور باندی بنا لیتے ہیں، ان کی لاج لے لیتے ہیں۔ انہیں کہیں کا نہیں رکھتے اگر یہ سچ ہے تو میں اب تک کیوں باندی نہیں بنائی گئی، میری لاج اب تک کیوں سلامت ہے؟ مجھے کوئی گستاخ، چنچل اور پاپی نگاہوں سے کیوں نہیں دیکھتا؟ مجھ تک کسی کا دستِ ہوس کیوں نہیں پہنچا؟ میری حیثیت یہاں ایک قیدی ہی کی تو ہے۔ میرے ساتھ کوئی لاؤ لشکر نہیں کوئی مِتر، بندھو نہیں، کسی قسم کی طاقت و قوت نہیں۔ ان میں سے جو چاہے، مجھ پر ہاتھ رکھ کر زبردستی کرکے مجھے بدنام کر دے، میں کیا کر لوں گی؟ لیکن کوئی میری طرف دیکھتا بھی نہیں، ذرا بھی نظر بُری نظر سے۔ حالانکہ میں ایسی ہوں جسے دیکھ کر بڑا پجاری جیسا مقدس اور دیوتا صفت آدمی بے قابو ہو گیا تھا، دیوتا سے راکشس بن گیا تھا۔ میری لاج کا لاگو ہو گیا تھا وہ تو رام کی دیا تھی کہ میں بچ گئی۔ ورنہ اس نے تو کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، اور کہاں ہم —— جات دھرم کے بہت بڑے اور پوتر آستھان، نگر کوٹ میں۔ ہائے رام۔ ایک یہ ہندو ہیں ایک وہ مسلمان۔ آدمی اپنے گنوں سے پہچانا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے گن کتنے گر گئے ہیں اور

مسلمانوں کے کتنے اچھے —— نہیں نہیں ان کی جاسوسی نہیں کر سکتی، ان کے ساتھ دشمنی نہیں کر سکتی، انہیں دھوکا نہیں دے سکتی، اگر ان کے ساتھ وشواش گھات کروں گی تو وہ ان کے ساتھ نہیں بھگوان کے ساتھ ہوگا، جو ہمارے ساتھ اچھائی کرے، ہمیں بھی اس کے ساتھ اچھائی کرنا چاہئے۔ اگر ان کے ساتھ ہم نے برائی کی، تو بھگوان کبھی بھی ہم سے راضی نہیں ہو سکتا۔"

سیتا کو خیالات اور فکر میں مستغرق دیکھ کر گنگا نے کہا: "کیا سوچ رہی ہو بہن؟"

وہ افسردگی کے ساتھ بولی: "کچھ بھی نہیں —— یونہی بیٹھی ہوں!"

گنگا نے اسے شوخ نظروں سے دیکھا اور کہا: "ہم سے نہ اڑو۔ ہم اڑتی چڑیا پہچانتے ہیں ——!"

سیتا نے ایک دلفریب تبسم کے ساتھ پوچھا: "اچھا تاؤ کیا سوچ رہی تھی میں؟"

گنگا: "اور اگر بتا دوں؟"

سیتا: "تو قائل ہو جاؤں گی تمہاری!"

گنگا: "اچھا تو سنو —— تم سوچ رہی تھیں کہ اب اپنا جاسوسی والا پروگرام کیسے عمل میں لایا جائے —— کیوں یہی ہے نا؟"

سیتا نے گنگا کا دل لینے کے لئے کہا: "ہاں یہی سوچ رہی تھی —— بتاؤ اب کب سے کام شروع کریں ہم؟ اتنے دن تو ہو گئے یہاں رہتے۔ جلدی لگی ہے چھٹکارے اور نکل چلنے کی۔ بغیر کسی دشواری اور زحمت کے مسلمانوں کے لشکر میں پہنچ گئے ہم لوگ!"

گنگا خود سے سیتا کی باتیں سنتی رہی۔ پھر اس نے ایک حقارت کی نظر ڈال کر زہر کے ساتھ کہا: "میں نہیں جانتی!"

سیتا: "کیا نہیں جانتیں گنگا بائی؟ بڑی بھولی بھالی بن گئی ہو —— بتاؤ ہم

کام کب شروع کریں؟"

گنگا: "جب چاہو شروع کر دو، لیکن ایک بات یاد رکھو تم یہاں سے سلامت نہیں جا پاؤ گی۔"

سیتا: "ہونہہ! اس کی کسے پروا ہے۔ ہم تو ہتھیلی پر سر رکھ کر یہاں آئے تھے!"

گنگا: "بڑی ذلیل عورت ہو سیتا تم بھی۔ میں تمہیں اتنا نیچ نہیں سمجھتی تھی۔"

سیتا نے حیرت سے گنگا کو دیکھا: "کیا کہا، نیچ؟ ——— میں نیچ ہوں؟"

گنگا: "ہاں! ——— اور نیچ بھی پرلے درجے کی، چھی چھی چھی!"

سیتا: "تمہیں کیا ہو گیا ہے آج گنگا؟"

گنگا: "یہ اس وقت معلوم ہو گا جب میں تمہاری مخبری کر کے اپنے سامنے تمہیں زمین میں گڑوا کر کتوں سے نچواؤں گی ———"

سیتا: "تم میری مخبری کرو گی؟ تم؟ گنگا تم؟"

گنگا: "ہاں ——— اتنی بڑی احسان فراموش نکلو گی۔ اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا ——— جن مسلمانوں نے تمہاری جان بچائی۔ جنہوں نے تمہارے دھرم کی سہائتا کرتے ہوئے ہندو رسوئیا تک کا تمہارے لئے انتظام کیا۔ جنہوں نے تمہاری لاج کی حفاظت کی۔ ان کی تم جاسوسی کرو گی؟ ——— تم تو اس بڈھے پجاری جیسے رشس سے خوش رہ سکتی ہو ———!"

شاید گنگا ابھی کچھ اور بھی کہتی، لیکن سیتا نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا ——— "بس اب میں نہیں سن سکتی!"

گنگا نے بڑے زور سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا ——— "سننا پڑے گا، کیسے نہیں سن سکتیں ———؟"

سیتا: "اچھا تو آپ مسلمانوں کی دوستی کا دم بھر رہی ہیں، کیوں جناب؟"

گنگا: "ہاں ——— اور مجھے اس پر فخر ہے۔ میں نمک حرام ہوں نہ احسان فراموش

سیتا: "تمہاری طرح! ——— یہ بھی تو کہو! بغیر اس کے بات پوری نہیں ہوتی۔"

گنگا: "ہاں تمہاری طرح!"

سیتا اپنی جگہ سے اٹھی اور گنگا کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ کہنے لگی:

"تو روٹھ گئی پگلی؟ ——— ہم تو تجھے بنا رہے تھے، آزما رہے تھے، تول رہے تھے، دیکھ رہے تھے تو کتنے پانی میں ہے ——— شاباش، طبیعت خوش کر دی۔ تو نے اس وقت شرافت اور انسانیت کے معنی بتا دیئے ہیں۔ تو نے ابھی پوچھا تھا نا، کیا سوچ رہی ہو؟ میں یہی سوچ رہی تھی۔ کہ اتنے اچھے لوگوں کی جاسوسی کیسے کر سکوں گی؟ اتنے لوگوں سے دشمنی کر کے بھگوان سے دشمنی کرنا ہے ——— کیوں ری ٹھیک ہے نا؟"

گنگا مسکرا دی۔ اس نے بھی سیتا کے گلے میں باہیں حمائل کر دیں اور بڑے پیار بھرے لہجہ میں بولی، شریر کہیں کی!

سیتا ہنسنے لگی۔ اس نے کہا: "یہ تو طے ہے کہ ہم مسلمانوں کی جاسوسی نہیں کریں گے لیکن سوال یہ ہے کہ پھر جائیں کہاں؟"

گنگا: "کیا مطلب؟ یہیں رہیں گے اور کہاں جائیں گے؟"

سیتا: "کیا مسلمان بن جائیں؟"

گنگا: "میں تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں سمجھتی!"

سیتا: "شوق سے مسلمان ہو جاؤ بہن۔ میں منع نہیں کرتی۔ لیکن مسلمانوں کو اچھا سمجھنے اچھا ماننے کے باوجود ان کی خاطر میں اپنا دھرم تو نہیں چھوڑ سکتی مجھے دھرم بہت عزیز ہے۔ یہ نہ چھوڑا جائے گا مجھ سے کسی طرح؟"

گنگا: "تو نہ چھوڑ کہتا کون ہے؟ اور میں کب چھوڑ رہی ہوں۔ میں نے تو ایک بات کہی تھی۔ دھرم دھرم ہی ہے اس کے چھوڑنے کا کیا سوال۔ یہاں ہم سے کون کہتا ہے کہ دھرم چھوڑ دیں؟"

سیتا: کوئی بھی نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ دوسرے دھرم والوں کے ہاں خواہ مخواہ کے مہمان بن کر کب تک ان کی روٹیاں توڑتے رہیں؟

گنگا: تو پھر جاؤ گی کہاں؟

سیتا: یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر نگر کوٹ چلیں تو وہاں وہ جوتے پڑیں گے، کہ سر گنجا ہو جائے گا۔

گنگا: (ہنس کر) تم ہی سوچو!"

سیتا: لہٰذا وہاں تو نہیں جانا ہے کسی طرح بھی!"

گنگا: دوسری کوئی سر چھپانے کی جگہ نہیں ہے!"

سیتا: کیوں نہیں ہے؟ اتنا بڑا ملک پڑا ہے۔ کہیں ہمیں پناہ نہیں ملے گی۔ دہلی، اجمیر، گجرات، کالنجر، قنوج، گوالیار، اجین اور بھی بہت ساری ریاستیں ہیں—کہیں چل چلو۔"

گنگا: آخر تمہیں یہاں کون کاٹنے کو دوڑ رہا ہے۔ چلی چلو، چلی چلو کا نعرہ لگانے جا رہی ہو۔ ابھی یہیں ٹھہرو کچھ دن، پھر سوچ کر فیصلہ کریں گے کہ کہاں جائیں۔"

سیتا ابھی کوئی جواب نہ دے پائی تھی۔ کہ فضل اور ابوالحسن آ گئے۔ انہیں آتا دیکھ کر دونوں خاموش ہو گئیں۔ ابوالحسن نے گنگا سے مخاطب ہو کر کہا: "اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

وہ شرماتی ہوئی بولی: "اچھی ہوں اب تو!"

سیتا نے کہا: "آپ جب آتے ہیں تو یہ اچھی ہو جاتی ہے۔ اور آپ کے جاتے ہی پھر بیمار پڑ جاتی ہے۔ نہ جانے اصلیت کس بات میں ہے؟"

اس برجستہ فقرے سے ابوالحسن کچھ جھینپ سا گیا۔ لیکن خود بھی بڑا حاضر جواب تھا۔ فوراً کہا: "آپ کی تو یہ کیفیت نہیں ہوتی کسی کو دیکھ کر؟"

گنگا نے سیتا کو چھیڑتے ہوئے کہا: "اب بولو؟ —— بڑی ٹپر ٹپر زبان چل رہی تھی —— بولتیں کیوں نہیں؟"

سیتا کہنے لگی: "چھوڑو بھی اس قضیہ کو، کچھ اور اگر نکل گیا میرے منہ سے تو خواہ مخواہ تم دونوں کو شرمندہ ہونا پڑے گا!"

ابوالحسن نے پوچھا: "مجھے بھی؟"

سیتا کہنے لگی: "آپ کو سب سے زیادہ، آخر آپ ہی بار بار انہیں دیکھنے کیوں آتے ہیں، فضل صاحب کیوں نہیں آتے؟ حالانکہ اسے شیر کے منہ سے انہوں نے چھینا تھا۔ آپ تو اس وقت نہ جانے جنگل کے کس گوشہ میں گلگشت کر رہے تھے——"

گنگا نے شرما کر سر جھکا لیا۔

۳۵

پاسِ جذبات

اور ایک روز سیتا اور گنگا اپنے خیمہ میں بیٹھی بڑے پجاری اور نندپال کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں کہ افضل آیا۔ اسے دیکھ کر ان دونوں نے دوپٹے سر پر ڈال لئے اور ذرا محتاط طور پر بیٹھ گئیں۔ وہ اپنے آپ کو بہت لئے دیئے رہتا تھا۔ لشکر میں بھی اس کا احترام کرتے تھے۔ وہ بڑا پاک دل اور پاک نظر انسان تھا۔ سیتا اور گنگا رفتہ رفتہ اپنی ذات سے خاصی بے تکلف ہو گئی تھیں لیکن افضل کی وضع احتیاط بدستور قائم تھی۔ کیا مجال ہے کہ اس سے کوئی ایسی بات کی ہو جو آئین ادب و شرافت کے خلاف ہو۔ یہی وجہ تھی کہ یہ دونوں اس سے جتنی کھل گئی تھیں، افضل کا اتنا ہی لحاظ کرتی تھیں۔ وہ آکر خاموش بیٹھ گیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ مگر کہتے ہوئے جھجکتا ہے۔ سیتا یہ کیفیت بھانپ گئی۔ اس نے کہا۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ —— ضرور کوئی خاص بات ہے!"

افضل نے ایک فکرمند تبسم کے ساتھ کہا —— "ہاں ہے تو!" —— پھر اس نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "بات یہ ہے کہ ہمارا یہ چھوٹا سا لشکر ہراول کے طور پر آگے بڑھ آیا تھا۔ اصل لشکر پیچھے تھا۔ وہ اب آ رہا ہے، بس اب آتا ہی ہوگا۔"

سیتا بولی: "تو اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے؟ آنے دیجئے، ذرا سیر رہے گی۔

ہم بھی دیکھیں گے جی بھر کے آپ کے لشکر کو۔ سنا ہے بڑا زبردست لشکر ہے سلطان محمود غزنوی کا"

افضل نے جواب دیا: "زبردست سے اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ وہ نندپال یا مہاراجگان ہند کے لشکروں کی طرح حدِ شمار سے خارج ہے تو غلط ہے ——"

سیتا حیرت سے بولی: "کیا کہا آپ نے؟ —— یعنی سلطان کا لشکر نندپال کے لشکر سے کم ہے؟"

"بہت کم!"

"صرف اس دفعہ یا ہمیشہ سے؟"

"ہمیشہ سے —— ہمارا لشکر تعداد کے اعتبار سے ہمیشہ کم رہا۔ بے پال کا لشکر ہم سے کئی گنا زیادہ تھا۔ بجے رائے کا بھی یہی حال تھا، اور نندپال تو آپ کی آنا بڑا لشکر مہاراجگان ہند کی امداد و رفاقت سے مہیا کر کے میدان میں آ ڈٹا تھا۔ کہ اس کا شمار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارا لشکر اگر بیس ہزار آدمیوں پر مشتمل تھا، تو اس کا لشکر کسی طرح دو لاکھ سے کم نہیں تھا!"

گنگا نے دانتوں تلے انگلی دبا کر کہا: "دو لاکھ —— ہائے رام!"

سیتا بڑی سنجیدگی سے یہ باتیں سن رہی تھی۔ اس نے کہا —— "اگر یہ سچ ہے تو پھر آپ کے ایک ایک آدمی کو فنا ہو جانا چاہئے تھا، اور نندپال کے لشکر کو جیت جانا چاہئے تھا —— ایسا کیوں نہیں ہوا؟"

افضل ہنس پڑا —— "جب دو فوجوں میں لڑائی ہوتی ہے، تو فیصلہ اس پر نہیں ہوتا کہ کون زیادہ ہے اور کون کم!"

سیتا نے پوچھا: "پھر کس چیز پر ہوتا ہے؟"

افضل نے جواب دیا: "نیت پر، جذبہ پر، حوصلہ پر —— اور ایمان پر۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

افضل: بہت سیدھی سی بات ہے۔ نند پال کی نیت خراب تھی، وہ دغا اور فریب کا پتلا تھا۔ اس کے لشکر میں وہ جذبہ نہیں تھا، جو ہم میں تھا۔ اس کے سپاہی لشکری زندگی پر جان دیتے تھے، ہم موت کو کھیل سمجھتے تھے۔ ان کی نگاہ میں یہ دنیا سب کچھ تھی اور ہماری نظر میں اس کی حیثیت مسافر خانے سے زیادہ نہیں۔ وہ مرتے ہیں کہ زندہ رہیں، ہم مرتے ہیں کہ زندگانی جاوید حاصل کریں۔ اسی لئے وہ ہار گئے ہم جیت گئے!"

گنگا بولی: "بہت اچھا ہوا، بڑی خوشی ہوئی کہیں!"

افضل ہنسنے لگا۔

سیتا نے دریافت کیا: "اب کیا ارادہ ہے آپ کے لشکر کا؟"

وہ بولا: "نند پال کا تعاقب ——— سنا ہے وہ نگر کوٹ میں ہے۔ ہم وہاں جا کر اسے مزہ چکھائیں گے۔ بدنفسی اور احسان فراموشی کا۔"

گنگا نے مصنوعی سنجیدگی اپنے اوپر طاری کر کے کہا: "نگر کوٹ کو فتح کرنا آپ ہنسی کھیل سمجھے ہیں؟ وہاں تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔"

افضل نے بے پروائی سے کہا: "ایسی مشکلیں ہم نے بہت دیکھی ہیں، مرد مشکلوں سے گھبرایا نہیں کرتے۔

مشکلے نیست کہ آساں نشود

مرد باید کہ ہراساں نشود

مشکلوں کو فتح کرنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے!"

گنگا کہنے لگی: "اتنا اونچا پہاڑ ہے، اتنا اونچا پہاڑ ہے، جیسے آسمان بلکہ آسمان سے بھی اونچا، چڑھتے چڑھتے لشکر کے دم پر بن جائے گی۔"

افضل: "ہماری ہمت آسمان کے تاروں پر کمند ڈالتی ہے۔ یہ نگر کوٹ کا پہاڑ کیا چیز ہے!"

سیتا مسکراتی ہوئی بولی: "یہ سارا جوش و خروش نند پال ہی کے خلاف ہے نا؟"

افضل: "ہاں اسی کے خلاف!"

سیتا: "تو معاف کر دیجئے نا بیچارے کو، جھگڑے کا پیچھا نہیں کرتے!"

گنگا نے تائید کی: "جو آپ ہی مر رہا ہو اس کو اگر مارا تو کیا مارا!"

افضل نے کہا: "آپ کو اصل واقعہ نہیں معلوم ورنہ یہ باتیں نہ کرتیں! ——— ہم نے جے پال سے کوئی چھیڑ خانی نہیں کی۔ وہ لشکر لے کر ملتان پہنچ گیا۔ لڑائی ہوئی۔ ہارا، گرفتار ہوا۔ رحم دل سلطان نے اسے معاف کر دیا۔ پھر بہت سے ہندو راجاؤں کو لے کر لڑنے آیا۔ اس مرتبہ ایسا ہارا کہ گرفتار کر لیا گیا۔ مگر ہمارے سلطان نے اس مرتبہ بھی نہ صرف اس کی جاں بخشی کی بلکہ تخت و تاج بھی اسے واپس کر دیا۔ پھر نند پال تخت پر بیٹھا۔ یہ اپنے باپ سے بھی دو قدم آگے نکلا۔ یہ بھی لڑا۔ ہار کر معافی مانگی۔ سلطان نے معاف کر دیا۔ پھر سارے ہندو راجاؤں کو لے کر چڑھ دوڑا۔ سارے راجہ بھی ہار گئے۔ یہ بھی ہارا۔ اب بھاگا بھاگا پھر رہا ہے۔"

سیتا: "بڑا بے غیرت آدمی ہے، ہتھیار اکہیں کا۔"

افضل: "اس مرتبہ سلطان نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جب تک اسے سزا نہیں دے لیں گے واپس نہیں جائیں گے!"

سیتا: "ٹھیک ہے ضرور ملنی چاہئے اسے سزا!"

گنگا: "اب تو میں بھی تائید کرتی ہوں، واقعی وہ کسی سلوک اور رعایت کا مستحق نہیں ہے!"

افضل: "میں تو اس وقت کچھ اور کہنے آیا تھا، باتیں دوسری قسم کی چھڑ گئیں!"

گنگا اور سیتا افضل کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

افضل نے کہا: "لشکرِ سلطانی کے آتے ہی ہمارا لشکر نگر کوٹ کی طرف یلغار کرتا بڑھے گا۔ جنگ کی حالت میں یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ آپ ہمارے ساتھ رہیں لہٰذا جہاں آپ چاہیں وہاں پہنچا دیا جائے!"

سیتا بولی: "لیکن یہ جنگ آپ کی کس سے ہے؟ ——— نند پال سے یا ہم سے؟"

افضل: "نند پال سے ——— آپ سے کیوں ہوتی؟"

گنگا: "پھر اس سے لڑیئے ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیئے۔ ہم ابھی نہیں جانا چاہتے کہیں اگر کبھی جی چاہا تو کہہ دیں گے!"

سیتا: "کیا آپ بے سہارا لوگوں کو دھتکار دیتے ہیں؟ جے پال کی آپ نے جان بخشی کی۔ اور حکومت بھی واپس کر دی یہی سلوک نند پال کیساتھ بھی کیا لیکن یہ دو بے سہارا عورتیں، کسی رحم اور رعایت کی مستحق نہیں؟"

یہ کہتے کہتے سیتا کی آواز بھر آگئی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

افضل گھبرا سا گیا۔ اس نے کہا: "ارے یہ آنسو کیسے؟ ———— آپ کو شاید یہ جاننے میں تامل نہ ہو کہ میں نے ابتک آپ دونوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ایک بھائی کا بہن کے ساتھ ہوتا ہے۔ مَیں ایک مسلمان ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ زندگی کے آخری سانس تک اپنے اس عہد کو نباہوں گا۔ اگر یہاں رہنے کو جی چاہتا ہے۔ تو شوق سے رہیئے مجھے نہ صرف یہ کہ کوئی اعتراض نہیں بلکہ مسرت ہوگی۔ مَیں نے آپ سے جانے کے لئے صرف اس لئے کہا تھا کہ اب لڑائی چھڑنے والی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کے جذبات کو ٹھیس پہنچے!"

گنگا: "جذبات کو ٹھیس کیوں پہنچنے لگی؟"

افضل: "آپ بہرحال ہندو ہیں اور ہندوؤں ہی کے خلاف ہمیں مجبور ہو کر تلوار اٹھانا پڑ رہی ہے ہمارے سلطان نے آج تک میدانِ جنگ کے سوا کسی ہندو کی جان نہیں لی۔ لیکن میدانِ جنگ میں جس طرح ہمارے سپاہی ہندوؤں کے ہاتھوں تلوار کے زخم کھائیں گے اور قتل ہوں گے۔ اسی طرح ہندو سپاہی مسلمان سپاہیوں کے ہاتھوں تلوار کے زخم کھائیں گے اور قتل ہوں گے۔ قدرتاً یہ دیکھ کر آپ کو تکلیف ہوگی۔ آپ کا دل کڑھے گا۔ آپ کو ذہنی اذیت ہوگی، اس لئے مَیں نے یہ تجویز پیش کی۔ ورنہ بخدا اس کے سوا کوئی مصلحت نہ تھی!"

سیتا: "یہ آپ کی شرافت ہے کہ ہمارے جذبات کا اتنا خیال کیا ———— ورنہ مطمئن

رہیے۔ اس جنگ سے جو شروع ہونے والی ہے ہماری دلچسپی اس حد تک ہے کہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ جن ہندوؤں سے آپ لڑنے جا رہے ہیں وہ مستحق اسی سلوک کے ہیں جو جیسا کیا ویسا بھگتے گا۔ انہوں نے اگر سلطان کے رحم و رعایت سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے تو وہ جانیں اور اُن کی قسمت ہمیں ان سے ہمدردی کیوں ہونے لگی؟"

گنگا: "بلکہ ہمیں تو نفرت ہے اُن سے، یہ ہندو نہیں شیطان ہیں" ———— دھرم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ! آپ شوق سے لڑیئے ہماری ہمدردیاں اور دعائیں آپ کے ساتھ ہیں!"

اتنے میں پیچھے سے آواز آئی ؎

دیدۂ سعدی و دل ہمراہِ تست

تانہ پنداری کہ تنہا می روی!

افضل نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ابوالحسن کھڑا مسکرا رہا تھا۔

وہ کہنے لگا: "کیا سازش ہو رہی ہے میرے خلاف؟"

افضل: "تمہارا تو ذکر ہی نہیں تھا۔ پھر سازش کیا ہوتی ———— کیوں سیتا بہن میں غلط تو نہیں کہتا؟"

سیتا: "ہاں واقعی ان کا ذکر نہیں ہو رہا تھا"

ابوالحسن: "گویا یہ یقین دلانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ مَیں اس قابل ہی نہیں کہ میرا ذکر ہو ————!"

سیتا ہنس پڑی۔

"ضرور کسی سے لڑ کر آئے ہیں آپ؟"

افضل: "یہ کیا لڑے گا کسی سے؟ یہ تو ہر وقت شاعری کیا کرتا ہے۔ کوئی غزل کہہ کر لایا ہوگا وہ سنانے کے لئے طبیعت بے قرار ہو رہی ہوگی۔ کیوں ابوالحسن یہی بات ہے نا؟"

سیتا اور گنگا حیرت سے افضل کو دیکھنے لگیں۔ انہوں نے آج تک غزل کا نام بھی نہیں

سنا تھا۔ ابوالحسن نے کہا: "ہاں ایک تازہ غزل کہی ہے، اور مطلع تو اس قیامت کا ہے کہ بس۔ میں کہوں اور سنا کرے کوئی!۔۔۔۔۔ سنوگے؟

افضل نے بے تکلفی کے لہجہ میں کہا: "ضرور سنوں گا!"

ابوالحسن: "تو سنو۔۔۔۔۔ مطلع عرض کیا ہے ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند

چوں بخلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند

اور پھر اس نے ایک زور کا قہقہہ لگایا۔ اور بے تکلفی کے ساتھ کہا: "چلو۔۔۔۔۔ وہ دیکھو وہ گرد اڑ رہی ہے۔ سلطانی لشکر اب پہنچا ہی چاہتا ہے!"

اور ان کے جانے کے بعد سیتا نے کہا: "کتنے اچھے لوگ ہیں یہ مسلمان!"

گنگا بولی: "ہاں بہت زیادہ!"

---

(۳۶)

نگرکوٹ کی فتح

آخر محمود کا لشکر اپنے ہراولی لشکر سے آکر مل گیا!

بھیم نگر، یا نگرکوٹ (کانگڑہ) کی طرف بڑھنے سے مقصود یہ تھا کہ ایک تو نندپال کی فرار و قید سرکوبی کی جائے، دوسرے۔۔۔۔۔ سرحدی مقام ہونے کے سبب اس پر قبضہ ضروری سمجھا جب تک نگرکوٹ پر قبضہ نہ ہو جائے، کھوکھروں کو کافی سزا نہیں دی جا سکتی تھی۔ کیونکہ یہ جاودان قوم انہی اطراف میں رہتی تھی[1] محمود کا یہ اصول تھا کہ وہ یا تو کوئی کام شروع نہیں کرتا تھا یا شروع کرتا تھا تو پھر اس کی تکمیل کر کے دم لیتا تھا۔

نندپال اور بڑا پجاری مندر کے ایک بڑے ہال میں موجود تھے۔ ابھی ابھی سرایاں اور دیوداسیاں نغمہ سنا کر اور ناچ دکھا کر یہاں سے رخصت ہوئی تھیں۔ اس وقت سارے ہال میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ صرف یہی دو نفوس موجود تھے۔

نندپال نے فکرمند لہجہ میں کہا: "کیسے گنگا یا سیتا کی کوئی خبر ملی؟"

---

[1] تاریخ سندھ ۲۶۹

بلکہ تیدلے سلطنت مغلیہ تک اس جگہ اس کا قیام تاریخوں سے ثابت ہے یہ بڑی ہی فتنہ انگیز اور شریر قوم تھی جو مسلمان ہو کر بڑے بڑے عہدوں پر پہنچ گئی۔ ہمیشہ پنجاب کے حاکم کو ستاتی رہی!

مایوسی کے عالم میں بڑے پجاری نے کہا: "نہیں اب تک نہیں، وہ تین آدمی جو ان دونوں کے ساتھ گئے تھے، ناکام و نامراد واپس آ گئے۔ سمجھ میں نہیں آتا، ان چھوکریوں کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا؟"

نندپال: "کچھ اور لوگوں کو تلاش کے لئے بھیجا ہوتا!"

بڑا پجاری: "مہاراج آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا میں اس فکر سے غافل ہوں؟ کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تلاش و جستجو کا! لیکن کچھ بھی پتہ نہیں چلتا۔ عقل حیران ہے کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟"

نندپال: "کہیں وہ دونوں کسی اور طرف تو نہیں نکل گئیں۔ آزاد فضا میں پہنچ کر سوچا ہو گا کہاں کا مندر، کہاں کا پجاری، کہاں کا راجہ، ان سب کو دھوکا دے کر کسی کو گانٹھ لیا ہو شاید!"

بڑا پجاری: "نہیں مہاراج، یہ بات نہیں ہو سکتی۔ گنگا کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن سیتا معمولی عورت نہیں، نہ وہ کسی کے فریب میں آ سکتی ہے نہ ارادے سے پھر سکتی ہے!"

نندپال: "پھر کیا معمہ ہے یہ آخر؟"

بڑا پجاری: "یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں، مگر..."

نندپال: "کہیں مسلمانوں کے ہتھے تو نہیں چڑھ گئیں؟"

بڑا پجاری: "یہ بات بھی ناممکن ہے!"

نندپال: "ناممکن تو نہ کہئے ——— مسلمانوں سے کوئی بات بھی ناممکن نہیں ہے۔ یہ کمبخت ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ اور جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔"

بڑا پجاری: "لیکن مسلمان یہاں ہیں کہاں؟"

نندپال: "اسی طرف تو لشکر لے کر بڑھے چلے آ رہے ہیں اور آپ کہتے ہیں وہ ہیں کہاں؟"

بڑا پجاری: "یہ باتیں ہی باتیں ہیں، مجھے یقین ہے مسلمان ادھر کا رخ نہیں کر سکتے، اور

اگر قسمت کے مارے آ جائیں تو صحیح سلامت جا نہیں سکتے۔ ذرا غور تو کیجئے یہ پہاڑ کتنا اونچا ہے اور پھر ہمارا حصار ———"

نندپال: "گویا آسمان کے اوپر ایک اور آسمان؟"

بڑا پجاری: "اور کیا ——— چڑھتے چڑھتے سانس پھول جائے گی، دم اکھڑ جائے گا۔ اور ہمارے آدمی جو پتھر لڑھکائیں گے، ان سے تو یوں سمجھئے، فارغ ہو جائیں گے۔"

نندپال: "آپ مسلمانوں کو نہیں جانتے بڑے سخت جان ہیں۔ جب کے راستے کا علاقہ بھی کم دشوار گزار نہیں تھا لیکن ہوا کی طرح اس دشوار گزار راستے سے گزر گئے۔ مانتا ہوں آپ کا قلعہ آسمان سے باتیں کر رہا ہے، لیکن دیکھ لیجئے گا وہ آئیں گے تو سر جھکا دے گا!"

بڑا پجاری: "آپ تو مسلمانوں کا اس طرح ذکر کر رہے ہیں، گویا وہ انسان نہیں، دیوتا ہیں، جو چاہیں کر گزریں!"

نندپال: "دیوتا نہیں ——— ہیں تو ملیچھ، راکشس، لیکن دھن کے پکے ہیں۔ ایسی باتیں کر گزرتے ہیں جن کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ مجھے تو ڈر ہے ایسا نہ ہو ہم یہی گمن بیٹھے ہوں گے اور سن لیں گے کہ وہ آ گئے!"

بڑا پجاری ان باتوں پر زور زور سے ہنسنے لگا۔ بال کے سناٹے میں اس کے قہقہوں نے بڑی بھیانک صورت اختیار کر لی تھی۔ قہقہوں کا سلسلہ ابھی جاری تھا کہ ایک مہنت ورسال ننگے سر ننگے پاؤں بدحال پریشاں نمودار ہوا۔ اسے دیکھ کر نندپال کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، اس کا دل دھڑکنے لگا۔ دل نے کہا۔ ضرور کوئی آفت آئی ہے۔

بڑے پجاری نے عارضی طور پر ہنسی کا سلسلہ روک کر مہنت سے پوچھا۔

"اس وقت بلا اجازت کیوں آئے؟ کیا تم کو معلوم نہیں، اس وقت کسی کو آنے کی اجازت نہیں ———"

مہنت نے لرزتے ہوئے کہا: "معلوم تھا، لیکن ———"

بڑے پجاری نے ڈانٹا: "لیکن کیا ——— ہم بہت ضروری باتیں کر رہے ہیں، جلد کہو، کیا بات ہے؟"

مہنت نے کہا: "محمود غزنوی کا لشکر آگیا!"

بڑا پجاری اچھل پڑا۔ "آگیا ——— ؟"

مہنت نے کہا: "اس نے پہاڑ کو گھیر لیا!"

بڑا پجاری۔ "پہاڑ کو بھی گھیر لیا؟"

مہنت: "اس کے کئی دستے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اوپر چڑھ آئے!"

بڑا پجاری: "ایں ——— اوپر چڑھ آئے؟"

مہنت: "ہمارے حصار کا بھی انھوں نے محاصرہ کر لیا!"

بڑا پجاری یہ سن کر بے ہوش ہو گیا!

مہنت کے پاؤں لرز رہے تھے، وہ بھی کھڑا نہ رہ سکا۔ چکر کھا کر گر پڑا۔ نند پال نے حواس مجتمع کر کے تالی بجائی۔ دائیں بائیں پہلو سے کئی مہنت نمودار ہوئے۔ سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ نند پال نے اُن کی طرف دیکھا اور غصہ کے ساتھ کہا۔

"تم لوگوں پر تو نزع کا عالم طاری ہے، معلوم ہوتا ہے چند لمحوں کے مہمان ہو!"

ایک مہنت نے حواس مجتمع کر کے کہا: "اگر محمود کے لشکر نے تیر اندازی اور قلعہ شکنی شروع کر دی، تو ہم کیا کریں گے مہاراج؟"

جھلا کر نند پال نے کہا: "مر جاؤ گے اور کیا ہوگا؟"

وہ چلایا: "نہیں ہم نہیں لڑ سکتے!"

نند پال بھی چیخا: "کمبختو۔ پھر تم کیا کرو گے، کیا پھاٹک کھول دو گے حصار کا؟"

وہ بولا: "تو پھر بتائیے کیا کریں؟ لڑائی تو ہمارے بس کا روگ نہیں۔"

نند پال: "تمہیں لٹنے سے اتنا ڈر کیوں لگتا ہے؟"

مہنت: "ہم دھرما کی سیوا کرتے ہیں۔ نہ خون بہتا دیکھ سکتے ہیں نہ بہا سکتے ہیں!"

نند پال: "اپنے اس مندر کو لٹوا دو گے؟ ان بتوں کو تڑوا دو گے؟ سارے ہندوستان کو بتا دو گے کہ محمود آگیا اور تم کچھ نہیں کر سکے؟"

مہنت اگرچہ بزدل تھا، لیکن حاضر جواب ضرور تھا۔ اُس نے کہا: "جب مہاراج نند پال محمود کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکے، جو تلوار کے دھنی تھے، تو ہم کیا ٹھہر سکیں گے؟ ہم نے تو کبھی تلوار خواب میں بھی نہیں دیکھی!"

اتنے میں جسونت آگیا، اسے دیکھ کر نند پال کا حوصلہ اور بڑھا۔ اُس نے کہا۔

"جسونت! یہ لوگ کچھ نہیں کر سکتے، ان سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ یہ دیکھو بڑے پجاری جی معلوم ہوتا ہے سرگباش ہو گئے۔ یہ دیکھو حصار کے مہنت جا رہے بچارے کانپ رہے ہیں۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے محمود یہاں بھی آ جائے گا۔ اسے کوئی نہیں روک سکے گا!"

جسونت نے عرض کیا: "محمود کا لشکر تیزی سے پہاڑ پر چڑھا چلا آ رہا ہے۔ واقعی اُسے کوئی نہیں روک سکتا۔ آدھے سے زیادہ تو آ چکا ہے۔ باقی آدھا بھی پہنچا ہی جاتا ہے"

نند پال: "یہ مجھے معلوم ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا کیا جائے؟"

جسونت: "ابھی وقت ہے۔ ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں۔"

نند پال: "اور مندر کو یونہی چھوڑ جائیں؟ ——— دنیا کیا کہے گی جسونت؟"

جسونت: "دنیا پر لعنت بھیجئے۔ وہ ہمیں کیا کہہ سکتی ہے؟ وہ ہماری مدد کو کیوں نہیں آتی! مہنتوں اور پجاریوں کا جو حال ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں، بڑائے شگون کے پیچھے ناک نہ کٹائیے۔ چلئے، نکل چلئے، ابھی موقع ہے۔"

نند پال: "اس کے سوا کوئی صورت نہیں جسونت؟"

جسونت: "نہیں مہاراج ——— اور تھوڑی دیر کے بعد یہ صورت بھی بس میں نہ رہے گی۔ پھر ہم نکل بھی نہیں سکیں گے۔ جلدی کیجئے مہاراج!"

"تو چلو ـــــــ لیکن کہاں؟"

"یہاں سے نکل کر سوچیں گے ـــــــ آیئے!"

اور جسونت نند پال کو لے کر بڑی پھرتی سے روانہ ہو گیا۔

محمود کی فوجوں نے نگرکوٹ کا محاصرہ کر لیا ـــــــ نگرکوٹ کا قلعہ بھیم قلعہ کے نام سے مشہور تھا۔ سلطان محمود منزل بہ منزل سفر کرتا نگرکوٹ تک پہنچا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا یہ قلعہ راجہ بھیم کے زمانہ میں ایک پہاڑی کی چوٹی پر بنایا گیا تھا۔ ہندو اس قلعہ کو مخزنِ اصنام سمجھتے تھے۔ چاروں طرف کے راجہ نقد روپے اور اشرفیاں جواہرات اور طرح طرح کی نفیس چیزیں نذرانے کے طور پر بھیجا کرتے تھے۔ اور اس کو خدا کی بارگاہ میں تقرب کا بڑا ذریعہ سمجھتے تھے۔ چونکہ اس قلعہ میں ہر طرف سے روپیہ کھنچ کر چلا آرہا تھا۔ اس لئے جتنا سونا چاندی، جواہر موتی، مونگا وغیرہ جمع تھا، شاید ہی کبھی کسی بادشاہ کو خزانہ میں اس قدر دولت رکھنا نصیب ہوئی ہو۔ چونکہ قلعہ بہادر سپاہیوں سے بالکل خالی تھا اور وہاں کے رہنے والے زیادہ تر برہمن اور بت خانے کے پجاری تھے۔ اس لئے محمود کے لشکرِ جرار کا ان پر خوف چھا گیا اور اس بلند اور رفیع الشان قلعہ سے الاماں والحفیظ کی صدائیں آنے لگیں[1]

ـــــــ تازہ مصر کے راجوں، مہاراجوں کی قوت کو پراگندہ اور دھرم کی حرارت کو افسردہ کر چکے تھے، وہی تلوار لے کر مندر کی حفاظت کو نہ آئے تو پنڈے اور شاستری یہ خدمت کیا ادا کرتے[2]

آخر جب پجاریوں اور منتوں نے دیکھا کہ دو دن سے دانہ پانی بند ہے، لڑنے کی سکت نہیں اور بچ جانے کی صورت نہیں تو سب سے بڑے پجاری کے مشورہ اور ہدایت

---

[1] تاریخ فرشتہ ۷۹-۸۰

[2] تاریخ پاکستان و بھارت (سید ہاشمی) ۱۲۰

کے مطابق طے کیا، کہ قلعہ کے دروازے کھول دیئے جائیں[1] طے یہ ہوا کہ پجاریوں کا ایک وفد محمود کی خدمت میں حاضر ہو۔ وہی اپنے ہاتھ سے قلعہ کی کنجی اس کی خدمت میں پیش کرے۔

محمود تک جب یہ التجا پہنچی۔ اس نے وفد کو فوراً شرفِ باریابی عطا کیا چند منتوں کو لے کر بڑا پجاری لرزتا کانپتا حاضرِ خدمت ہوا۔

محمود نے جے پال اور نند پال کو کئی دفعہ گرفتار کیا تھا۔ لیکن ان کی وہ عزت اس نے نہیں کی جو بڑے پجاری کی کی' اسے آتا دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ اپنے قریب مسند پر اسے جگہ دی۔ اس نے کہا: "آپ ہندوؤں کے مذہبی رہنما ہیں۔ فرمایئے! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں، میرے دل میں آپ کی عزت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ جو کچھ کہیں میں مان لوں۔ براہِ کرم کوئی ایسی بات نہ کہیئے جو میرے اصول سے ٹکراتی ہو، اور انکار کر کے مجھے آپ سے شرمندہ ہونا پڑے!"

بڑے پجاری نے بڑے ادب سے کہا: "ان داتا! ہم صرف امان چاہتے ہیں ـــــــ جان بخشی[2] ـــــــ بس اور کچھ بھی ہمیں نہیں چاہیئے۔ حصار کا سارا مال و دولت لے لیجئے یہ قلعہ کی کنجی حاضر ہے، لیکن ہماری جان اور آبرو سلامت رہے!"

محمود نے بڑے پجاری پر ایک نظر ڈال کر گرجدار آواز میں کہا۔ "محمود کی فوجیں کسی کی آبرو سے نہیں کھیلتیں۔ نہ بے گناہوں کی جان لینے میں انہیں مزہ آتا ہے۔"

بڑا پجاری۔ (لرز کر) "ان داتا!"

محمود: "ہم نے بار بار ہندو لشکر کو شکست دی، ہم نے پشاور پر قبضہ کر لیا، لاہور چھین لیا، بھاٹنہ پر ہمارا پرچم لہرا رہا ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہماری فوجوں نے کسی کو کیا؟ کسی عورت کی آبرو لوٹی؟ کسی ہندو کا دین چھینا؟"

---

[1] [2] تاریخ فرشتہ ۸۰

بڑا پجاری: "نہیں اَن داتا!"

محمود: "نہیں مروّت ولحاظ اور دہشت کے سبب انکار نہ کرو۔ ہم تمہاری جان بخشی کر چکے ہیں اب تمہاری جان اور آبرو کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ ہم خدا کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرتے ہیں کہ تمہاری جان محفوظ رہے گی، اور آبرو بھی۔ لیکن اگر تمہیں کوئی ایسا واقعہ معلوم ہے کہ کسی ہندو کو جبراً مسلمان بنایا گیا ہو، کسی ہندو عورت کی لاج لوٹی گئی ہو یا کسی بے گناہ کو ستایا گیا ہو تو ہمیں بتاؤ ہم تمہارے شکرگزار ہوں گے اور اپنے ان لشکریوں کو سخت سزا دیں گے جنہوں نے ایسی حرکتوں کا ارتکاب کیا ہوگا ——— یاد رکھو! محمود کا انصاف اندھا ہے۔ وہ صرف ایک بات جانتا ہے کہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔ وہ ہر ایک کے سر پر تلوار بن کر چمکتا ہے، چاہے دوست ہو یا دشمن۔ اگر ہمارے لشکر میں کوئی ایسا ہے تو وہ کیفرِ کردار کو ضرور پہنچے گا!"

بڑے پجاری نے سر جھکا کر عرض کیا: "نہیں اَن داتا! ایسا کوئی واقعہ ہمیں نہیں معلوم!"

پجاریوں اور اہلِ قلعہ کی جان بخشی کے بعد ——— محمود اپنے چند خاص مصاحبوں کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوا۔ سات لاکھ اشرفیاں، دو سو من خالص سونا، دو ہزار من کھری چاندی اور بیس من طرح طرح کے بیش قیمت جواہرات جو راجہ بھیم کے زمانہ سے اس بت خانہ میں جمع ہو رہے تھے، قبضہ میں (بصورت مالِ غنیمت) آئے[1] ———"

اس بے اندازہ دولت پر ایک نظر ڈال کر محمود نے کہا۔

"یہ وہ دولت ہے جو غریبوں کا خون چوس چوس کر جمع کی گئی تھی، اس سے دھرم کی خدمت کا کام لیا جا سکتا تھا۔ مگر نہ لیا گیا۔ اس سے عوام کی حالت سدھاری جا سکتی تھی۔ مگر نہ سدھاری گئی۔ یہ بھوکوں سے لے کر جمع کی گئی۔ مگر بھوکوں کے کام نہ آئی۔ اس کا مصرف صرف یہ رہا کہ یہ جمع کی جائے یا رنگ رلیوں میں اُڑا دی جائے۔ جن لوگوں نے یہ دولت

[1] تاریخ فرشتہ ...

جمع کی وہ اس کے مستحق نہ تھے۔ جن لوگوں کے پاس یہ جا رہی ہے وہ اس کے مستحق ہیں۔ وہ اس کا صحیح مصرف جانتے ہیں۔ وہ اسے غریبوں میں بانٹیں گے۔ وہ اس سے شاندار عمارتیں بنائیں گے۔ وہ اس سے مدرسے اور مکاتب کھولیں گے۔ وہ اس سے مسافروں اور معذوروں کی خدمت کریں گے۔ خدا اُن سے دولت چھین لیتا ہے، جو اس کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ اور انہیں بخش دیتا ہے جو صحیح استعمال جانتے ہیں؛ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ———!"

(۳۷)

سلطان محمود اور نگر کوٹ کا پجاری

سارا نگر کوٹ سہما ہوا تھا ——— دنیا کا بہت بڑا فاتح اور کشور کشا ——— محمود ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں موجود تھا۔ دنیا کے عام رواج کے مطابق اسے حق تھا کہ وہ نگر کوٹ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔ مکانوں کو ڈھا دیتا۔ اہالیانِ شہر کے مال و دولت پر قبضہ کر لیتا۔ عورتوں کو باندی اور مردوں کو غلام بنا لیتا۔ میان میں تلوار اس وقت تک نہ رکھتا، جب تک ایک ایک فرد کو تہ تیغ نہ کر لیتا یا عام روائتوں کے مطابق مسلمان نہ بنا لیتا۔ لوگوں کے دلوں میں یہ دہشت سمائی تھی کہ وہ یہ سب کچھ کرے گا۔ اسی لئے مہنت مندروں میں اور عام لوگ گھروں میں دبکے پڑے تھے۔ باہر نکلتے ہوئے ڈر لگتا تھا، کہیں محمود کا کوئی سپاہی نہ دیکھ لے کہیں گرفتار نہ کرلے۔ لوٹ نہ لے قتل نہ کر دے۔ بازار ہاٹ کے لئے اگر کوئی نکلتا تھا تو اس طرح جیسے کوئی پھانسی گھر کی طرف جا رہا ہو۔ اپنے بال بچوں سے اس طرح رخصت ہوتا تھا جیسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ رہا ہے۔ اب وہ کبھی اس گھر میں واپس نہیں آئے گا۔ کبھی اپنے بیوی بچوں کی صورت نہیں دیکھے گا۔ کسی قیمت پر بھی زندہ نہیں رہ سکے گا ——— سارے نگر کوٹ پر موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ مندروں سے ناقوس کی صدائیں بند تھیں۔ گھروں سے بچوں کے رونے تک کی آواز نہیں آتی تھی۔ حد یہ ہے کہ سڑکوں پر کتے تک نہیں بھونکتے تھے۔ شاید اس عام اور ہمہ گیر سناٹے سے وہ بھی سراسیمہ اور دہشت زدہ ہو گئے تھے

محمود ابھی تک نگر کوٹ میں مقیم تھا ——— ایسا معلوم ہوتا تھا، شہر میں کوئی بادشاہ کوئی فاتح، کوئی شہریار نہیں، ملک الموت ٹھہرا ہوا ہے۔ اور کون ہے جو ملک الموت کا دیدار کرنے کی جرأت کر سکے۔ اس کے اندیشہ سے اپنے دل کو آزاد رکھ سکے!

محمود دیر تک نگر کوٹ میں موجود تھا ——— اس سے قبل جنگ و پیکار کے بعد جب کسی شہر کو وہ فتح کر لیتا تھا۔ تو وہ فوراً وہاں انتظام کر کے روانہ ہو جاتا تھا، لیکن خلافِ معمول اب تک وہ اپنے لشکر سمیت مقیم تھا۔ وہ یہاں رہ کر نندپال کا پتہ چلانا چاہتا تھا جو ابھی تک دستیاب نہیں ہوا تھا۔ وہ یہاں رہ کر اپنے آئندہ کے اقدام و عمل کا پروگرام بنانا چاہتا تھا تاکہ اپنی راہِ عمل متعین کر کے پروگرام مرتب کر کے آگے بڑھے۔[1] اتنے میں ارسلان جاذب آ گیا۔ محمود نے دیکھ کر مسکرایا۔ "خوب آئے تم ارسلان!"

ارسلان جاذب مودب ہو کر کھڑا ہو گیا۔ محمود نے پوچھا: "نندپال کا کچھ پتہ چلا؟"

ارسلان جاذب: "عالی جاہ! ہم نے بہت تلاش کیا، لیکن وہ ہماری دسترس سے باہر نکل چکا ہے!"

محمود: "آخر کہاں گیا وہ؟ جہاں بھی جائے ہم اس کے تعاقب کا سلسلہ جاری رکھیں گے!"

ارسلان جاذب: "وہ ہمالیہ کی گھاٹیوں میں کہیں روپوش ہو گیا ہے!"

محمود: "کب تک روپوش رہے گا؟ آخر باہر آئے گا!"

ارسلان جاذب: "ضرور آئے گا عالی جاہ اور اسی وقت لشکر ہمایونی اس کی سرکوبی کو پہنچ جائے گا۔"

محمود: "ہاں ——— کوئی اور تازہ خبر؟"

ارسلان جاذب: "غور سے بغاوت کی خبر آئی ہے اور ———"

محمود: (تیوری پر بل ڈال کر) "اور کیا ———"

ارسلان جاذب: "ابوالفتوح نے پھر شرارت پر کمر باندھی ہے۔"

محمود: "یعنی اس نے ہم سے جو عہد کیا تھا وہ توڑ دیا؟"

---

[1] تاریخ ہند و پاکستان۔

ارسلان: عالی جاہ! وہ عہد شکن ثابت ہوا!

محمود: کیا وہ پھر قزاق ہو گیا؟

ارسلان: عالی جاہ —— اس نے پھر اپنا پہلا مسلک اختیار کر لیا ہے۔

محمود: اور مسلمان رعایا پر بھی جور و تعدی کا سلسلہ شروع کر دیا ہوگا؟

ارسلان: عالی جاہ —— اطلاعات اسی قسم کی موصول ہوئی ہیں۔

محمود: (مسکرا کر) ہم ابھی سوچ رہے تھے کہ ہمارے اقدام و عمل کی بنیاد کیا ہو؟ شکر ہے زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہیں پڑی۔ غوری کی بغاوت اور ابوالفتوح کی شرارت نے خود بخود پروگرام بنا دیا!

ارسلان: عالی جاہ کی روشن ضمیری ایک حقیقت ہے!

محمود: ایک بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی!

ارسلان: کون سی بات عالی جاہ!

محمود: نگرکوٹ کو ہم افسردہ اور مضمحل کیوں دیکھ رہے ہیں؟ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے موت کا سناٹا چھایا ہوا ہو سارے شہر پر، آخر اس کی وجہ و سبب؟ —— کوئی بات ضرور ہے!

ارسلان: (کانپ کر) عالی جاہ! کوئی خاص بات نہیں!

محمود: دربارِ خاص —— فوج کے افسران و حکام فوراً حاضرِ خدمت کیے جائیں۔

ارسلان: عالی جاہ!

محمود: بڑے پجاری اور دوسرے مہنتوں کو طلب کیا جائے۔

ارسلان: عالی جاہ! بہت خوب!

محمود کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات فوراً پوری ہوتی تھی۔ فوراً ہی فوج کے بڑے بڑے افسر اور حاکم بید لرزاں کی طرح اس بے وقت کی طلبی پر

کانپتے ہوئے آن موجود ہوئے۔ اور ان کے پیچھے پیچھے بڑا پجاری بھی مندر کے چیدہ چیدہ پنڈتوں اور مہنتوں کو لے کر پہنچ گیا۔

محمود کا چہرہ اس وقت فرطِ غضب سے سرخ ہو رہا تھا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا غصہ میں آیا ہوا بیٹھا ہے۔ اس نے حاضرینِ دربار پر ایک نظر ڈالی اور بڑے پجاری سے کہا۔

"کیا وجہ ہے کہ ہم شہر پر ایک ہولناک سناٹا چھایا ہوا دیکھ رہے ہیں؟"

بڑا پجاری سہم گیا، اس نے دست بستہ عرض کیا۔

"نہیں جہاں پناہ، شہر کا کاروبار تو ویسا ہی چل رہا ہے۔"

محمود نے بلند آواز سے کہا: "ہم غلط نہیں کہتے۔ تم ہمارے مشاہدے کو نہیں جھٹلا سکتے!"

بڑے پجاری نے کہا: "سناٹا تو بہت زور کا چھایا ہوا ہے جہاں پناہ!"

محمود: "لیکن کیوں؟"

بڑے پجاری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سوچنے لگا۔ اس سوال کا جواب کیا ہو سکتا ہے؟ دفعتہً محمود کی آواز فضا میں بلند ہوئی۔

"ہمیں بتایا گیا ہے کہ یہ سناٹا اس لئے ہے کہ لوگ سہمے ہوئے ہیں، ڈرے ہوئے ہیں، خوف کھاتے ہیں باہر نکلنے سے —— کیا یہ سچ ہے؟"

بڑا پجاری انکار نہ کر سکا: "سچ ہے جہاں پناہ!"

محمود: "لیکن اس خوف اور دہشت کا سبب؟ —— کیا ہمارے لشکر کے سپاہیوں نے یہاں کے شہریوں سے امن و امان کی نعمت چھینی ہے؟ کیا ہماری فوج کے سرداروں اور افسروں نے اہلِ شہر پر اپنی سطوت و شوکت کا رعب ڈالا ہے؟ —— اگر ایسا ہے تو یہ ہمارے افسر تمہارے سامنے موجود ہیں۔ نشان دہی کرو ہم انہیں عبرت انگیز سزائیں دیں۔ بتاؤ ہمارے آدمیوں میں سے کس نے باشندگانِ شہر کے اطمینان و عافیت کی لوٹ غارت کی ہے؟ —— جواب دو!"

بڑا پجاری: "کسی نے نہیں جہاں پناہ!"

محمود: "ذرا بھی اندیشہ نہ کرو۔ بیشک ہم نے اس شہر کو فتح کیا ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ناکردہ گناہوں پر جینا تنگ کر دیں۔ ہماری تلوار صرف خطاکاروں کے سر پر چمکتی ہے۔"

بڑا پجاری: "معلوم ہے جہاں پناہ!"

محمود: "تو پھر تامل نہ کرو۔ مروت اور لحاظ سے کام نہ لو۔ ڈرو نہیں۔ صاف صاف اور سچ سچ بتا دو ——— ان میں سے جس کی طرف تم انگلی اٹھا دو گے ہم اسے قرار واقعی سزا دیں گے۔ مزید تحقیق و تفتیش بھی نہیں کریں گے۔ تمہاری بات پر بھروسہ کرتے ہیں ہم۔ ہم تمہیں جھوٹا نہیں سمجھتے۔ کہو ——— بتاؤ؟"

بڑا پجاری محمود کے قدموں پر گر پڑا۔

"نہیں جہاں پناہ میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ بے قصور لوگوں پر جھوٹا الزام نہیں لگاؤں گا۔ ان میں سے کسی نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ کسی نے کوئی ظلم نہیں کیا۔ میں خود کہتا ہوں، شہری بالکل مامون ہیں۔ ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا گیا۔"

محمود: "شہر میں زندگی اور چہل پہل کیوں نظر نہیں آتی؟ رونق اور گہما گہمی کیوں ناپید ہو گئی ہے؟"

بڑا پجاری: "حضرت جہاں پناہ کی دہشت ہے۔ رعب ہے!"

محمود: "ہماری دہشت؟ ——— بغیر ظلم کے؟ بغیر زیادتی کے؟"

بڑا پجاری: "شہر والوں کے دل میں یہ ڈر بیٹھا ہوا ہے کہ وہ ستائے جائیں گے۔ ان پر ظلم ہوگا۔ ممکن ہے وہ شہر سے نکال دئے جائیں!"

محمود: "استغفراللہ! کتنا بے بنیاد اندیشہ ہے ——— ہم شہر والوں کو خود مخاطب کریں گے۔ ان کی دلدہی کریں گے۔ انہیں مطمئن کریں گے!" پھر وہ ارسلان جاذب سے مخاطب ہوا۔ "باشندگان شہر کے اجتماع کا انتظام کیا جائے!" پھر اس نے بڑے پجاری سے کہا۔ "آج کے اجتماع میں تمہیں موجود رہنا پڑے گا!"

(۳۸)

سلطان محمود کی جے

یہ سن کر کہ آج کے اجتماع میں سلطان محمود باشندگان شہر کو مخاطب کریگا۔ سارے شہر پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ کچھ ملے جلے سے جذبات ——— لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ محمود کیا کہے گا؟ کیا کرے گا؟ بعض کا خیال تھا سب کو بلا کر ایک دم موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا۔ نہیں سارے شہریوں کو جلاوطن کر دے گا اور نگرکوٹ چونکہ سرحدی جگہ ہے، لہٰذا اسے اپنی فوج کی چھاؤنی بنائے گا۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال تھا نہ قتل کرے گا، نہ جلاوطن کرے گا۔ سب کو حکم دے گا کہ ہندو مت چھوڑ دیں اور مسلمان ہو جائیں۔ جو مسلمان ہونے سے انکار کرے گا وہ بے شک موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ کسی میں یہ ہمت نہیں تھی کہ گھر میں بیٹھا رہے اور اجتماع میں شریک ہو ——— حکم حاکم مرگ مفاجات ——— بھلا نگرکوٹ کا فاتح بلائے اور کوئی نہ جائے؟ سب کو جانا پڑے گا ——— اور ——— واقعی سب کو جانا پڑا۔

دن ڈھل رہا تھا۔ جب محمود باشندگان شہر کے عام اجتماع میں پہنچا۔ واقعی سارا شہر امنڈ آیا تھا۔ محمود کی صورت دیکھنے کا اشتیاق بھی تھا۔ اور اس کی باتیں سننے کی طلب بھی کوئی بیوی سے خطا معاف کرا کے اور ماں سے دودھ بخشوا کے گھر سے نکلا تھا۔ کسی نے تمام ضروری وصیتیں اپنے متعلقین کو کر دی تھیں۔ بعض لوگ یہ سوچ کر نکلے تھے۔ جان سے تو جیان سے

تمہارے لیے بھی تو مرنے سے بہتر ہے کہ مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ طے کر لیا کہ اسلام قبول کر لیں گے حاضرین میں سے ہر شخص اپنے ذہن و دماغ میں ایک خاص منصوبہ بنا کر گیا تھا۔

جب لوگ جمع ہو گئے تو محمود کا ایک فوجی دستہ بڑے کروفر اور جاہ و جلال سے نمودار ہوا۔ حاضرین پر اب تک انتظار کی جو کیفیت طاری تھی، وہ پھر دہشت اور سراسیمگی سے بدل گئی۔ لوگوں میں کھسر پھسر ہونے لگی۔ یہ فوج کیوں آئی ہے۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ کسی میں اتنا دم ہی نہیں تھا کہ وہ جلسہ گاہ سے اٹھ کر چلا جاتا۔

اتنے میں بڑا پجاری بہت سے مہنتوں، پنڈتوں اور پجاریوں کے ساتھ آیا اور شہ نشین کے قریب بیٹھ گیا۔ اگرچہ حاضرین پر وہ یہ اثر ڈالنا چاہتا تھا کہ اسے کوئی اندیشہ نہیں، بالکل بے فکر ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ وہ بھی اس وقت گھبرایا ہوا تھا۔ چہرہ پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔

یکایک فوجی دستہ میں ایک ہلچل سی ہوئی اور سلطان محمود غزنوی باہزاراں شان یکتائی جلوہ گر ہوا۔ وہ سفید گھوڑے پر سے اترا اور سیدھا شہ نشین پر پہنچ گیا۔

کچھ دیر تک خاموشی سی طاری رہی۔ پھر وہ کھڑا ہوا، اور اس نے حاضرین پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر کہا۔

"نگرکوٹ کے باشندو!

مجھے ایک ایسی اطلاع ملی ہے جس نے میرے دل و دماغ پر بہت گہرا اثر کیا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ جب سے یہ اطلاع ملی ہے۔ اس وقت سے چین کا ایک لمحہ بھی میسر نہیں آیا۔ تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ میں ایک سلطان ایک فاتح ایک کشور کشا ہوں۔ لیکن خدا کا ایک حقیر اور ناچیز بندہ بھی ہوں۔ مجھے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔ میں خدا کے بے گناہ بندوں کو نہیں ستا سکتا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ شہر کے باشندے میرے رعب اور دہشت سے سہمے ہوئے

ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کیوں؟ جو خطا کار نہیں ہے، وہ میرا دوست ہے۔ بھائی ہے۔ اور شہر کے عام باشندے میں جانتا ہوں بالکل بے گناہ ہیں پھر وہ اندیشہ ہائے دور و دراز میں کیوں مبتلا ہیں؟ —— کسی کو خطرہ ہے کہ وہ لوٹ لیا جائے گا، کسی کو اندیشہ ہے کہ وہ قتل کر دیا جائیگا۔ کوئی دولت کے بارے میں فکرمند ہے، کوئی اہل و عیال کے بارے میں، کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ہماری فوج اسے لقمۂ تر سمجھ کر ہضم کر جائے گی۔ کوئی اس غم میں ہلکان ہوا جا رہا ہے کہ وہ جلاوطن کر دیا جائے گا —— اور کسی کا یہ خیال ہے کہ وہ زبردستی مسلمان بنا لیا جائے گا۔

میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ دھوکے اور فریب سے کام نہیں لیتا۔ تم سب یہ جانتے ہو کہ میں مسلمان ہوں اور اسلام پر عقیدہ رکھتا ہوں۔ میں ایک مسلمان کی حیثیت سے خدائے قادر و توانا کی عظمت و جلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارے یہ سارے اندیشے بے بنیاد ہیں۔ تمہیں اتنی ہی آزادی حاصل ہے جتنی میرے لشکر کے کسی مسلمان سپاہی کو۔ تم شوق سے اپنے گھروں میں رہو۔ تم آزادی سے کاروبار کرو۔ تم بے فکری اور اطمینان کی زندگی بسر کرو۔ میں تمہارے مذہب میں بھی کوئی مداخلت نہیں کرنا چاہتا۔ جس طرح چاہو عبادت کرو۔ جو عقائد چاہو رکھو۔ میرا اسلام مجھے منع کرتا ہے۔ کہ میں تمہارے عقائد اور مذہب کو تم سے زور اور قوت کے بل پر چھینوں۔ تم جو کچھ حق اور ٹھیک سمجھتے ہو اسے مانو اور اس پر عمل کرو۔ میرا اسلام حکم دیتا ہے۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ یعنی دین کے معاملہ میں جبر و زبردستی روا نہیں۔ پھر میں کس طرح تمہیں مجبور کر سکتا ہوں کہ تم میرے مذہب کو اپنا مذہب بنا لو۔ تم اپنے مذہب پر قائم رہو۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ تم پر کوئی زیادتی نہیں کی جا سکتی۔ مجھے تم سے

——— اگر تم پُرامن شہری ہو ——— کوئی پرخاش نہیں جنہیں شاید معلوم نہیں، مَیں نے دو مرتبہ نند پال کے باپ جے پال کو گرفتار کیا، معاف کیا، اس کا تاج و تخت اسے بخش دیا۔ حالانکہ وہ برابر میرا دشمن رہا۔ جس نند پال کے تعاقب میں یہاں تک مجھے آنا پڑا، اسے بھی میں گرفتار کر کے رہا کر چکا ہوں اور اس کا تاج و تخت بھی پھر اسے عطا کر چکا ہوں۔ حالانکہ وہ برابر میرے ساتھ غداری، بدعہدی اور نمک حرامی کرتا رہا۔ اب بھی وہ اگر میرے رحم کو جھنجوڑے تو بہت ممکن ہے ایک مرتبہ پھر اسے معاف کر دوں، جب مسلح اور طاقتور دشمن کے ساتھ میرا یہ سلوک ہے تو شہر کے نہتے اور کمزور باشندوں پر ظلم کیونکر روا رکھ سکتا ہوں؟"

حاضرین پر مرگ آسا سکوت طاری تھا۔ سب بڑے دھیان اور توجہ سے محمود کی تقریر سن رہے تھے۔ کسی کو سر پیر کا ہوش نہیں تھا، اور محمود کہہ رہا تھا:

"مَیں نے سپاہیوں کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ کسی شہری کو نہ ستائیں اگر کسی نے میرے اس حکم سے سرتابی کی تو اسے عبرت انگیز سزا دی جائے گی اگر تم میں کسی شخص کو میرے کسی سپاہی کے بارے میں کوئی شکایت ہو تو اجازت دیتا ہوں کہ وہ ابھی اُٹھے اور بتائے میں یہیں اس آدمی کو بلواؤں گا۔ اور تم سب کے سامنے سزا دوں گا!"

اتنا کہہ کر محمود خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد اس نے کہا: "میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کسی کو کوئی شکایت ہے ———؟"

متفقہ طور پر حاضرین نے بآوازِ بلند کہا: "نہیں ——— ہمیں کوئی شکایت نہیں!"

محمود نے کہا:

"اگر میرے دورانِ قیام میں کسی کو کوئی شکایت ہو تو اُسے پوری اجازت ہے۔

کہ وہ جس وقت چاہے میرے خیمہ میں آ جائے اور براہِ راست اپنی شکایت میرے حضور میں پیش کرے۔ مَیں نے اپنے باڈی گارڈ کو ہدایت کر دی ہے کہ کسی ہندو کو میرے پاس آنے سے نہ روکا جائے۔ میری فوج کے کسی سپاہی افسر سوار یا خاص میری ذات سے بھی کوئی شکایت ہو تو میرے پاس چلے آؤ۔ مَیں اس کا تدارک کروں گا!"

شاید وہ ابھی کچھ اور کہتا لیکن دفعتہً بڑے پجاری کے جی میں نہ جانے کیا آئی کہ وہ اُٹھ کھڑا ہوا، اور اس نے کہا:

"بھائیو اور بہنو!

آج سلطان نے مجھے اپنے دربارِ خاص حاضر ہونے کی عزت بخشی تھی، اور یہی بات مجھ سے بھی کہی تھی ——— یہی نہیں بلکہ فوج کے تمام سرداروں اور افسروں کو میرے سامنے کر دیا تھا، اور کہا تھا۔ ان میں سے اگر کسی نے شہر میں کچھ دھاندلی مچائی ہو تو اسے پکڑ لو۔ ہم ابھی اور یہیں سزا دیں گے۔ لیکن میں اپنا دھرم کیسے بگاڑتا۔ جھوٹ کیسے بولتا؟ میں نے کہہ دیا۔ ہم پر کسی نے ظلم نہیں کیا۔

بھائیو ——— ! سچ کہو میں نے غلط تو نہیں کہا۔ بغیر کسی خوف اور خطرے کے کہہ دو، دل کی بات بتا دو!"

سب نے پھر آواز لگائی: "نہیں ہم پر کسی نے ظلم نہیں کیا ——— !"

بڑے پجاری نے کہا: "تو آؤ ہم بھگوان سے دعا کریں ——— !"

اس کے آگے ابھی وہ کچھ نہیں کہنے پایا تھا کہ لوگوں کو چیرتی پھاڑتی شہ نشین کی
ایک عورت بڑھی۔ محمود بھی حیرت سے اُسے دیکھنے لگا، اور بڑا پجاری تو اُسے دیکھتا
گیا ——— یہ سیتا تھی!

سیتا نے اپنی ساری رام کہانی حاضرین کو سنا ڈالی۔ نگر کوٹ سے روانہ ہوتے وقت سے لے کر آج تک کی ساری کہانی ——— اور پھر کہا:

"میں نگر کوٹ سے مسلمانوں کی بدترین دشمن بن کر نکلی تھی۔ میں ان سے نفرت کرتی تھی، گھن کھاتی تھی ان سے۔ میرا جی چاہتا تھا کہ ان پر خدا کا قہر نازل ہو۔ یہ غارت ہو جائیں۔ میں ان کی جاسوسی کرنے کے لئے بڑے پجاری کی اشیر واد لے کر نکلی تھی، لیکن جب میں ان میں پہنچ گئی، میں نے ان کا اصلی روپ دیکھ لیا۔ میں نے ان کی شرافت، انسانیت، معقولیت، نیکی، پارسائی، ایمانداری پرکھ لی، تو میری آنکھیں کھل گئیں۔ یہ لوگ انسان نہیں اوتار ہیں۔ یہ درندے نہیں انسان ہیں۔ یہ عورت کو کھلونا نہیں سمجھتے۔ اس کی بے آبروئی نہیں کرتے۔ اسے پاپ بھری نظروں سے نہیں دیکھتے۔ اسے پاپ کی دنیا میں انگلی پکڑ کر نہیں لے جاتے اور کام نکل جانے کے بعد اس کی انگلی چھوڑ کر بھاگ نہیں جاتے ——— یہ لوگ اوتار ہیں، دیوتا ہیں۔ انہیں دیکھ لینے اور پرکھ لینے کے بعد میں کہتی ہوں کہ آج ایک ہندو عورت ہونے کے باوجود مجھ جیسی کوئی ان مسلمانوں کا دوست نہیں۔ میں ان سے نفرت نہیں کرتی، عزت کرتی ہوں۔ ان کی نیری فتح ہے صرف بھارت ورش پر نہیں، سارے سنسار پر ان کی حکومت ہو جائے تاکہ پاپ مٹ جائے اور نیکی پروان چڑھے۔ میں بڑے پجاری کی آواز میں آواز ملا کر کہتی ہوں کہ ——— آؤ ہم بھگوان سے دعا کریں کہ سلطان محمود غزنوی کو کبھی شکست نہ ہو۔ وہ ہمیشہ جیتتا رہے۔ اس کے دشمن کا منہ کالا ہو اور وہ کہیں کا نہ رہے۔"

اب بڑے پجاری سے ضبط نہ ہو سکا، وہ پھر کھڑا ہوا، اور اس نے زور سے نعرہ لگایا:

"سلطان محمود غزنوی کی جے ———!"

فلک شگاف نعروں کے شور سے سارا نگر کوٹ گونج اٹھا۔

---

(۳۹)

رخصت!

محمود کی برموقع تقریر اور منصفانہ رویّے نے اسے نگر کوٹ کا ہیرو بنا دیا۔ جو لوگ اس سے سہمے سہمے رہتے تھے، وہی اب اس کے نام کا کلمہ پڑھ رہے تھے۔ بڑا پجاری اب بڑا خوش تھا۔ نہ صرف یہ کہ اسے کوئی گزند نہیں پہنچا، بلکہ دربار شاہانہ سے عزت افزائی ہوئی، انعام اکرام سے مالا مال کر دیا گیا۔ عام باشندگان شہر کے دل سے بھی دہشت دور ہو گئی۔ وہ اب پورے طور پر مطمئن تھے۔ اس کے عدل و انصاف اور رواداری کے کرشمے دیکھ کر وہ اس کے ثنا خواں ہو گئے تھے۔ نگر کوٹ کے لوگ اب نند پال سے نفرت کرنے لگے تھے۔ اب تک وہ اس کے کرتوت سے ناواقف تھے۔ واقف حال ہونے کے بعد ہم مذہب ہونے کے باوجود وہ ان کی نظروں میں حقیر و ذلیل ہو گیا۔ سیتا کی تقریر نے مسلمانوں کی عزت اور عظمت میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا۔ وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ سیتا جیسی خوبرو لڑکی ایسی آزاد ہو کر مسلمانوں کے لشکر میں رہے گی اور اسے کوئی ٹیڑھی آنکھ سے بھی نہ دیکھ سکے گا۔ ان کے دل میں یہ خیال جم گیا تھا کہ مسلمان واقعی آدمی نہیں اوتار ہیں، اسی لئے بھگوان ان کی مدد کرتا ہے اور ہندوؤں پر انہیں فتح دیتا ہے۔

اب شہر بھر میں بس صرف دو ہی چرچے تھے۔ محمود کا اعلان اور سیتا کی تقریر۔ ان دونوں چیزوں نے فضا میں ایک عجیب قسم کی گہماگہمی اور انشراح قلب کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔

جلسہ برخاست ہونے کے بعد سب اپنے اپنے مقام پر واپس چلے گئے۔ جو جتنا زیادہ پریشان اور مضمحل آیا تھا، اتنا ہی زیادہ مسرور اور شاداں واپس گیا۔ جیسے کسی کو پھانسی کے تختے سے اتار کر تخت سلطنت پر بٹھا دیا جائے۔

دوسرے دن یکایک محمود نے واپسی کا اعلان کر دیا۔ فوج کی شورش اور زیادہ بڑھ گئی تھی واپسی کا حکم سنتے ہی لشکر میں ایک خاص قسم کی چہل پہل شروع ہو گئی۔ ہر شخص خوش تھا کہ اب وطن جانے کا موقع ملا۔ گھر والوں سے بچھڑے مدتیں گزر گئی تھیں۔ وہاں کے بام و در صحن وچمن سبزہ و مرغزار باغ و دیار یاد آ رہے تھے۔ سچ ہے۔ ؏

خارِ وطن از سنبل و ریحان خوش تر است

جس روز محمود کا لشکر روانہ ہونے والا تھا۔ گنگا نے سیتا سے پوچھا۔

"کہو اب کیا ارادہ ہے؟ —— چلو گی یا رہو گی؟"

وہ بولی: "چل کر کیا کروں گی، رہوں گی!"

گنگا کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے کہا: "مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دو گی؟"

سیتا نے جواب دیا: "ساتھ کیوں چھوڑنے لگی؟ دل ان کے ساتھ ہے لیکن جسم یہیں رہے گا!"

گنگا: "یہ کیوں؟ آخر یہاں رہ کر کیا کرنا ہے؟ بڑا پجاری جیسا کچھ ہے ہم تم سب جانتے ہیں۔ دیوداسیوں اور مرلیوں پر جو کچھ گزرتی ہے۔ اس سے بھی ہم خوب واقف ہیں۔ مندر کے اندر کی زندگی ان سنیاسیوں، جوگیوں، پنڈتوں اور مہنتوں نے جیسی گندہ کر دی ہے اسے کون نہیں جانتا۔ پھر آخر یہاں رہنے اور ایسی زندگی کو دوبارہ اختیار کرنے سے حاصل؟"

سیتا نے مسکرا کر کہا: "کیوں ری گنگا۔ مجھ سے بنتی ہے؟ جانتی نہیں مجھے اڑتی چڑیا پھانسنے کا فن آتا ہے؟"

بھولی بن کر گنگا نے کہا: "آخر کیا ہوا؟ کچھ بتاؤ گی بھی؟"

سیتا: "یہ تو نہیں، ابوالحسن بول رہا ہے۔"

گنگا: (شرما کر) "ہشت بھی —— بس ہر وقت مذاق!"

سیتا: "جی، مذاق نہیں حقیقت۔ میں جانتی ہوں۔ تیرا دل ابوالحسن سے اٹک چکا ہے۔ تو اسے چھوڑنا نہیں چاہتی، باندی بن کر اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ —— کیوں ہے نا ٹھیک؟"

گنگا نے اعتراف کر لیا۔ شرما کر گردن جھکا لی، اور دبی زبان سے کہا: "ہاں —— اگر تمہیں اعتراض نہ ہو!"

اس اثنا میں ابوالحسن آگیا۔ اس کا رنگ بھی فق ہو رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کوئی بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ سیتا نے یہ حال دیکھا تو کہا: "خیر تو ہے ابوالحسن بھیا؟"

وہ چپ چاپ بیٹھ گیا۔ کچھ نہ بولا۔ سیتا خاموش نہ رہ سکی۔ "آخر کیا بات ہے؟ کچھ کہو گے بھی؟"

وہ سر کھجاتا ہوا بولا: "کچھ نہیں —— میرا مطلب یہ ہے کہ آج ہم لوگ جانے والے ہیں —— !"

سیتا: "یہ تو ہمیں بھی معلوم ہے۔ آخر اس خوش خبری سنانے کا مطلب؟"

ابوالحسن: "مطلب یہ ہے کہ آپ حضرات کا کیا ارادہ ہے؟"

سیتا: "ارادہ کیا ہوتا؟"

ابوالحسن: "یعنی یہاں رہے گا، یا ——"

سیتا: "کسی اور کے بارہ میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی، اپنے بارے میں کہہ سکتی ہوں —— یہیں رہوں گی!"

ابوالحسن پر بجلی گر پڑی۔ اس نے بیتابی اور اضطراب کا پیکر بن کر پوچھا:

"تم یہیں رہو گی؟"

وہ بولی: "اور کہاں جاؤں؟ ——— لیکن میرے رہنے یا نہ رہنے سے تمہیں کیا مطلب؟ تمہارا مقصد جو ہے وہ تو کچھ اور ہی ہے۔ شاید پوچھنا چاہتے ہو، گنگا کیا کرے گی؟ رہے گی یا جائے گی؟"

دفعتاً ایک عزم کے ساتھ گنگا بول پڑی: "میں تمہارے ساتھ رہوں گی دیدی!"

سیتا نے غور سے گنگا کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ لیکن عزم و استقامت کی چمک بھی موجود تھی۔ سیتا نے بڑی محبت سے کہا۔

"پگلی کہیں کی، تو یہاں رہ کر کیا کرے گی؟ پھولوں کے گھر سے کانٹوں کے بستر پر آنا۔ کونسی عقلمندی ہے؟ نہیں تو میرے ساتھ نہیں ——— (ابوالحسن کی طرف اشارہ کرکے) ان کے ساتھ رہے گی ——— اب شرم اور تکلف کی ضرورت نہیں۔ ثابت ہو گیا ابوالحسن تجھ سے محبت کرتا ہے تو بھی اسے چاہتی ہے ———"

گنگا: "اے واہ جھوٹی!"

سیتا: "چپ رہ مجھے کہنے دے ——— جب دونوں دل ایک دوسرے کے لئے دھڑک رہے ہیں پھر اجتناب کے کیا معنی؟"

گنگا: "نہیں دیدی، کچھ بھی ہو۔ میں تمہارا دامن نہیں چھوڑ سکتی، جہاں تم وہاں میں!"

سیتا: "اری عقل کی دشمن، مجھے تو ابوالحسن کی صورت میں ایک سہارا مل گیا۔ پر بھگوان کے سوا کون ہے؟ بھگوان ہر جگہ ہیں۔ لہٰذا یہاں اور وہاں میرے لئے کوئی فرق نہیں!"

گنگا: "اور فضل؟"

سیتا: "چپ بھی، توبہ کر لڑکی، کیوں اتنے شریف اور نیک آدمی پر تہمت لگاتی ہے۔ میں نہیں جانتی کہہ چکی، وہ مجھے بہن سمجھتے ہیں!"

گنگا: "تو میں کچھ اور کب کہتی ہوں، کیا بہن بھائی کے وہاں نہیں رہتی؟"

سیتا: "رہتی ہے، لیکن اس وقت جب ضرورت ہو ——— پھر ایک بات اور بھی تو سوچ میرے تیرے عقائد اور حالات میں بھی فرق ہے!"

ابوالحسن: "یہ آپ نے کیا کہا؟"

سیتا: "یہ آدھی مسلمان ہو چکی ہے۔ پوری مسلمان ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔ لیکن میں تو اب تک ہندو ہوں۔ لہٰذا مسلمان کتنے ہی اچھے ہوں، مستقل طور پر ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی!"

گنگا: "تو تم سے مسلمان ہونے کو کون کہتا ہے؟"

ابوالحسن: "ہم نے تو کبھی اشارے کنائے میں بھی آپ سے یہ نہیں کہا، کہ اپنا مذہب چھوڑ دیجئے پھر یہ خیال آپ کے دل میں کیوں آیا؟"

سیتا: "بتا دوں کیوں آیا؟"

گنگا: "ہاں ضرور بتاؤ!"

ابوالحسن: "مجھے بھی بڑا اشتیاق ہے۔ کہئے!"

سیتا: "اس لئے کہ اگر میں تم مسلمانوں کے حلقہ میں زیادہ گھل مل کر رہی، تو مجھے مسلمان ہونا ہی پڑے گا، اور میں زبردستی مسلمان ہونا نہیں چاہتی۔"

ابوالحسن: "آخر کون زبردستی کر رہا ہے آپ پر؟"

سیتا: "کوئی نہیں ——— لیکن اس لشکر کی فضا، یہاں کے لوگ، ان لوگوں کا سیدھا اور رہنا، ان کی شرافت، نیک نفسی۔ ان کی بہادری اور دلیری، ان کی سچائی اور دیانت یہ سب چیزیں میرا دامن اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ اور مجھے مجبور کرتی ہیں کہ مسلمان ہو جاؤں لیکن ———"

گنگا: "لیکن کیا؟ وہ بھی کہہ ڈالو!"

سیتا: "میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتی۔ جب دماغ دل کا ساتھ دے گا تب کر دوں گی۔

لہٰذا لشکر گاہ میں رہ کر مسلمانوں کو ہندوؤں کے درمیان پھر سے زندگی گزار کے دیکھوں گی۔ دماغ کیا کہتا ہے؟ تب کسی نتیجہ پر پہنچوں گی!"

گنگا: "یہی میں بھی کروں گی؟"

ابوالحسن اس متندم فقدا سے تنگ آگیا تھا۔ اس نے ذرا جھنجھلا کر کہا۔

"یہ بھی خوب تماشا ہے، جو یہ کریں گی، وہی وہ بھی کریں گی ——"

اتنے میں افضل کہیں سے گھومتا ہوا آ گیا۔ اس نے ابوالحسن کے منہ سے نکلا ہوا آخری جملہ سن لیا۔ کہنے لگا۔

"کیا جھگڑا ہو رہا ہے بھئی، کون کیا کر رہا ہے؟ ذرا ہم بھی تو سنیں!"

سیتا نے ساری رام کہانی از اوّل تا آخر سنا دی اور کہا: "بتائیے آپ کی کیا رائے ہے؟"

افضل نے جواب دیا "وہی جو تمہاری —— بہت صحیح رائے قائم کی ہے۔

تم نے ——!"

پھر وہ ابوالحسن سے مخاطب ہوا: "یہ بے وقوفوں کی سی باتیں نہ کرو جس طرح سیتا میری بہن ہے اسی طرح گنگا بھی ہے۔ کیوں اس بھولی بھالی لڑکی کو محبت کے جال میں پھانس رہے ہو —— چلو لشکر کے روانہ ہونے میں اب بہت تھوڑی دیر رہ گئی ہے اور ابھی بہت کام سرانجام دینا ہیں —— آؤ اٹھو!"

ابوالحسن ایک بے بس معمول کی طرح اٹھ کھڑا ہو گیا۔ راستے میں افضل نے اس کی روتی صورت دیکھ کر کہا: "کیسے عشق کا بھوت سوار ہے اب تک؟"

ابوالحسن نے جھلا کر کہا: "آپ کیا جانیں عشق و محبت کسے کہتے ہیں؟"

افضل مسکرایا: "میں کیا جانوں؟ اس فن کے استاد تم ہی ہو!"

راستہ میں سلطان کا چوبدار مل گیا۔ اس نے افضل سے کہا، "سلطان عالم پناہ یاد فرماتے ہیں آپ کو!"

افضل نے ابوالحسن کو اس کے خیمہ میں رخصت کر دیا۔ اور خود سلطان کے حضور میں پہنچا۔ سلطان نے اس سے کہا: "وہ ہندو لڑکی جو اجتماع میں نظر آئی تھی، کہاں ہے؟"

افضل: "ابھی تک ہمارے لشکر میں ہے سلطان عالم پناہ!"

محمود: "اسے کوئی تکلیف تو نہیں؟ ہم چاہتے ہیں اس کے آرام و آسائش کا خاص خیال رکھا جائے؟"

افضل: "وہ بہت آرام سے ہے آقائے ولی نعمت —— آج وہ بڑے پجاری کے پاس مندر میں جا رہی ہے؟"

محمود: "کسی تکلیف کے باعث یا اپنی مرضی سے؟"

افضل: "اپنی مرضی اور خوشی سے جہاں پناہ؟"

دفعتہً سلطان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا: "چلو، ہم خود رخصت کریں گے چل کر!"

محمود سیتا کے خیمہ میں پہنچا۔ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور کہا۔ "ہم تمہیں روک نہیں سکتے۔ ہمارے دل میں تمہاری عزت ہے۔ یاد، لیکن جب ضرورت ہو ہمیں یاد کرو، ہم تمہاری مدد کو پہنچیں گے ——"

سیتا نے آنسوؤں کے موتیوں سے شکریہ ادا کیا۔ اور گنگا کو ساتھ لے کر رخصت ہو گئی۔

---

(۴۰)

ایلک خاں اور محمود غزنوی

محمود غزنی واپس گیا، ایلک خاں اپنی حماقت اور غلطی محسوس کر چکا تھا۔ اس کا سفیر عفو تقصیر کے لئے غزنی میں محمود کا انتظار کر رہا تھا۔ محمود کو ایلک خاں کے سفیر کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ اس نے اسے مرعوب اور دہشت زدہ کرنے کے لئے دربار میں شرفِ باریابی جب عطا کیا تو شان و شکوہ اور جاہ و جلال کا وہ مظاہرہ کیا کہ چشمِ فلک نے بھی ایسے نظارے کم دیکھے ہوں گے۔ اس نے ایک بہت بڑے جشن کا انتظام کیا۔ فوج اور سامانِ جنگ کے علاوہ تمام شاہی خزانہ جس میں نگر کوٹ کا مالِ غنیمت بھی شامل تھا، غزنی سے باہر ایک وسیع و عریض میدان میں نمائش کے لئے رکھا گیا۔ مستحقین، غربا، مساکین، امرا، کارکنانِ حکومت، عہدے داران، سب کو داد و دہش سے مالا مال کر دیا —— شہر سے باہر ایک بارگاہ ایستادہ کی۔ سونے اور چاندی کے تخت اس بارگاہ میں بچھوائے۔ نگر کوٹ کا مالِ غنیمت میدان میں چن دیا گیا۔ شہریوں اور دیہاتیوں کے گروہ در گروہ تفریح اور تماشے کے طور پر اس مال کو دیکھنے آئے۔ تین دن تک یہ میلہ جاری رہا۔ سلطان نے بے شمار جشن منعقد کئے اور رعایا کو بخشش و عطیوں سے مالا مال کر کے تالیفِ قلوب میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا[۱] ——"

—— ساسانی بادشاہوں کو فخر تھا کہ ان کے پاس رطل یعنی کوئی تین

[۱] تاریخ فرشتہ

سیر زمرد کے ہیرے جمع ہو گئے تھے۔ محمود کے خزانے میں گرانقدر جواہرات کی تعداد سو رطل سے بھی زیادہ تھی[۱]۔

ایلک خاں کے سفیر کو جب سلطان محمود نے اذنِ باریابی بخشا تو دربار کا جاہ و جلال اور دبدبہ و طنطنہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا —— ایوانِ مجلس کے راستے پر دو رویہ دو ہزار غلام زریں لباس پہنے صف بستہ تھے۔ ان کے آگے پانچ سو غلامانِ خاصہ کی قطار تھی۔ جن کی سنہری پیٹیاں جواہرات سے مرصع تھیں۔ تختِ شاہی کے گرد راجاؤں کے گروہ میں ہر فرد قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھے اشارۂ سلطانی کا منتظر تھا۔ باہر میدان میں سات سو کوہ پیکر ہاتھی جنگی زرہ بکتر اور زریں جھولوں سے آراستہ جھوم رہے تھے۔ پیادہ سپاہ اور زرہ پوش سواروں کی قطاریں بہترین اسلحہ سے مسلح تلواریں کھینچے نیزے تانے کھڑی تھیں۔ جس ایوانِ عالی شان میں سفیر کو لے جایا گیا، وہ جواہرات کی چمک سے جگ مگ کر رہا تھا۔ اس کی آرائش دیکھ کر سفیر و وزیر دنگ رہ گئے۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ کسی زمانہ میں بھی ایسے نوادر عجم کے اکاسرہ و روم کے قیاصرہ، ہندستان کے راجا اور عرب کے خلفا کے پاس جمع نہ ہوئے تھے[۲] ——

ایلک خاں کا سفیر محمود کے سامنے پہنچا تو رعب و دہشت سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ایک سراسیمگی کی کیفیت غریب پر طاری تھی۔ محمود نے اس کی یہ کیفیت بھانپ لی۔ اس نے دل دہی کے لہجہ میں کہا۔

"ایلک خاں نے ہم سے دشمنی کی تھی، ہم اب تک اپنے دل میں ان کی محبت محسوس کرتے ہیں!"

سفیر نے دستِ ادب کو بوسہ دیا اور کہا: "سلطان عالم پناہ کی رحم دلی، مہر و مروت اور جود و عطا کی ایک دنیا ثنا خواں ہے ——"

[۱] تاریخ پاکستان و بھارت (سید ہاشمی) ۱۳۵

[۲] تاریخ ہند بحوالہ روضۃ الصفا ۱۳۵، ۱۳۶

محمود: "اور ایلک خاں؟"

سفیر: "ہمارا بادشاہ ایلک خاں بھی اپنی گزشتہ غلطیوں پر بہت نادم ہے۔ عفوِ تقصیر کی غرض سے اس نے غلام کو خدمتِ سلطانی میں بھیجا ہے۔ وہ چاہتا ہے، غزنی سے اس کے تعلقات از سرِ نو استوار ہو جائیں۔ پچھلی باتیں فراموش کر دی جائیں، اور پھر سے عہدِ وفا استوار کیا جائے!"

محمود: "ہمارا عہد کبھی بھی بودا نہیں ہوتا!"

سفیر: "میرا آقا ایلک خاں بھی اس حقیقت کا معترف ہے!"

محمود: "یہ ندامت وقتی ہے یا حقیقی؟"

سفیر: "ایلک خاں نے اپنی غلطی اور غلط روی کو پورے طور پر محسوس کر کے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، اور میں سلطانِ عالم پناہ کی رحم دلی اور مروّت کے بھروسہ پر وعدہ کر کے آیا ہوں کہ رضائے سلطانی کی خوشخبری لے کر واپس آؤں گا!"

محمود: (مسکرا کر) "تمہارا حسنِ ظن رائگاں نہ جائے گا ——— ہم نے ایلک خاں کی خطا معاف کی!"

یہ سن کر سفیر ضبط نہ کر سکا۔ اس نے جھک کر سلطان کے قدموں کو بوسہ دیا اور کہا۔ "سلطان عالم پناہ کی دریا دلی، رواداری اور عالی ظرفی کی واقعی کوئی انتہا نہیں!"

اور پھر سفیر خوشی خوشی اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

ایلک خاں کی سفارت واپس جانے کے بعد سلطان نے ارسلان جاذب کو بلایا اور کہا ——— "کیا ہمارے لشکر کی تھکن دُور ہو گئی؟"

ارسلان: "عالم پناہ! آپ کا لشکر کبھی نہیں تھکتا۔ وہ ہر وقت چوکس اور آمادۂ جنگ رہتا ہے۔"

محمود: "ہم جانتے ہیں! پھر بھی ہم نے چاہا تھا کہ لشکر کے سپاہی ذرا آرام کریں۔ اپنے

بیوی بچوں سے مل لیں، کچھ دن سیر و تفریح میں گزاریں۔ یہ بھول جائیں کہ ان کا کام رزم ہے۔ صرف یہ یاد رکھیں کہ وہ وطن میں ہیں اور سکون و عافیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں!"

ارسلان: "عالم پناہ کی یہ خواہش پورے طور پر تکمیل کو پہنچی۔ اب جو حکم ہو، اس کی تعمیل کیلئے وہ دل و جان سے حاضر ہیں!"

محمود: "ہمیں غوریوں کی سرکوبی کرنی ہے، اور ——— (غصہ کی آواز میں) الفترح کو اس کے خبثِ نفس کی سزا دینی ہے!"

ارسلان: "صرف جہاں پناہ کے اشارہ کی دیر ہے!"

محمود: "ہم صبح سویرے یہاں سے کوچ کر دینا چاہتے ہیں!"

ارسلان: "جہاں پناہ!"

غوریوں کی عام آبادی اب تک کفر و شرک کے راستے پر چل رہی تھی۔ البتہ ان کا حکمراں طبقہ مسلمان تھا۔ اور یہ غوریوں کی جنگ جوئی سے فائدہ اُٹھا کر سلطان کے راستے میں اکثر سنگِ گراں بن کر حائل ہوا کرتا۔

محمود نے اس وقت تک ان سرپھرے لوگوں سے تعرض نہیں کیا، جب تک انہوں نے اُسے سند پال کی طرح ہجوم و اقدام کی دعوت نہ دی۔

محمود اپنا لشکر لے کر غوریوں کی سرکوبی کے لئے نکلا ——— اور غور کا حاکم محمد ثوری اسّی ہزار سواروں کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکلا۔ طرفین سے لڑائی کا میدان گرم ہوا۔ طلوعِ آفتاب سے لے کر دوپہر تک لڑائی تیزی کے ساتھ جاری رہی۔ غوریوں نے اس لڑائی میں پوری مردانگی دکھائی۔ جب سلطان محمود نے غوریوں کی دلیری اور سرفروشی کا یہ عالم دیکھا تو اپنی فوج کو حکم دیا کہ حریف کو جنگی فریب کے دام میں گرفتار کریں۔ یعنی خود دشمن کے سامنے یہ ظاہر کر کے کہ گویا ہار رہے ہیں بھاگیں۔ چنانچہ فوج نے ایسا ہی کیا۔ غوریوں

غزنی کی سپاہ کے اس بھاگنے کو فرار ہزیمت سمجھ کر اپنے گھوڑے بھوتے خندق سے پار اتر کر پیچھا کیا۔ جب غوری سپاہ میدان میں نکل آئی، تو سلطان محمود نے گھوڑے کی باگ پھیری اور غوریوں پر یورش کرکے فوج کے بیشتر حصّہ کو قتل کر دیا۔ محمد بن سوری گرفتار ہو کر سلطان کے سامنے پیش ہوا (غیرت کے باعث) محمود کے سامنے زہر آلود نگینہ کو چوس کر دُنیا کو خیر باد کہا ؛

---

(۴۱)

مازندہ ازانیم کہ آرام نہ گیریم !

غوریوں کی طاقت توڑ نے کے بعد محمود نے ملتان کا رُخ کیا ——— !

ملتان پر ابوالفتوح حکومت کر رہا تھا۔ محمود کے ہاتھ پر تائب ہونے کے بعد جب یہ مرتد ہوا تو اس کے ظلم و جور میں اور اضافہ ہو گیا۔ وہ اُن مسلمانوں کے ساتھ بڑی بے رحمی اور شقاوت کے ساتھ پیش آتا جو اس کے ہم خیال اور ہم عقیدہ نہیں تھے، انہیں طرح طرح کی اذیتیں دے کر ذلیل کرتا، اُن کی زندگی اجیرن کر دیتا۔ وہ اگر سر اُٹھاتے یا آزادیٔ فکر و خیال کا مطالبہ کرتے تو اس کی مسلح فوجیں انہیں قتل کر دیتیں۔ ان کا مال لوٹ لیتیں۔ اور ان کے املاک و جائداد پر قبضہ کر لیتیں۔ ان کی دولت چھین لیتیں اور انہیں طرح طرح سے پریشان کرتیں۔

محمود کو یہ ساری اطلاعیں مل چکی تھیں، ایک تو اسے غصہ تھا کہ ابوالفتوح نے اس جنگ میں جو نندپال نے مہاراجگانِ ہند کی معیت میں اس سے لڑی تھی، خلاف عہد اس کا ساتھ نہیں دیا۔ بلکہ ہر طرح نندپال کی مدد کی۱ اور کچھ یہ غصہ تھا کہ وہ پھر بے راہ اور گمراہ ہو گیا حالانکہ تائب ہو چکا تھا۔

غوریوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد محمود غزنوی ——— ایک بڑی فوج لے کر اس تیزی سے ملتان آگیا کہ ملتانیوں کو تیاری کا موقع ہی نہ مل سکا۔ یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے لیکن

---

۱ تاریخ سندھ بحوالہ زین الاخبار مطبوعہ برلن ..

محمود نے ایک زبردست اور پُرزور حملہ کرکے (بڑی آسانی سے) ملتان کو فتح کر لیا۔ ابوالفتوح نے مایوس ہوکر شدت کے ساتھ جنگ جاری رکھی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ نندپال کسی طرح مدد کو نہیں پہنچ سکتا۔ بجے رائے کا پہلے ہی خاتمہ ہو چکا۔ دوسرے مہاراجگان ہند خود زخم خوردہ ہیں۔ وہ کیا مدد کو آئیں گے۔ محمود ایک مرتبہ معاف کر چکا۔ بار بار ایک ہی جرم سے درگزر نہیں کرے گا۔ لہٰذا وہ تن دہی سے لڑا لیکن قسمت کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ محمود نے ——— ملتان کو فتح کیا جو ایک باغی شہر کا جو حال ہو سکتا تھا۔ وہ اس کا ہوا۔ اس نے عبرت کے لئے باغیوں کو سخت سے سخت سزا دی۔[1] ——— بہت سے قرامطہ اور ملحدوں کو اس نے قتل کیا، اور بہتوں کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے۔[2] ابوالفتوح جب گرفتار ہوکر اُس کے سامنے آیا تو اُس نے نفرت اور حقارت سے منہ پھیر لیا اور کہا۔

"میں ایسے عہد شکن اور مذہب دشمن اور مسلم آزار دشمن کا منہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ اس نے بہت بڑا جرم کیا ہے۔ اس نے ایک مسلمان کے مقابلہ میں ایک کافر کی مدد کی۔ اس نے عہد شکنی کی۔ اس نے اپنی اس مسلمان رعایا پر جو اس کی ہم مشرب یعنی اسمٰعیلی نہیں تھی ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ اس نے ان کے ساتھ ایسا ننگ انسانیت برتاؤ کیا جس کی ہلکی سے ہلکی سزا قتل ہو سکتی ہے!"

پھر اس نے ارسلان جاذب کی طرف دیکھا اور کہا: "لیکن میں اسے قتل نہیں کرونگا۔"

ارسلان نے ادب کے ساتھ عرض کیا: "اس کی ہلکی سے ہلکی سزا صرف قتل ہی ہو سکتی ہے اور کچھ نہیں!"

محمود نے کہا: "نہیں میں اسے ہلکی سزا دینا نہیں چاہتا!"

ارسلان: "جہاں پناہ! مالک و مختار ہیں۔"

---

[1] تاریخ سندھ ۲۶۹

[2] تاریخ فرشتہ ۹۱

محمود: "میں اسے بڑی سخت اور سنگین سزا دینا چاہتا ہوں۔ اس کے ساتھیوں کو میں نے ہلکی سزا دی اور انہیں قتل کر دیا۔ اسے سنگین ہی سزا ملے گی، بہت زیادہ سنگین!"

ارسلان: "جہاں پناہ!"

محمود: "ابوالفتوح کو غورک کے قلعہ میں قید کر دو۔ یہ وہاں اس وقت تک قید رہے گا جب تک یہ زندہ رہے گا۔ اسے اپنی بدعنوانیوں اور ستم آرائیوں کا احساس ہو تا رہیگا اس کا ضمیر اسے کچوکے دیے گا۔ اس کا دل اسے ملامت کریگا۔ یہ تڑپا کرے گا لیکن مر نہ سکے گا۔ یہ موت کو پکارے گا۔ لیکن وہ اس سے آنکھ مچولی کھیلتی رہے گی۔ یہ زندگی بھر احساس گناہ کے بوجھ تلے پستا رہے گا ——— لے جاؤ اسے!"

ابوالفتوح غورک کے قلعہ میں لے جاکر قید کر دیا گیا۔ اس نے سلطان کے رحم و کرم کی جھولی کو پھر جھنجھوڑا۔ لیکن اس مرتبہ اس میں سے رحم کا تاج نہیں نکلا۔ انتقام کی تلوار نکلی اور واقعی ابوالفتوح اس قلعہ سے مر کر نکلا۔[1]

---

[1] تاریخ سندھ ۲۶۹

[2] ایک مورخ نے لکھا ہے: "سلطان نے ملحدین ملتان کو جیسی سخت اور دردناک سزائیں دیں، جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے تھے کسی ہندو مفتوح کو اختلاف مذہب کے باعث اس کی عشر عشیر بھی سزا اور تشدد سے دوچار نہیں ہونا پڑا۔"

(۴۲)

پھر نندپال!

نگرکوٹ کو فتح کرنے، غور کو شکست دینے اور ملتان پر قبضہ کرنے کے بعد محمود پھر غزنی پہنچا۔ ع

یعنی آگے چلیں گے دم لے کر!

وہ بہت تھک گیا تھا، سوچا، خود بھی آرام کرے اور فوج کو بھی ذرا کمر سیکنے کو موقع دے۔ محمود کا یہ اصول تھا کہ وہ ہندوستان کے جس مقام کو فتح کرتا تھا۔ اس پر مستقل قبضہ نہیں کرتا تھا، صرف اطاعت اور وفاداری کا عہد لے کر واپس چلا آتا تھا، اور وہاں کسی دیسی کے ہندو باشندے کو سربراہ کار مقرر کر دیتا تھا۔

نندپال جب شکست کھا کر بھاگا، تو نگرکوٹ پہنچا۔ وہاں بھی جب قضائے مبرم کی طرح محمود پہنچ گیا، تو بڑے پجاری کو بے ہوش چھوڑ کر، وہ جسونت کے ساتھ راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ پھر اسی خانہ بدوشی کے عالم میں اسے خبر ملی، کہ نگرکوٹ کو محمود نے فتح کر لیا۔ اس نے یہ بھی سنا کہ وہاں کے باشندے اس کے عدل و انصاف کو دیکھ کر اس کا دم بھرنے لگے ہیں۔ پھر اسے یہ معلوم ہوا کہ بڑے پجاری کو وہاں کا کرتا دھرتا مقرر کر کے وہ غور پہنچا، اور وہاں سے کامیاب و کامران ملتان۔ ملتان کی اس نے اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ابوالفتوح کو گرفتار کیا، وہاں کی عام رعایا کو نویدِ امن دی اور ملاحدہ و قرامطہ کو عبرت انگیز اور دردناک سزائیں دیں۔*

* ملخص تاریخ سندھ

پے بہ پے یہ خبریں نندپال کو اس طرح ملیں کہ اس کے حواس غائب ہو گئے۔ امید کی روشنی مفقود ہو گئی، اور ناامیدی کی تاریکی چھا گئی۔ لاہور اس کے قبضہ سے نکل چکا تھا۔ بجے پال خودکشی کر چکا تھا۔ ابوالفتوح قید ہو چکا تھا۔ راجگانِ دہلی و قنوج اور کالنجر و گوالیار، اس کے نام سے نفرت کرتے تھے۔ پھر آخر اب کیا کرے اور کہاں جائے؟ ایک دور دراز جنگل کے ایک ویران و شکستہ کھنڈر میں وہ بیٹھا جسونت سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔

"جسونت اب ہم کیا کریں؟"

جسونت نے بڑے پژمردہ اور مضمحل انداز میں جواب دیا، کیا بتاؤں اَن داتا کچھ کو میں نہیں آتا۔ عقل کام نہیں کرتی، وہی بات ہے کہ ع

زمین سخت ہے آسماں دُور ہے!

کہیں دُور دور امید کا دیا جلتا نہیں دکھائی دیتا!"

نندپال: پھر؟ ——— کیا وقت آگیا ہے کہ ہم خودکشی کر کے اس مصیبت سے چھٹکارا پائیں!

جسونت: "نہیں اَن داتا، یہ رائے تو میں نہیں دوں گا!"

نندپال: "کتنی عجیب بات ہے، تم ہمیں خودکشی بھی نہیں کرنے دیتے، کوئی ترکیب اور تدبیر بھی نہیں بتاتے۔ امید کی کرن بھی نہیں دکھائی دیتی۔ مایوسی کا گھٹا ٹوپ اندھیرا ہی ہر طرف پھیلا ہوا ہے ——— آخر تم ہی بتاؤ۔ ع

اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آئے؟

ہم سے تو ان حالات میں زندہ نہیں رہا جاتا!"

جسونت۔ (بے قرار ہو کر) "اَن داتا، اَن داتا!" ایسا نہ کہیے۔

نندپال:- "پھر کیا کہتے ہو۔ صرف اَن داتا کا ورد کرنے سے کام نہیں چلے گا، اگر کوئی تجویز رکھتے ہو تو پیش کرو۔ ورنہ ہمیں مشورہ دو کہ خودکشی کر لیں۔ آخر خودکشی مرد ہی کرتے ہیں۔ کیا نندپال کا باپ خودکشی نہیں کر چکا؟"

جسونت: "مہاراجہ جے پال نے خودکشی کی تھی اَن داتا۔"

نندپال: "پھر اگر نندپال بھی اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلے گا تو کیا غضب ہو جائے گا؟"

جسونت: "ایک تجویز ہے اَن داتا، اگر آپ منظور کریں!"

نندپال: "منظور نہ کریں گے تو کیا کریں گے ؟ بتاؤ وہ تجویز کیا ہے ؟"

جسونت: "اگر حکم ہو تو میں سلطان محمود کے پاس جاؤں اور عفوِ تقصیر کی التجا کروں ؟"

نندپال: "فائدہ؟ ——— کیا تم سمجھتے ہو محمود معاف کر دے گا؟ نہیں! اِس مرتبہ وہ بہت برہم ہے۔ ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ وہ نگرکوٹ تک ہمارا پیچھا کرتا ہوا آیا تھا!"

جسونت: "اس کے بعد بھی غلام کو اُمید ہے کہ وہ اُسے راضی کر لے گا۔"

نندپال: "کیا تم محمود کو راضی کر لو گے ؟"

جسونت: "اَن داتا ——— راضی کر لوں گا!"

نندپال: "تو تمہیں عذر نہیں، جا سکتے ہو ——— لیکن اگر وہ نہ راضی ہوا تب ؟"

جسونت: "تب آپ خودکشی کر لیجیے گا اور میں بھی ———"

نندپال: "خیر دیکھا جائے گا۔ فی الحال تم غزنی جاؤ۔"

—

اور یہ اجازت پاتے ہی جسونت ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر غزنی کی طرف روانہ ہو گیا۔ جسونت نے اگرچہ نندپال سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ محمود کو راضی کرے گا لیکن اندر سے اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا میں کس منہ سے محمود کو راضی کروں گا؟ کس منہ سے نندپال کی سفارش کروں گا۔ لیکن پھر اس کا دل اُسے تسلّی دیتا تھا ——— "شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را!" محمود نے بڑے بڑے مجرموں کی بڑی بڑی خطائیں معاف کی ہیں۔ ضرور وہ ایک مرتبہ پھر نندپال کو معاف کرے گا!